کلیات آغا حشر کاشمیری

1

(آفتاب محبت، مرید شک، مار آستین، اسیر حرص)

مرتبین
آغا جمیل کاشمیری
یعقوب یاور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک1، آر کے پورم، نئی دہلی 066 110

Kulliyat-e Agha Hashr Kashmiri-1
Edited by : **Agha Jameel Kashmiri**
&
Yaqoob Yawar

©قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : اپریل، جون 2004 شک 1926
پہلا اڈیشن : 1100
قیمت : 161/-
سلسلہ مطبوعات : 1158

ISBN: 81-7587-056-7

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر کے پورم، نئی دہلی 110066
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی و ادبی کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے کما حقہٗ واقفیت بھی نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت قدیم اور جدید عہد کے شاعروں اور نثر نگاروں تک تمام اہم اہلِ فکر و فن کی تصنیفات شائع کرنے کی خواہاں ہے تاکہ نہ صرف اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جا سکے بلکہ زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیات آغاحشر کاشمیری اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

(ڈائرکٹر محمد حمید اللہ بھٹ)
ڈائرکٹر

فہرست

	دیباچہ	7
1۔	آفتاب محبت	21
2۔	مرید شک	101
3۔	مار آستین	199
4۔	اسیر حرص	307

دیباچہ

ڈرامے کا تعلق تمثیل اور نقالی سے ہے یہی سبب ہے کہ اس کے ابتدائی نمونے ان علاقوں میں ملتے ہیں جہاں بت پرستی عام تھی ہندوستان اور یونان ایسے ہی خطے ہیں لیکن ان دونوں علاقوں میں ڈرامے کی روایت انفرادی طور پر پروان چڑھی۔ آگے چل کر جب دونوں میں تہذیبی روابط استوار ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ ہندوستان میں کالی داس کے ڈراموں کی فکری و فنی بلندی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ایک صدی قبل مسیح سے کافی پہلے ہوئی ہوگی۔ بدھ اقتدار میں آئے تو انھوں نے بھی اسے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے مفید پایا۔ رفتہ رفتہ مختلف ناٹک منڈلیاں وجود میں آئیں جنھوں نے اس کی شکل ایسی بدلی کہ اس کا تعلق سماج کے نچلے طبقے سے رہ گیا۔

مسلمان ہندوستان آئے تو ان کا سابقہ ڈرامے کی اسی شکل سے پڑا۔ اول تو ان کا عقیدہ ایسی چیزوں کی سرپرستی کی اجازت نہیں دیتا تھا دوسرے اس عہد میں ڈرامے شرفا کے معیار پسند سے نیچے کی چیز ہو گئے تھے۔ اس لیے اس فن کی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ البتہ شاہان اودھ کے آخری دور میں اس جانب توجہ دی گئی اور یہی اردو ڈرامے کے آغاز کا زمانہ ہے، جب سید آغا حسن امانت لکھنوی نے اندرسبھا کی تخلیق کی جسے اسٹیج پر بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں امانت کی نقل میں متعدد اندر سبھائیں لکھی گئی۔ حتی کہ یہ لفظ ڈرامے کے متبادل کے طور پر استعمال

ہونے لگا۔ یہ اندر سبھائیں ملک کے مختلف حصوں میں اسٹیج کی گئیں۔

اسی زمانے میں عروس البلاد بمبئی میں بھی اردو ڈراموں کی جانب لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ یہاں کی روایت کا سلسلہ اودھ کے بجائے انگریزی اور مراٹھی اسٹیج سے جڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی غیر معمولی دلچسپی نے اسے ایک منافع بخش کارو بار کی شکل دے دی تھی۔ کارو باری مسابقت نے اسے پھلنے ، پھولنے اور نکھرنے کے وافر مواقع فراہم کیے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اردو ڈراموں کے افق پر آغا حشر کاشمیری نمودار ہوئے۔

آغا حشر کی پیدائش بنارس میں 3/4 اپریل 1879 کی درمیانی شب میں ہوئی۔ ان کے اجداد کا تعلق ان کے والد آغا غنی شاہ تک کشمیر سے قائم رہا لیکن خود آغا حشر کا راست تعلق کشمیر سے نہیں تھا۔ والدین نے ان کا نام آغا محمد شاہ رکھا لیکن بعد میں انھیں شہرت آغا حشر کاشمیری کے نام سے ملی۔

جیسا کہ ان دنوں شرفا کے گھروں میں رواج تھا ،آغا حشر کو عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم مولوی حافظ عبد الصمد نے دی جو اس زمانے کے مشہور معلم تھے۔ آغا صاحب کے والد انھیں عالم دین بنانا چاہتے تھے لیکن خود آغا حشر کو انگریزی تعلیم سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ خاندان کے بعض افراد کے اصرار پر ان کا داخلہ جے نرائن اسکول میں کرا دیا گیا، جہاں انھوں نے درجہ چھ تک تعلیم حاصل کی۔جب تک وہ اس اسکول میں زیر تعلیم رہے، اپنی ذہانت سے اپنے اساتذہ کا دل جیتتے رہے۔ اسی زمانے میں انھیں شاعری کا شوق ہوا اور وہ فارسی اور اردو میں شعر کہنے لگے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آغا حشر کو ڈرامے سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اپنے ہم جماعتوں کو ساتھ لے کر اسکول سے متصل قبرستان میں چادریں تان کر اندر سبھا اسٹیج کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں جبلی تھیٹریکل کمپنی بنارس آئی۔ طلب علموں کو رعایتی داموں پر ٹکٹ فراہم کرنے سے انکار پر آغا حشر نے رفیع الاخبار میں اس کمپنی کے ڈراموں پر شدید نکتہ چینی کی۔

کمپنی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا تو آغا حشر نے اور شدت سے حملہ کیا۔ اس اخبار بازی سے بچنے کے لیے کمپنی کے مالکوں نے حشر کو مفت ڈراما دیکھنے کی دعوت دے کر مصالحت کرلی اس طرح نہ صرف آغا حشر کو ڈراما دیکھنے کا موقع ملنے لگا بلکہ کمپنی کے ڈائریکٹر امرت لال اور ڈراما نویس مہدی حسن احسن لکھنوی سے بھی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ایک دن کسی بات پر احسن صاحب سے بحث ہوگئی جس کے دوران حشر نے ان سے کہہ دیا کہ جیسا ڈراما آپ لکھتے ہیں، میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں۔ احسن صاحب جیسے پختہ کار کے سامنے ایک نوجوان کا یہ دعویٰ تعلّی کے مترادف تھا تاہم اسے نبھانے کے لیے آغا حشر نے نہ صرف ڈراما ''آفتابِ محبت'' لکھا بلکہ دوستوں کا ایک کلب بنا کر اسے اسٹیج بھی کر دکھایا۔ یہی آغا حشر کا پہلا ڈرامہ ہے جو 1897ء میں جواہر اکسیر پریس، بنارس میں چھپ کر شائع ہوا۔

ایک طرف آغا حشر کی دلچسپیوں کا یہ حال تھا ، دوسری طرف ان کے والد آبائی کاروبار میں ان کی دلچسپی نہ دیکھ کر ان کے مستقبل کی طرف سے فکر مند تھے۔ چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد انھوں نے اپنے رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے بنارس میں میونسپل بورڈ میں ان کے لیے ایک معقول ملازمت کا انتظام کردیا۔ اس ملازمت کے لیے کچھ زرِ ضمانت مطلوب تھا۔ آغا غنی شاہ بیٹے کو ساتھ لے کر میونسپلٹی گئے لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے مطلوبہ رقم آغا حشر کے حوالے کر کے گھر چلے آئے۔ اتفاقاً کوئی ایسی صورت پیش آئی کہ یہ رقم اس دن میونسپلٹی کے خزانے میں جمع نہ ہوسکی۔ جب آغا حشر گھر لوٹ رہے تھے تو راستے میں انھیں کچھ دوست مل گئے جن کی خاطر مدارات میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوگئی اس کے بعد والد کی جواب طلبی کے خوف سے ان کا رخ گھر کے بجائے اسٹیشن کی جانب مڑ گیا اور وہ بمبئی جا پہنچے۔

بمبئی آغا حشر کے لیے نئی جگہ تھی۔ ان کے علم میں تھا کہ ان کے ایک دوست عبداللہ بمبئی میں رہتے ہیں۔ وہ انھی کے پاس پہنچے اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔

عبداللہ شاعری کے دلدادہ تھے۔ اتفاق سے اسی دن بمبئی میں کوئی مشاعرہ تھا۔ وہ آغا حشر کو لے کر اس میں شریک ہوئے۔ یہاں کسی بات پر بمبئی پنچ کے ایڈیٹر مولوی فرخ سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ اور یہ جھگڑا بمبئی پنچ کے صفحات تک آگیا۔ اس طرح آغا حشر شہر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر وہ الفریڈ کمپنی کے مالک کاوس جی پالن جی کھٹاؤ سے ملے۔ کاوس جی اس وقت چائے پی رہے تھے۔ حشر نے ان کے حسب فرمائش چائے پر ایک فی البدیہہ نظم کہہ کر سنائی۔ اس کے بعد انھوں نے حشر کو دوسرے دن ملنے کے لیے کہا۔ حشر یہ سمجھے کہ کاوس جی نے انھیں بڑے سلیقے کے ساتھ ٹال دیا ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونے کے بعد جب وہ کاوس جی سے ملے تو انھیں الفریڈ کمپنی میں ڈرامانویس کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا اور ۳۵ روپیہ ماہانہ مشاہرہ طے ہوا۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے سب سے پہلے مرید شک (1899) لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے چند ماہ بعد مار آستین (1899) تصنیف کیا۔ اس ڈرامے کو بھی اسٹیج پر غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

حشر کی مقبولیت بڑھی تو مختلف ڈراما کمپنیوں کی طرف سے انھیں ملازمت کی پیش کش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ڈیڑھ سو روپے ماہوار پر نو روز بی پری کی کمپنی کی ملازمت قبول کر لی۔ یہاں انھوں نے اسیر حرص 1901 لکھا۔ یہ ڈراما بھی بے حد پسند کیا گیا۔ حشر کی اس روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر کاوس جی کھٹاؤ نے انھیں دو بارہ ساڑھے تین سو روپے ماہانہ پر اپنے یہاں بلا لیا۔ اس بار اُن کی کمپنی کے لیے انھوں نے شہید ناز 1902 لکھا جو حسب روایت کافی مقبول ہوا۔اس کے بعد انھوں نے اڈیسر بھائی ٹھوٹھی کی کمپنی کے لیے 1906 میں سفید خون اور 1907 میں صید ہوس اور سہراب جی اُگرا کی کمپنی کے لیے 1908 میں خواب ہستی اور 1909 میں خوبصورت بلا ڈرامے لکھے جنھیں خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈراما نویس کے طور پر بے حد مقبول ہونے کے باوجود آغا حشر اپنی موجودہ

حیثیت سے ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے۔ انھیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ مالکان کمپنی ان کی تحریروں میں اپنی صوابدید کے مطابق تحریف اور کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد کے ایک تعلقہ دار کے اشتراک سے 1909 میں انھوں نے دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدرآباد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے سہراب جی اگرا کی کمپنی کے لیے لکھا گیا ڈرامہ خوبصورت بلا اسٹیج کیا۔ اس کے بعد اگلے سال 1910 میں اپنا پہلا مجلسی ڈرامہ سلور کنگ عرف نیک پروین لکھ کر پیش کیا۔ اسی سال یہودی کی لڑکی عرف مشرقی حور بھی اس کمپنی کے اسٹیج پر دکھایا گیا۔ حیدرآباد میں مقبولیت کے ڈنکے بجانے کے بعد یہ کمپنی سورت ہوتی ہوئی بمبئی پہنچی اور یہیں ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آغا حشر نے 1912 میں جالندھر کے بھائی گیان سنگھ کی نو تشکیل کمپنی میں پانچ سو روپیے ماہ وار پر ڈرامہ نویس کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ لیکن جلد ہی امرتسر میں یہ کمپنی بھی بند ہوگئی۔

1913 میں آغا حشر نے اپنے ڈراموں کی اداکارہ حور بانو سے لاہور میں شادی کرلی۔ اسی زمانے میں انھیں دہلی میں ایک عوامی استقبالیہ دیا گیا جس میں انھیں انڈین شیکسپیر کے خطاب سے نوازا گیا۔ لاہور پہنچ کر انھوں نے اپنی دوسری کمپنی انڈین شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ یہ کمپنی مختلف شہروں کا دورہ کرتی ہوئی کلکتہ پہنچی۔ یہاں آغا حشر ریلوے پلیٹ فارم سے نیچے گر گئے جس کے نتیجے میں ان کے دائیں پیر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ انھیں کافی عرصے اسپتال میں رہنا پڑا۔ اسی علالت کے دوران انھوں نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا پہلا ہندی ڈرامہ بھگت سور داس عرف بلوا منگل لکھوایا جو ان کے چھوٹے بھائی آغا محمود شاہ کی ہدایت میں پہلی بار 1914 اسٹیج ہوا۔ اس کے بعد کمپنی کھڑگ پور، مظفر پور اور پٹنہ ہوتی ہوئی بنارس آئی۔ قیام بنارس کے دوران آغا حشر کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی جو صرف تین ماہ زندہ رہ کر لکھنؤ میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ کمپنی یوپی اور پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی لاہور ہوتے ہوئے سیالکوٹ پہنچی۔ یہاں آغا حشر اپنی زندگی کے ایک اور بڑے حادثے سے ہم کنار ہوے۔ ان کی اہلیہ جن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی ایک طویل علالت کے بعد

1918میں لاہور میں انتقال کر گئیں۔ شریک حیات کی اس مفارقت نے آغا صاحب پر کچھ ایسے نفسیاتی اثرات مرتب کیے کہ وہ کمپنی کا سارا سامان سیالکوٹ میں چھوڑ کر بنارس چلے آئے۔ اور بہت دنوں تک یہیں آرام کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ رستم جی کی دعوت پر کلکتہ گئے اور جے ایف مڈنس کمپنی میں ایک ہزار روپے ماہانہ پر ملازم ہوگئے۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے مشرقی ستارہ عرف شیر کی گرج لکھا (1918) چونکہ کلکتے کے مارواڑی عوام ہندی ڈراموں کے شوقین تھے، اس لیے آغا حشر نے اس زمانے میں بطور خاص ہندی میں لکھنا شروع کیا اور مدھر مرلی (1919) بھارت رمنی (1920) بھگیرتھ گنگا (1920) ایوم پراچین اور نوین بھارت (1921) جیسے ڈرامے لکھے اس کے بعد اردو میں ترکی حور (1922) اور ہندی میں سنسار چکر عرف پہلا پیار (1922) لکھا۔ اسی زمانے میں کلکتہ کی اسٹار تھیٹریکل کمپنی کے لیے انھوں نے بنگلہ زبان میں اپرادھی کے (1922) اور مصر کماری (1922) بھی لکھے۔ اسی کے ساتھ (1919اور 1923 کے درمیان انھوں نے مڈنس کمپنی کی خاموش فلموں میں اپنی اداکاری کے فن کا بھی مظاہرہ کیا۔ مڈنس کے لیے انھوں نے ترکی حور اور سنسار چکر عرف پہلا پیار کے بعد بھیشم پرتگیا (1923) اور آنکھ کا نشہ (1924) لکھے جنھیں زبردست عوامی مقبولیت ملی۔

شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی پر پہنچنے کے بعد آغا حشر کے دل میں ایک بار پھر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی کمپنی قائم کریں۔ چنانچہ 1925 میں بنارس میں دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ کی بنیاد پڑی۔ اسے لے کر آغا حشر دورے پر نکلے۔ یہ کمپنی جب بہار اور یوپی کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی الہ آباد پہنچی تو مہا راجہ چرکھاری نے جو ان دنوں الہ آباد آئے ہوئے تھے۔ آغا حشر سے سیتا بن واس کے موضوع پر ہندی میں ڈراما لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا حشر نے وعدہ کر لیا اور بنارس آکر اس ڈرامے کی تکمیل کی (1928) یہ ڈراما مہا راجہ کو بے حد پسند آیا چنانچہ انھوں نے اسے آٹھ ہزار روپے خرید لیااور آغا صاحب کو مع اپنی کمپنی کے چرکھاری آنے کی دعوت دی۔ وہاں انھوں نے نہ صرف آغا حشر کی

شاگردی اختیار کی بلکہ پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم کے عوض ان کی کمپنی بھی خرید لی اور آغا صاحب کو ہی اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ یہاں سیتا بن واس کا پہلا دیوناگری ایڈیشن جس کی تعداد اشاعت صرف دو جلد تھی (ایک آغا حشر کے لیے اور ایک مہاراجہ چرکھاری کے لیے) ولسن پریس چرکھاری سے مئی 1929 میں شائع ہوا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد کسی بات پر خوش ہو کر مہا راجہ نے کمپنی آغا حشر کو واپس لوٹا دی اور وہیں سے یہ معمول کے دورے پر کانپور کے لیے روانہ ہو گئی۔

اسی درمیان مڈنس تھیٹرز لینڈ نے آغا صاحب کو کلکتے بلایا۔ چنانچہ وہ کمپنی کو آغا محمود شاہ کے حوالے کر کے کانپور ہی سے کلکتے چلے گئے۔ وہاں رہ کر انھوں نے مڈنس کی بمبئی شاخ دی امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف باہبے کے لیے اردو میں رستم سہراب (1929) لکھا جو اسی سال اسٹیج کیا گیا۔ اس کے علاوہ کلکتے میں قیام کے اس زمانے میں انھوں نے مڈنس کے لیے ہندی کے تین ڈرامے دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا (1929) بھارتی بالک عرف سماج کا شکار (1930) اور دل کی پیاس (1931) لکھے جو ہندی ڈرامے کی روایت میں ایک گراں قدر بلکہ انقلاب آفریں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آغا حشر نے 1931 میں مڈنس کی ملازمت چھوڑ دی اور بنارس آگئے۔ یہاں ان کے پیر میں چوٹ آگئی۔ دیسی دواؤں سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو وہ علاج کے غرض سے کلکتے پہنچے۔ اس درمیان وہ اور بھی کئی امراض میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ ماہر امراض قلب ڈاکٹر سنیل بوس کا علاج شروع ہوا۔ یہ دور سخت پرہیز کا تھا۔ ان دنوں کلکتے میں بولتی فلموں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ مڈنس تھیٹرز کے مینیجنگ ڈائرکٹر فرام جی نے جو پائنیر فلم کمپنی کے مالک بھی تھے، آغا حشر سے فلمی ڈرامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا صاحب نے ان کے لیے شیریں فرہاد لکھا جس میں ماسٹر نثار اور مس کجن نے بنیادی کردار ادا کیے۔ اس فلم کی مقبولیت نے دوسری فلم کمپنیوں کو آغا حشر کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے فرمائشوں کی یلغار ہونے لگی جن کی تعمیل میں انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے فلمی ڈراما عورت کا پیار لکھا جو کافی مقبول ہوا۔

اسی زمانہ میں انھوں نے فرام جی کے لیے مزید دو ڈرامے دل کی آگ (1931) اور شہید فرض (1931) لکھے جو مختلف وجوہ سے فلمائے نہیں جا سکے۔ ان کے علاوہ نیو تھیٹرز کے لیے یہودی کی لڑکی اور چنڈی داس ڈرامے لکھے ان کا تیار شدہ فلمیں کافی مقبول ہوئیں۔ اسی دوران مڈنس نے بھگت سورداس (1914) شرون کمار (1931) اور آنکھ کا نشہ (1924) پر ہندی میں اور ترکی حور (1922) اور قسمت کا شکار پر اردو میں فلمیں بنائیں جنھیں عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

آغا حشر کی بیماری کا سلسلہ دھیرے دھیرے طول پکڑتا جا رہا تھا لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے شخص نہ تھے۔ اسی عالم میں انھوں نے 1934 میں اپنی فلم کمپنی بنائی اور رستم سہراب کو فلمانے کا ارادہ کیا۔ کرداروں کا انتخاب ہونے کے بعد ریہرسل ہورہی تھی کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں انھیں لاہور جانا پڑا۔ یہاں انھوں نے اپنے دوست حکیم فقیر محمد چشتی کا علاج شروع کیا اور یہیں چند دوستوں کے مشورے پر حشر کلچرز کی بنیاد ڈال کر بھیشم پتامہ کی شوٹنگ شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انھیں کئی بار جموں اور سری نگر کا سفر بھی کرنا پڑا۔ اس مسلسل تگ ودو نے ان کی صحت پر مزید برا اثر ڈالا اور مصروفیات کے سبب حکیم صاحب کا علاج بھی باقاعدگی سے جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسی بیماری میں 28/اپریل 1935 کو شام کے چھ بجے ان کا انتقال ہوگیا۔ حکیم فقیر محمد چشتی نے آغا محمود شاہ کو کلکتے فون کرکے ان سے لاہور ہی میں تدفین کی اجازت لے لی اور آغا صاحب مرحوم کی وصیت کے مطابق اگلے دن یعنی ۲۹/اپریل کو دن میں میانی صاحب کے قبرستان چار بر جی میں انھیں ان کی اہلیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس کلیات میں شامل ڈراموں کے مطالعے سے پہلے مندرجہ ذیل بنیادی باتوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ دوران مطالعہ پیدا ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب مل سکے۔

ا۔ 'مار آستین' (1899) آغا حشر کا واحد ڈراما ہے جسے بہ ظاہر انھوں نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنا کوئی ڈراما اپنے ہاتھ

سے نہیں لکھا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ برجستہ مکالمات بولتے جاتے تھے اور بہ یک وقت کئی منشی انھیں قلم بند کرتے رہتے تھے۔ منشیوں کے لکھے ہوئے ان مسودوں کو وہ شاید ہمیشہ دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اور ان منشیوں کی اردو بس واجبی سی تھی اور املا ناقص۔ چنانچہ ان مسودوں میں جگہ جگہ املا کی غلطیاں موجود ہیں، جنھیں مرتبین نے درست کیا ہے۔ آغا حشر کی نظر میں ان مسودوں کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے سنسر کے لیے مقرر حاکم مجاز کہانی کو سمجھ لے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور کردار ادا کرنے والے ایکٹر ان کی مدد سے اپنے مکالمے یاد کرلیں۔ انھوں نے ان مسودوں کی تیاری کے دوران کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ ان کا استعمال انھیں شائع کرنے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ آغا حشر چونکہ اپنے بیش تر ڈراموں کے ہدایت کار بھی خود ہی ہوتے تھے اس لیے اکثر حالات میں انھیں مسودوں میں ہدایات اور مناظر کی تفصیل تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ جن ڈراموں میں ہدایات موجود نہ تھیں، ان میں مرتبین نے ان کا اضافہ کیاہے۔ جہاں ایسا کیا گیا ہے، اس کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

۳۔ ایک ہی ڈارمے کے ایک سے زائد مسودے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ریاست میں ڈراما اسٹیج کرنے سے پہلے اس شہر یا ریاست کے حاکم مجاز سے اسے سنسر کرانا ضروری ہوتا تھا۔ اس غرض سے ہر بار ڈرامے کی نئی نقل تیار کر کے حکام کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ جہاں سے مسودے پر checked and found nothing objectionable کا نوٹ لکھوا لینے کے بعد ہی اسے اسٹیج کیا جا سکتا تھا۔ بیش تر مسودوں پر یہ نوٹ موجود ہے۔

۴۔ عوامی مقبولیت حاصل کر لینے والے کسی ڈرامے کے چند شو مکمل ہوجانے کے بعد اس میں نیاپن پیدا کرنے اور ناظرین کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی غرض

سے اس میں کبھی بعض نئے مناظر جوڑ دیے جاتے تھے اور کبھی بعض مناظر نکال دیے جاتے تھے۔ ان مناظر کو ڈرامے سے نکال دینے کا سبب ان کی خامیاں یا کمزوریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایسا محض تبدیلی یا نیا پن پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ آغا حشر کبھی یہ کام ڈراما کمپنیوں کے مالکان کی فرمائش پر کرتے تھے اور کبھی اپنے طور پر۔ اپنے طور پر عموماً اس وقت جب وہ خود ہی کمپنی کے مالک بھی ہوتے تھے۔

۵۔ آغا حشر کا مرکز نگاہ (Target) وہ عام لوگ تھے جو اپنا پیسہ خرچ کر کے ان کے ڈرامے دیکھنے آتے تھے، وہ نہیں جو ادب کو فن لطیف کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے اپنے گھروں میں اس کا لطف لینے کے عادی تھے۔ ڈراموں کی تخلیق کے دوران ادب ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے ان کی پوری توجہ ڈرامے کو دیکھے جانے اور ان ناخواندہ اور کم سواد ناظرین کے نقطہ نظر سے پسندیدہ اور دلچسپ بنانے پر صرف ہوتی تھی، جن کے لیے یہ ایک سہل الحصول اور سستا وسیلہ تفریح تھا۔ شعر و سخن کے شائقین اور ادب کے سنجیدہ قارئین کی خاطر اس کی نوک پلک سنوارنے سے انھیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ تھیٹر دیکھنے آنے والوں کی اکثریت پہلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور انھی کی پسند پر مالی اعتبار سے کسی ڈرامے کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا تھا۔ ناقدین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ ڈراموں میں اپنی بھرپور ادبی صلاحیت کا استعمال نہیں کر سکے۔

۶۔ اکثر ایک ہی ڈرامے کے دو مسودوں میں کرداروں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات کرداروں کے ناموں کے ساتھ ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر 'آنکھ کا نشہ'' (1924) کے ایک مسودے میں کردار کالی داس، گوری ناتھ، سوہن اور کامنی ہیں۔ اس کا پس منظر بنارس ہے۔ جب کہ اسی ڈرامے کے ایک دوسرے مسودے میں کرداروں کے نام جگل کشور، بنی پرساد، مادھو اور کام لتا ہیں اور اس کا پس

منظر کولکتہ ہے۔ ان صورتوں میں مرتبین نے بعد میں لکھے جانے والے مسودوں کو بنیاد بنایا ہے۔

۷۔ کلیات کی ترتیب میں مسودوں میں مستعمل قدیم املا کو جدید املا میں بدل دیا گیا ہے۔

۸۔ ایک ڈرامے کے ایک سے زائد ناموں سے موسوم ہونے کا سبب یہ ہے کہ آغا حشر ڈرامے میں معمولی تبدیلیاں پیدا کر کے عوام کو باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ ڈراما اس ڈرامے سے مختلف ہے جو وہ پہلے کسی اور نام سے دیکھ چکے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ بھی اسے دوبارہ دیکھنے آئیں جو پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح کی تبدیلی صرف آغا حشر نے نہیں کی ہے بلکہ اس عہد کی تمام ڈراما کمپنیاں یہی کرتی تھیں۔

۹۔ آغا حشر کی ہندی اپنے معاصر اردو فن کاروں کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ لیکن اردو ان کی فطری اور مادری زبان تھی۔ چنانچہ ان کے ہندی ڈراموں کو پڑھتے وقت بار بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندی میں مکالمے لکھواتے لکھواتے یک بہ یک اردو بولنے لگتے تھے۔ پھر جیسے ہی انھیں خیال آتا تھا کہ جو ڈراما لکھوایا جا رہا ہے وہ اردو میں نہیں ہندی میں ہے تو وہ پھر ہندی کی طرف آجاتے تھے۔ لیکن یا تو اپنی عدیم الفرصتی کے باعث یا محض تساہل کی بنا پر اتنی اردو رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ وہ مکمل ڈراما پہلے اردو میں لکھاتے رہے ہوں گے اور بعد میں اس کا ہندی میں ترجمہ کرتے ہوں گے۔ اس کا امکان کم ہے کیوں کہ ایسا ہوتا تو بے خیالی میں جہاں وہ فارسی آمیز اردو لکھوا گئے ہیں اسے درست ہوجانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے غالب امکان اسی بات کا ہی ہے کہ وہ فی البدیہہ اور براہ راست ہندی میں ہی ڈراما لکھواتے تھے۔ یہ بات تو اب سب ہی جانتے ہیں کہ وہ ڈرامے ٹہل ٹہل کر منشیوں کو لکھوایا کرتے تھے۔

۱۰۔ آغا حشر کے ڈرامے بلا اجازت چھاپنے والے پبلشروں نے ان ڈراموں کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جو مکالمے یا حصے ان کی سمجھ میں نہیں آئے، ان کو اپنی طرف سے لکھ دیا ہے بلکہ اکثر ان کے ہندی ڈراموں کو کسی اچھے ہندی جاننے والے سے مشکل اور سنسکرت آمیز ہندی میں منتقل کروا کر چھاپا ہے۔ اس تعلق سے بنارس کے ٹھاکر پرساد اینڈ سنز کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جو آغا حشر کی ناک کے نیچے یہ کام دھڑلے سے کر رہے تھے۔ آغا حشر نے ذاتی طور پر کبھی اس جانب توجہ نہیں دی۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاحشر کے جعلی ایڈیشن چھاپنے والے پبلشرز اپنے منشیوں کو آغا حشر کے لکھے ڈرامے دیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، جہاں سے وہ اس کے مکالمات نوٹ کر لاتے تھے۔ یہ کام ایک ساتھ ایک سے زائد منشیوں سے کروایا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی تحریروں کو ترتیب دے کر اور جو حصے ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے ان میں حسب ضرورت اصلاح کر کے یا انھیں اپنی طرف سے ازسرنو لکھ کر ڈراما شائع کردیا جاتا تھا۔ اصلاح و ترمیم کا یہ کام عموماً وہی منشی انجام دیتے تھے جنھیں نمائش کے دوران ان ڈراموں کی نقل کے کام پر مامور کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ آغا حشر نے اپنے ہندی ڈراموں کے لیے جو گانے لکھے ہیں ان میں بیش تر فارسی وزن اور بحروں کا استعمال کیا ہے۔ البتہ جہاں جہاں انھوں نے لوک گیتوں، دوہوں یا موسیقی کی لوک دھنوں کو اپنایا ہے وہاں فطری طور پر عروضی ڈھانچہ بھی ہندوستانی ہوگیاہے۔ انھوں نے بعض ہندی الفاظ کو ان کے رائج عوامی تلفظ کے مطابق استعمال کیا ہے۔

۱۲۔ یہ معاصر ماحول میں رچی بسی انگریزی زبان کے اثرات کا نتیجہ ہے یا پھر شعوری طور پر ایسا کیا گیا ہے کہ عمومی بات چیت کے مکالموں میں آغا حشر نے حال استمراری (Present Imperfect) کی بجائے حال قریب

(Present Indefinite) کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اردو میں انگریزی کے اس صیغے (Tense) کا استعمال کم ہی ہوتا ہے۔ اردو میں عام طور پر 'وہ جاتا ہے' کے بدلے 'وہ جا رہا ہے' کا پیرایہ بیان زیادہ مقبول ہے۔ اور جب 'وہ جاتا ہے' کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عادت کے اظہار کا کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسی جگہوں پر اس کا مفہوم 'وہ جایا کرتا ہے' ہو جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ آغا حشر نے ڈرامے میں ایک مصنوعی فضا قائم کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا ہو۔

اس کلیات کی ترتیب کے دوران ہمیں مسلسل اردو کے معتبر محقق پروفیسر حنیف نقوی صاحب، سابق صدر، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں۔ اگر ان کی خاص توجہ نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہ پاتا۔ مسودوں کی تلاش، چھان بین اور انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں خانوادہ حشر کی تیسری نسل سے تعلق رکھنے والے جناب آغا نہال احمد شاہ کاشمیری نے جس طرح ہماری مدد کی ہے، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

آغا حشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت یا مسودوں کے تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیر مصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر کی دین پر خاطر خواہ کام ہو سکے گا۔

آغا حشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت یا مسودوں کے

تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیرمصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر کی دین پر خاطر خواہ گفتگو ہو سکے گی۔ اس کام کے لیے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب اور دیگر اراکین بالخصوص ڈاکٹر روپ کرشن بھٹ اور ڈاکٹر رحیل صدیقی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہر طرح سے تعاون کیا۔

بنارس | مرتبین
31 اکتوبر 2003

آفتابِ محبت

آفتاب محبت (1897ء)

یہ آغا حشر کا پہلا ڈراما ہے جو انھوں نے صرف سترہ برس کی عمر میں احسن لکھنوی جیسے مقبول ڈراما نویس کے بالمقابل اس دعوے کے ساتھ لکھا تھا کہ 'جیسا ڈراما آپ لکھتے ہیں، میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں' (تفصیل کے لیے پیش لفظ دیکھیے) ۔ یہ ڈراما کسی پیشہ ور کمپنی کے ذریعے کبھی اسٹیج نہیں کیا گیا۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ آغا حشر نے اس کے جملہ حقوق جواہر اکسیر پریس، بنارس کے مالک عبدالکریم خاں عرف بسم اللہ خاں کے ہاتھ ساٹھ روپے میں اور ایک غیر مستند روایت کے مطابق دس روپے کے عوض فروخت کر دیے تھے، جہاں سے یہ ڈراما 1897ء میں شائع ہوا۔ البتہ خود آغا حشر نے اپنے ہم عمر دوستوں کی مدد سے بنارس ہی میں اسٹیج کیا تھا اور یہ واقعہ اس کی اشاعت سے پہلے کا ہے۔

سرورق پر تحریر ہے:

آفتاب محبت

ایک دلکش اوریجنل ڈراما واقعات کا فوٹو ظالمونکے اور مظلومون کے

صبر کا آئینہ عفت و عصمت کے نیک نتیجے مہذب پیرائے اور دلچسپ مذاق مین

شاعر نازک خیال

جناب آغا محمدؐ شاہ صاحب حشر تلمیذ جناب مرزا محمد حسن صاحب فائز مدظلہ نے

حسب فرمائش

عبدالکریم خان عرف بسم اللہ خان صاحب تاجر کتب تصنیف فرمایا

اور

مطبع جواہر اکسیر بنارس مین چھپکر شایع ہوا

اول بار ایک ہزار جلد جون 1897ع قیمت معہ محصولڈاک 8ر

آخری صفحے پر تحریر ہے:

اشتہار

یہ ڈراما موسومہ آفتاب محبت جناب آغا محمدؐ شاہ صاحب حشر نے تصنیف فرما کر حق تصنیف میرے ہاتھ ہبہ کر دیا ہے چنانچہ بصرف زر کثیر مین اوسکو مطبع جواہر اکسیر مین طبع کرا کر شایع کیا۔ قیمت فی جلد 8رقرار پائی ہے۔

جن صاحب کو مطلوب ہو ذیل کے پتہ سے طلب فرمائین کوئی صاحب قصد طبع نفرمائین ورنہ عوض فائدہ کے نقصان مین رہینگے۔

یہ کتاب حسب قانون سرکار انگلشیہ رجسٹری کرائی گئی ہے۔

اس ڈرامے کا کوئی قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہے اس لیے مشمولہ ڈراما اسی مطبوعہ نسخے کے عین مطابق ہے۔ مطبوعہ نسخہ سرورق اور آخری صفحہ چھوڑ کر ڈیمائی سائز کے ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ چونکہ خود آغا حشر کاشمیری کا دیکھا ہوا ہے، اس لیے معتبر ہے۔

کردار

1۔	ہمایوں شاہ	بادشاہ
2۔	وزیر	ہمایوں شاہ کا وزیر
3۔	سکندر جاہ	ایک اور ملک کا بادشاہ
4۔	اہرمن	ایک راہ زن
5۔	کوکب تاجدار	ہمایوں شاہ کا بیٹا
6۔	نیرنگ	کوکب کا مصاحب
7۔	ملکہ گوہر	ایک شہزادی
8۔	ریحان	ملکہ گوہر کی کنیزیں
9۔	نسرین	
10۔	نرگس	
11۔	سوسن	
12۔	مہ جبیں	ملکہ گوہر کی سہیلی
13۔	عنبر	مہ جبیں کی ملازمہ

پہلا ایکٹ — پہلا سین

ہمایوں شاہ کا دربار

(رامش گروں کا ناچنا گانا)

چوبدار:

روشن دربار ہے۔ اعلیٰ سرکار ہے۔ نورالانوار ہے۔ محفل گلزار ہے۔ عالی حسب دیکھو۔ والا نسب دیکھو۔ دارا لقب دیکھو۔ سب کا سردار ہے۔ عشرت کا جوش ہے۔ جو ہے مدہوش ہے۔ مست و بے ہوش ہے۔ ہر اک سرشار ہے۔بزم پُرنور ہے۔ ہر اک مسرور ہے۔ دکھ غم کافور ہے۔ ہر سو بہار ہے۔

(گانا)

محفل روشن چمکے نور۔ غم کم ہر دم دکھ ہو دور۔
تیری شاہ ہے دھوم دھوم۔ دشمن ہو غارت ملک ملک میں گھوم۔ سرور خوش تر برتر جہاں جگ میں بہتر۔ سجے مکٹ سرور سر پر۔ سلطان کے انصاف کی شہرت گھر گھر۔ تیری جان دن رات رکھے نت شادمان داتا۔

ہمایوں: (شاہ گانا)

تو ہی سکل جگ کو ہے سائیں۔ پورن پرگٹ جل تھل سب ماہیں۔ ہر گھٹ میں تیری ہے پرچھائیں۔ کرتا دھرتا سب کا تو ہے۔ بیاپ مان چھو اور حشر کہے کیا تیری قدرت مہما اگم ہے تور۔ ہر گھٹ میں تیری ہے

پرچھائیں۔ تو ہی سکل جگت کو ......

اے مرے اہلِ دربار۔ اُس داورِ حقیقی کا شکر ہزار در ہزار۔ جس نے مجھ ذرہ بے مقدار کو تم سب پر افسر بنایا۔ ایک قوم کا سرور بنایا۔ گو کاشانہ اُمید ایک مدت تک بے چراغ رہا۔ جس کا عرصہ تک دل پر داغ رہا۔ مگر اس ضعیفی میں مجھ کو اپنی شانِ کریمی کا جلوہ دکھایا۔ یعنی تکیۂ پشت خم و عصائے دست پیری عطا فرمایا۔ اب چشم بد دور وہ گوہرِ درج شاہی جوان ہوا۔ صاحب شان ہوا۔ لہٰذا اس نیر چرخ خوبی و سروِ جوئبار محبوبی کی تلاش ہے جو اس کے ہم جنسی کے لائق ہو، ہر طرح سے فائق ہو۔

وزیر : اے زینتِ تختِ سلطانی۔ وے فریدون شوکت جمشید ثانی۔ اے فخر سلاطین۔ دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر ہیں حسین ۔

جہاں میں حُسنِ خداداد کا تو کال نہیں
وہ کون جا ہے جہاں پر کہ خوش جمال نہیں

آج سے غلام اس امر کا متلاشی رہے گا۔ جب گوہر مقصود ہاتھ آئے گا، فوراً حضور میں پیش کش کرے گا۔

(کوکب تاجدار کا مع اپنے مصاحب نیرنگ شعبدہ باز کے داخل ہونا)

درباری: (گانا)

نخلِ مراد ہے شاہی گلزار کا۔ آیا خوش تر کوکب پیارا۔ تن من کوؤ وارا سارا۔ روشن کوکب اجلال کا۔ سرور مالک اقبال کا۔ جگ میں اعلیٰ عزت والا۔ شوکت والا۔ سب پر بالا۔

شاہ : اے جانِ پدر۔کیوں ہو غمگین و مضطر،کس کا ہراس ہے جو طبیعت اداس ہے۔

کوکب تاجدار: (گانا)

سدھ نہیں آوتی۔ جیا گھبرات۔ رہ رہ چھن چھن من تلپھت ہے۔ من اکلائے نہیں بھائے تن من کچھ ہے ارمان۔ اے سلطانِ والا شان۔ عالی شان۔ کھیلنے شکار جاؤں۔ جیا ترست ہے۔ سدھ......

شاہ: (گانا)

سکھ یہ مانو
میرو کر دھیان۔ انجان۔ مان مان مت ہو ہلکان۔ جان۔ سکھ......
محلوں میں جاؤ۔ من بہلاؤ۔ بار بار ہٹکت تو ہی سن مت ہٹ کر۔ سکھ......

کوکب: (گانا)

بے قرار۔ ہے یہ زار۔ شہریار۔
جیا گھبرائے۔ غم کھائے۔ دکھ پائے۔ سکھ جائے۔
ہوں میں شہریار۔ زار زار۔ بے قرار ہوں حیران۔ لب جان سرگردان۔ پریشان۔ دل ہے بے قرار۔ غم ہے بے شمار۔ رنج ہے ہزار۔ نام دار۔ بے قرار۔

شاہ : (گانا)

ضد نہ کر نادان۔
نہیں من بچن بھات۔ اِت تیرو مورکھ گمان۔ انوچت ہے منشا من کی۔ تو تج تج۔ دکھ پائے۔ دکھ پائے۔ پائے ہٹ ہٹ مت، کرے۔ در در پھرے تو بھٹکت من پران دکھے بن بن در در پھر کر مان مان تو سکھ میرو جو دینا۔ ضد نہ کر .....

نیرنگ : (گانا)

سنیے سرکار ذرا نام میرا۔ نیرنگ کہتے سب ہیں مجھ کو، فطرت کام میرا۔ شہرہ

یاں سے ہے تا شام میرا، ڈرتا مجھ سے جگ ہے سارا۔ حیلہ سارا نیارا نیارا۔ جس سے الجھے اسی کو مارا۔ کوکب پیارا روشن تارا۔ واروں اس پر تن من سارا۔ خادم اس کا ہوں بے چارہ۔ یہ ہے کام میرا۔ شہرہ یاں سے ہے تا شام میرا۔ سنیے سرکار......

کوکب : اے والد ذی جاہ۔ آخر نیرنگ بھی تو ہے ہمراہ۔ پھر کس کا ڈر ہے جو انکار مدنظر ہے۔

نیرنگ : جی ہاں حضور جب تک غلام زندہ ہے تب تک کسی کی مجال کیا ہے جو برائی پر ہو کر آمادہ اپنی جان گنوائے بے فائدہ۔

شاہ : خیر اگر نہیں مانتے ہو تو جاؤ۔ غم نہ کھاؤ۔ مگر زیادہ عرصہ نہ لگانا۔ جلد واپس آنا۔

پہلا ایکٹ ـــ دوسرا سین

شکار گاہ

(کوکب کا معہ نیرنگ و سپاہ شکار کھیلنا)

سب: (گانا)

مل مل کرو جی ہرن شکار۔ دوڑو جی ہووے نہ فرار
گھیرو اسے تم جانے نہ پاوے۔ ہاں ہاں روکو مت صیدا سے کر لو۔ جلدی اسے لو مار۔

پہلا ایکٹ ــــ تیسرا سین

باغ شاہی زنانہ

کوکب : اے نیرنگ نیک نام۔ یہ کون سا ہے مقام۔ نہ معلوم کیا ہوے وہ فوج و سپاہی۔ ہاے یہ کیسی ہے تباہی۔ مگر عجب شاداب گلشن ہے۔ ہر گل پر نرالا جوبن ہے۔ جس پھول کو دیکھیے صنعت باغبانِ قضاو قدر کا نمونہ ہے۔ جس شے پر نظر ڈالیے حُسن دونا ہے۔

نیرنگ : جی ہاں دیکھیے نا۔ یہ دھتورے کے پھول، یہ ناگ پھنی کے کانٹے کیا خوش نما معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بھٹکٹیے کے بیج یہ خار مغیلاں رگ گل سے اچھے سوا معلوم ہوتے ہیں۔

کوکب : جی درست۔

(چند سہیلیوں کا گاتے ہوئے نکلنا)

(طرز) مل مل ردم جھوم کرو۔
بن ٹھن گھوم گھوم کرو جی سیر۔
باغ باغ دیکھو بہار نیاری چم چم چم چم چم چم چمکے بہار کی گل کاری
(سیر) نظرجدھر جدھر پڑت چمک دمک جھلک نیاری۔ سنبل و نسرین و ریحاں گلاب کی لہک مہک گمک پیاری۔
دامن بھر بھر گل تر چناں
نغمہ دل کش بلبل سناں

(سیر)

کوکب : اے نیرنگ یہ گلشن بے خار۔ کسی شریف زادی شوقین کا ہے۔ یہاں ٹھہرنا ناروا ہے۔ بہتر ہے کہ ان کی آنکھ بچا کر نکل جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دیکھ پائیں۔

نیرنگ : جب یہاں آہی گئے ہیں حضور۔ تو ان سب کا تماشا بھی دیکھ لیں ضرور ۔

تاخیر اور چند گھڑی خیر کیجیے
اس سبز باغ کی بھی ذرا سیر کیجیے

ملکہ گوہر : دیکھ ریحان۔ عجب ہے قدرت سبحان۔ جس کو دیکھ کر عقل دنگ ہے۔ قافیہ ہوش تنگ ہے۔ جس پھول کو دیکھتی ہوں اپنے رنگ ڈھنگ میں پھولا نہیں سماتا۔ جس شجر پر نظر ڈالتی ہوں باغبانِ حقیقی کے بارکرم سے سر نہیں اٹھاتا ۔

بہار آئی ہے ہر سو شادئ عشرت کا ساماں ہے
خوشی پھرتی ہے بلبل ہر کوئی مسرور و شاداں ہے

ریحان : سچ ہے حضور بنا کر زر ہر اک غنچہ لٹاتا ہے گل تر کا۔

نسرین : گماں ہے لالۂ پرداغ پر مہر منور کا۔

نرگس . صدائے شور کو کو ہے کہیں سرولب جو پر۔

سوسن : کہیں ہے نغمہ سنجی عنادل نخل دل جو پر۔

ریحان : مزین کل زمین باغ فرش مخملی سے ہے۔

نسرین : صدا آتی مبارک باد کی ہر اک کلی سے ہے۔

نرگس : (گاتا)

ہوا جھومت چلت پیاری سن سن۔ چہک چہک بلبل خوش خوش ہو گاوے۔ بجت ساج تن تنا نانا نا۔کلیان سنائیں شان سے پیاری پیار ی بتیاں کر کے من کو لبھات۔

گوہر : ارے ریحان۔ دیکھ تو وہ کون ہے نہاں۔
ریحان : جی ہاں حضور یہ تو کوئی شخص غیر ہیں۔ بڑے دیدہ دلیر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خواہاں سیر ہیں۔
نرگس : بڑے گبرو جوان ہیں۔ صاحب شان بان ہیں۔
سوسن : مجھے تو کوئی رئیس زادے معلوم ہوتے ہیں حضور۔ نشۂ جوانی سے ہیں چور۔ بے شک کوئی امیر کبیر ہیں۔ صاحب جاہ و توقیر ہیں۔
نسرین : مگر ان میں اُس کی صورت بھولی بھالی ہے۔ کچھ شان ہی نرالی ہے۔
ریحان : سچ ہے بہنا۔ یہ کون متوالا، آفت کا پر کالا۔ سب میں نرالا۔ حسن میں بالا۔ باغ میں گھس آیا۔ کچھ دل میں خوف نہ لایا۔
نرگس : اجی ہو نہ ہو یہ کوئی رہزن مکار ہے۔ ہم سبھوں کا درپئے آزار ہے۔
سوسن : ارے چلو بھی۔ تم تو کچھ سڑن ہو گئی۔ یہ تو کوئی مسافر بے چارہ ہے۔ آفت رسیدہ ہے۔ مصیبت کا مارا ہے۔ قسمت کا جلا ہے۔ نصیب کا آوارہ ہے۔ تم راہزن بناتی ہو۔ اپنے ماں باپ کا پیارا ہے۔ دلارا ہے۔
نسرین : اے ذرا ہوش میں آؤ۔ عقل کے ناخن لو۔ بے پر کی نہ اُڑاؤ۔ نہ یہ رہزن ہے نہ مسافر بے چارہ ہے۔ یہ تو کوئی غول بیابانی ہے۔ بلائے آسمانی ہے۔ یا کوئی جن ہے۔ یا فرشتہ ہے۔ یا فلک سے اترا تارا ہے۔
گوہر : اللہ کی مار ہو۔ تم سب کیسی گنوار ہو۔ کوئی کہتی ہے متوالا ہے۔ کوئی کہتی ہے شمشاد ہے لالہ ہے۔ یا میرے اللہ کن ناسمجھوں سے پڑا پالا ہے۔ ارے تم سبھوں نے کہاں ہوش سنبھالا ہے۔ یہ تو کوئی نازوں کا پالا۔ سانچے کا ڈھالا کوئی شان والا ہے۔
ریحان : جی ہاں حضور۔ بے شک کوئی صاحب دولت ہے۔ شخص ذی عزت ہے۔
نیرنگ : (کوکب سے) دیکھیے ہنڈیا پک رہی ہے۔ بس خاموش رہیے۔ ذرا دیکھیے کہ ان سبھوں کی اوندھی سمجھ کا لنڈور بٹیر کہاں بڑھ کر لات مارتا ہے۔
ریحان : اچھا بی نرگس جائیے۔ ذرا خبر تو لائیے۔

نرگس : اے ہے بی بی میں نوج جانے لگی۔ نا بی بی میں نہ جاؤں گی۔ نہ معلوم کون ہے مُوا۔ انسان ہے یا شیطان ہے۔

ریحان : واہ ری ننھی نادان۔ چل دور دفان۔ پیچھے شیطان۔ کیا چونچلے بگھارتی ہیں۔ لو بی بی اتنی نادان میری جان ہیں کہ ایک نا محرم کو جاکر روکنے سے انکار ہے۔ دو دو بات کرنی دشوار ہے۔

نرگس : اے لو نخرے کی خوبی۔ سلامتی سے آپ بھی چل نکلی ہیں۔ اے واہ منہ لگائے ڈومنی گائے تال بے تال۔

ریحان : چل نچے او آوارہ۔ بہت دیکھی ہیں تجھ سے ناکارہ۔ اے خدا کی شان۔ گلیوں کی خاک اڑانے والی بنی ہے۔ بھولی بھالی۔

نرگس : اے بی تمھیں نہ چلی جاؤ۔ کیوں دوسرے کو اتنا ستاؤ۔ چونچ سنبھالو۔ آئیں بائیں شائیں منہ سے نہ نکالو۔ میرے بھی منہ سے کچھ نکل جائے گا۔ جس کا پیچھے سے بکھیڑا ہوگا۔

بہتر نہ ہوگا اب جو بکیں اول فول تم
بس باتیں کرنا دیکھو ذرا منہ سنبھال کر

ریحان : یہ بھبکیاں دکھا نہ مجھے دور چل نچے
مجھ کو بھی کوئی اور نہ خیلا خیال کر

گوہر : ارے او مستانیو۔ غیبانیو۔ تم سبھوں کا عجب حال ہے۔ کچھ اور بھی خیال ہے۔ ارے او نسرین جا تو اُس شجر کے قریں۔ دیکھ تو کوئی شخص غیر ہے۔ جس کو مطلب سیر ہے یا کوئی عالی دماغ ہے۔ اپنے والدین کے گھر کا چراغ ہے۔

نسرین : بہت خوب۔ لونڈی جاتی ہے اور ابھی خبر لاتی ہے۔

(گانا)

(طرز) تم کون بشر

تم کون بشر ہو۔ کہاں وطن ہے۔ کیا ہے تمھارا نام۔ کیوں یہاں پہ
آئے کیا مطلب ہے۔ تمھارا ہے کیا کام۔ کچھ خوف نہ لائے ذرا ابھی
دل میں تم او بد انجام۔ بلا بلائے باغ میں آئے غضب کے ہو خود
کام۔ تم......

کوکب : اجی جناب۔ ہم ہیں مسافر خانہ خراب۔ راہ بھول کر داخل گلزار ہوے۔
نادانی میں گرفتار ہوئے۔ سخت شرمسار ہوے۔

نسرین : اے فیض مآب۔ باتیں نہ بنائیے بے حساب۔ کیا آپ انداز سے بھی نہ
سمجھے کہ یہ باغ ہے زنانہ۔ آپ کو یہاں مناسب نہ تھا آنا۔

کوکب : کیا خبر تھی غنچہ سَر بستہ اس گلشن میں ہے
خار کی جا پر سجا گلدستہ اس گلشن میں ہے

نسرین : احمقوں کو جا کے یہ فقرے بتانا، دیکھیے۔ مجھ سے دم بازی، ابھی صاحب
زمانہ دیکھیے۔

نیرنگ : او عقل مندِ زمانہ۔ ذرا اِدھر تو آنا۔ ہاں صاحب یہ تو بتانا کہ یہ باغ
آپ کا ہے۔

نسرین : نہیں تو کیا آپ کا ہے۔

نیرنگ : اجی آپ کا تو ہئی ہے۔

نسرین : اجی ذرا ہوش میں آو۔ بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بناو۔ کہیں لونڈے تالیاں
نہ بجائیں۔ دل لگیوں میں نہ اڑائیں۔

نیرنگ : جی ہاں زبردستی کسی غریب کا گلا دبائیے۔ خواہ مخواہ کسی کا مال چھین لیجیے۔
یہ باغ تو میری امی جان کی نانی جان کی خالہ جان ورثہ میں میرے قبلہ
گاہ کے فرزند ذی جاہ کو عنایت فرما گئی تھیں۔ لیکن یہ بھی وصیت فرما گئی
تھیں کہ اس باغ میں کچھ جناتی معاملہ ہے۔ بہت سی چھتنیوں کا تکیرا
ہے۔ لیکن اگر یہاں وہ پلید ہیں۔ تو ایں جانب بھی زندہ شہید ہیں۔

نسرین : (کوکب سے) کیوں صاحب یہ کون ہے۔ جو ہر ایک کا جیب ٹٹولتا ہے۔
بے موقع و محل بولتا ہے۔

نیرنگ : اپنے ضرورت کی گرہ عقل کے ناخن سے کھولتا ہے اور اپنے باتوں کی سڈول موتیاں فطرت کے ترازو میں تولتا ہے۔ پھر نہ فرمایئے گا کہ بولتا ہے۔

نسرین : یا وحشت۔ یا حواس۔

نیرنگ : اجی اب تو ہوگئے مفلس بے آس۔ دمڑی نہیں پاس۔

کوکب : صاحب اب کاہے کو کیجیے طول کلام۔ جاتا ہے بندۂ ناکام۔ لے آپ کو سلام۔

نیرنگ : اے گلفام۔ یہ غلام بھی کرتا ہے سلام۔ (لو لو دیکھا نا)۔

نسرین : ارے قبلۂ حاجات۔ سنیے تو ذرا بات۔ دیکھیے ہر چہ گذشت۔ گذشت۔ اب نہ طول لا طائل کیجیے۔ چل کر ملکہ عالم سے نیاز حاصل کیجیے۔

کوکب : اے عاقل وفرزانہ۔ جب میں نے جانا کہ یہ باغ ہے زنانہ۔ تو کیا ضرور ہے یہاں ٹھہر کر اپنے دامن میں بدنامی کا دھبہ لگانا۔

نسرین : دیکھیے ذرا آڑے ترچھے نہ آیئے۔عرض کرتی ہوں صاف صاف۔ کسی کے گھر میں آکر اور صاحب خانہ سے نگاہ بچاکر جانا سراسر شریفوں کے ہے خلاف۔

کوکب : اجی نہ میں چور۔ نہ مجھے کسی شاہ کا ڈر۔ میں تو ہوں ایک مسافر بے خبر۔ پھر او گلفام۔ مجھے کسی کے ملنے سے کیا کام۔

نسرین : آپ کا یہ ارادہ پر خطر ہے۔ سیدھا راستہ ادھر ہے۔

کوکب : اجی جب ہم کو انکار ہے۔ تو فضول یہ اصرار ہے۔تکرار ہے۔

نسرین : نہ چلنا کیسا۔ یہ بھی مقام کیا سمجھتے تھے ایسا ویسا۔

نیرنگ : مجھ کو بھی نہ سمجھیے گا ایسا تیسا۔ میں بھی ہوں مارتیں خاں ڈبل پیسہ۔جی۔

نسرین : (سوسن سے) کیوں بہن یہ موئے تو کسی طرح نہیں مانتے ہیں۔ نہ جانے آپ کو کیا جانتے ہیں۔

سوسن : میری رائے ہے کہ عاجزی سے ہار چکیں۔ نیچ اونچ سمجھا چکیں۔ لیکن کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ اپنی ہی کہتے ہیں۔اب بھبکیاں دکھاؤ۔ دھمکاؤ۔ ڈراؤ۔ شاید خوف کھائیں۔ بات مان جائیں۔

نسرین : دیکھو جی اتنا تم کو سمجھایا۔ منایا۔ لیکن راہ راست پر نہیں آتے ہو۔ اپنی ہی کہے جاتے ہو۔ جو میں کہتی ہوں اُس کو مانو۔ ورنہ آگے تم جانو۔ اگر ملکہ برسر غضب آئیں گی۔ تو ساری قلعیاں کھل جائیں گی۔

کوکب : ارے او نادان۔ کسی کی کیا ہے جان۔ جو بگاڑے ہماری شان بان۔

کوکب: (گانا)

جارے مورکھ بدتر بد خصال۔ چل نہ مجھ سے جملہ بتا بالا چال۔ شوکت شاہانی۔ رعب وحرمت عزت ذاتی میری لاثانی۔ لاثانی۔ جانی جانی کیا پہچانی۔ دیکھی تیری او دیوانی۔ ساری مکاری شیطانی۔

نیرنگ : بس اب آپ بھی سواری کی للی گھوڑی کو ایڑ لگایئے اور ایں جانب بھی تشریف کا ٹوکرا گھما کر محلے باہر پھینکتے ہیں۔

نسرین : ارے او نٹ کھٹ۔ رہنے دے یہ زین زہٹ۔ بہتر ہے کہ چل کر ملکہ سے معافی کی خواستگار ہو۔ ورنہ وہی مثل ہوگی کہ الٹے گدھے پر سوار ہو۔ گلے میں جوتیوں کا ہار ہو۔

نیرنگ : او دم کٹی گلہری۔ ہم بھی تو ہیں لہری بہری۔ کیا لطف ہو کہ تم ہو اور یہ گلزار ہو۔ اور گلابیوں کے عوض پاس پاپوش دو چار ہو۔ اس سر منحوس پر جوتیوں کی بوچھار ہو۔ گلے میں لعنت کا ہار ہو۔ پھر سچ کہنا کہ کیا بہار ہو۔

نسرین : چل نچے۔ تجھ سے کتنے نگوڑے۔ یوں ہی کر کے مر گئے تگ توڑے۔ بندی نے سھوں کے جوتیوں سے سر پھوڑے۔

نیرنگ : ہم بھی ہیں وہ اڑیل گھوڑے۔ جو بڈی تیری توڑے۔ منہ جس طرف کو موڑے۔ سر دس پانچ کے پھوڑے۔ باقی زندہ نہ چھوڑے۔

نسرین : تو تو کچھ سڑی ہے یا سودائی ہے۔ دانا پور کا بوچڑ ہے یا قصائی ہے۔ بیر بخارا کا ٹکرا ہے یا نان بائی ہے۔

نیرنگ : واہ کیا بے تکا راگ تو گائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بے سرے کی

بتائی ہے۔

نسرین : او چڑت الطریری۔ چپ رہ نادان۔ کیوں بھاری ہے جان۔ بہت ہوگا ہلکان۔ بھول جائے گی یہ شان بان۔

نیرنگ : خاصتہ الھمیری۔ رہ یہیں تک دہیری۔ وہ کون ہے انسان۔ جو ہم سے کرے آن تان۔

نسرین : ۔

دم دارو دلہن کیے میاں پڈا پڈوری
تو پکا کفن چور ہے چل دور بدوری

نیرنگ : ۔ چوٹی کٹی اور ناک کٹی ہوگئی پوری۔ دُم جھڑ گئی پَر بُر گئے پھرتی ہے لنڈوری۔ کیوں کیسی کہی۔

نسرین : چل چل او زمانے کا اٹھائی گیرا۔ تو سہی جو پکاؤں تیرا حریرا۔ تب ہی ہوگا.........۔

نیرنگ : کیا حریرا۔ تم سمیت چٹ کر جاؤں یہاں تو یہ ہے وتیرا۔ بڑا ہوں کڑوا۔ نہ سمجھنا ستا خمیرا ۔

چپ رہیو بس شریفوں سے یہ بدقرینیاں
جوتی ہزاروں کھاتی ہیں تجھ سی کمینیاں

نسرین : لو صاحب۔ نہ در ربیع نہ خریف۔ چار دن کے بنے آپ بھی شریف۔

ڈانکا پڑے کہیں کہیں چوری ہو بر ملا
سننے میں آئے روز غرض تازہ حادثہ
غارت گیا وہ قافلہ وہ آج گھر لٹا
تم سے شریف جمع جو چند ہوئیں ایک جا
سارے جہاں میں ایک قیامت مچا کرے

نیرنگ : ۔

کب ہو شریف لوگوں کی تجھ کو بتا شناخت
جوہر کسے ہو جوہریوں کے سوا شناخت

سورج کی ہوے کور کو کیوں کر بھلا شناخت
اندھے کو ہوے جوہر ذاتی کی کیا شناخت
سر گرم جستجو وہ ابد تک رہا کرے

نسرین : بس بس رہنے دے اپنی شیخی۔ خوب تیرے ڈھنگ دیکھے۔
کوکب : بس اب چپ رہ او فضول گو۔ کہیں شامت نہ آئی ہو۔
نسرین : رہنے دیجیے یہ بھپکیاں حضور۔ چلنا ہوگا ضرور۔ معاف کر آئی قصور۔

کوکب: (گانا)

ذر ذر حیوان خاصی بوم جاری۔
کیا ری تیری نادان ہے شامت آئی۔ جاری۔ جاری۔ جاری
ذر ذر حیوان مت کر ہلکان ناری۔
میں ہوں سلطان عالی۔ کسی نادان کو دھوکا دے رے۔ جاری
ذر ذر نادان جاری۔ گھوم جاری۔گھوم جاری۔
ذر ذر حیوان۔

نسرین : ارے جارے جارے ناکارے۔دیکھ تیرے ڈھنگ سارے۔میں بھی اُس اوجڑے بگڑے دل کو بلاتی ہوں۔جو تیرے سر سے چلتوں کے مارے غرور کا جن اتارے۔ ابھی کوتوال کو بلاتی ہوں۔اور آپ کا مزاج شریف پچھواتی ہوں۔اتنی پاپوشیں کھلواتی ہوں کہ ٹھیک بناتی ہوں۔

نیرنگ : ہاں ہاں بلائے اپنے پیار دلارے۔ بندہ بھی جُل کا تیپنچہ اور فریب کا بنزشو مارے کہ حواس ہوں القط اور ہوش ہوں گم سارے۔ ؎

ایسی بندہ بھی جڑے گھوم کے اک دھپ ان کو
بھاگتے ہی بنے بس بول کے چیں جھپ ان کو

نسرین : ارے او موے سودائی۔ کیوں ہے شامت آئی۔ جو بکتا ہے واہی تباہی۔ بھلا دوں گی ساری شہنشاہی۔

نیرنگ : چپ او بدسلیقہ۔ تیرا تو یہی ہے طریقہ۔ جب چندیا کھجلائی۔کسی شریف کے

منھ آئی۔ جب خوب فرمائش کھائی۔ تب اپنی چہ می گیوں سے باز آئی۔

نسرین : ۔دور ہو اے بے ڈھنگا واہی الو، لچا، ننگا، واہی
پاجی ہوا من چنگا واہی آیا ہے کرنے دنگا واہی
چق چق لک لق خاصہ لنڈورا
پاگل، وحشی، خبطی، پورا

نیرنگ :

واہ رے پھمکلو خوب ہے چپتی اس جانب سے زین زہٹ کی
گنزی، پھنا، کھنا، آدمی دکھلاتی ہے فوق البھڑ کی
صورت پھٹ پھٹ کام میں کھوٹے
ہاتھ پاؤں سادھو کے سوٹے

نسرین : ارے او دیوانے احمق الذی۔ بس نہ دکھلا اپنی جودت، ذہانت، تیزی معلوم ہوا کہ تو بھی حماقت کا بی اے بیٹھا ہے پاس کیے۔

نیرنگ : چہ خوش او قلا اوزی۔ مرشدوں سے دینگ یعنی سولہ گزی۔ زیادہ بولی، تو دی ہوگی ذلت ایسی۔ کہ مدتوں تک یاد کرے۔ کچھ بتائے نہ بنے۔

نسرین : چل چل السحھلث والسسکت العلبۃ العین حنونی والخاصۃ وانت فلل الذین ۔ دور ہو موت سامنے کھڑی ہے۔ کیوں تجھے جان دوبھر پڑی ہے ۔
اتنی پڑیں گی چکتیں کہ بس جھک کی چھوٹ جائے
عادت تمام آج سے بک بک کی چھوٹ جائے

نیرنگ : اجی او ھونک اتھپتھین ۔ میں بھی وہ گت بناؤں کہ بھول جائے ساری سلٹین ۔
شکل یہ خاصی بنا بس شلولل شل دوں میں
عمر بھر یاد کرو ایسا کڑا جُل دوں میں

سوسن : (نیرنگ سے) ہٹ دور او حواس باختہ۔ الو کی دم فاختہ۔ (نسرین سے) اے تو نگوڑی کس موے مسنڈے سادھو کے ڈنڈے کے منھ آئی۔ جو ہر بات بات میں جوتیاں کھائے جاتا ہے۔ مگر اپنے ٹر سے باز نہیں آتا ہے۔

نیرنگ : دیکھیے یہ دوسری آئیں ہونک۔ اب دیکھیے ان کی کہاں تک ہے جھک سنک۔

نسرین :۔

تشریف آگئی وہ بہن لو حضور کی
اب دیکھو قدر کھلتی ہے اس پُرغرور کی

گوہر : کیوں نسرین اتنی دیر کیوں لگائی اب تجھ کو کسی کام کو بھیجنے سے بھی باز آئی۔

نسرین : اے حضور کیا بتائیں۔ عجب آفت آئی۔ نہ معلوم کون ہیں موے سڑے یا سودائی۔ باغ میں گھس بھی آئے اور اس پر بھپکیاں دکھلاتے ہیں دھمکاتے ہیں، ڈراتے ہیں کسی طرح یاں سے نہیں جاتے ہیں۔

نیرنگ : ذرا ان سے پوچھیے کہ جب ہم ناواقف ٹھہرے تب ہمارا کیا قصور ہے۔ بالفرض اگر ہم خطاوار بھی ہیں تب بھی انھیں ایک اجنبی سے خواہ مخواہ لپٹنا کیا ضرور ہے۔

نسرین : چل چل او نگوڑے مارے۔ افوہ کیسے غریب بنے بیچارے۔ موے تجھے اپنی ایڑی چوٹی پر واروں تو سہی کہ اپنے ہاتھوں سے جوتیاں ماروں۔

نیرنگ : پھر وہی بے تکا پن۔ عورت کیا ہے پھٹا ربا نہ ہے۔ ہانک لگائے جاتی ہے۔

ملکہ : (نسرین سے) بس خبردار۔ نہ کر بے ہودہ گفتار۔ تو کم بخت مسافروں کی کیا جانے عزت۔ (کوکب سے) اے گوہرِ درج رعنائی، آپ نے تشریف فرما ہو کر میری عزت افزائی فرمائی۔ اگر کسی قسم کا خیال نہ ہو۔ خاطر عاطر میں ملال نہ ہو تو اس گلزار کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رشک ارم بنایئے۔ خادمہ کا دماغ عرش پر پہنچایئے۔

کوکب : بندہ نواز آپ کی بندہ پروری سے میں نہایت مشکور ہوا۔ آپ کی مسافر نوازی سے دل نہایت مسرور ہوا۔ مگر میں تو ہوں ایک مسافر ناکام۔ مجھ کو کسی کے یہاں آنے سے کیا کام۔

حاجت نہیں ہے اکل و شراب طہور کی
کافی عنایتیں ہیں مجھے بس حضور کی

سوسن : اجی سنیے تو کیا چلے ہی جایئے گا۔ یہ رکھائی کیجیے گا۔
نیرنگ : تو کیا کوئی اور سزا دیجیے گا۔
سوسن : اور جب سدّ راہ ہوگا دربان۔ تو کیا بتایئے گا اس آن۔
نیرنگ : جب تو کوئی انسان تھا نہ پاسبان۔
نسرین : اب تو روک ٹوک ہے مہربان۔

چل دیں گے آپ حکم بغیر اے جناب کیا
چڑیا بھی جائے اڑکے نکل ہے یہ تاب کیا

نیرنگ : ۔

کہہ دیں گے میہمان ہیں کیوں جائیں چھپ کے ہم
اب اس سے بڑھ کے اور ہے کہیے جواب کیا

نسرین : اجی پہرے کا جوان۔ نہیں ایسا نادان۔ جس کو آدمی کی نہ ہو پہچان۔ اگر ایسا ہی چوروں سے غافل ہو دربان۔ تو دن دہاڑے لٹ جائے مکان۔
کوکب : چپ رہ بدذات۔ بڑھائے جاتی ہے بات۔ فضول بکتی ہے۔ کسی کی بدی و برائی ہمارا کیا کر سکتی ہے ۔

ایسا نہیں کوئی جو ہمیں جانتا نہیں
وہ کون ہے جو مہر کو پہچانتا نہیں

گوہر : خیر صاحب رفت و گذشت کیجیے۔ جانے دیجیے۔ یہ نادان کیا جانے آپ کی شان۔
کوکب : خیر وہ نادان ہے یا عقل مند۔ پر آپ تو ہیں بڑی ہوش مند۔ آپ ہی اس قدر عنایت کیجیے کہ بندے کو رخصت کیجیے۔

گوہر: (گانا)

پیاری جان واری جاؤں۔ ارج سنو کا ہے بتیاں سنات۔ کاہے سجنوا رار مچائی۔ بنتی سنو تونہہ پہ جیاجات۔

کوکب : ۔

سراسر ہوں صاحب میں نفرت کے قابل
نہیں آپ کے ہوں میں محبت کے قابل

گوہر : ۔

اتنی بھی صاحب اونچ کی اب تو نہ لیجیے
دل توڑیے نہ میرا نہ ظلم اتنا کیجیے
مہمان بنیے داد طرب چل کے دیجیے

کوکب : ۔

چاہیں تو صاحب اور کسی سے یہ کیجیے
احمق جو ہو کوئی اسے دم جا کے دیجیے
جاتا ہوں میں سلام بس اب میرا لیجیے

گوہر : خیر صاحب میں دم باز و حیلہ ساز سہی۔ مگر آپ نے وہ حدیث شریف بھی ہے سنی۔ جس کی رو سے ردّ دعوت کرنا کیسا گناہ ہے۔ خواہ وہ گدا ہے یا شاہ ہے ۔

گو کہ دعوت میری حضرت کو گوارا نہ سہی
مانیے حکم پیمبر مرا کہنا نہ سہی

کوکب : خیر صاحب اب آپ نے وہ تقریر چھیڑی جو لاجواب ٹھہری۔ ہر طور سے کیا مجبور چلنا ہی پڑا ضرور ۔

اچھی یہ قید گلے میں مری ڈالی صاحب
فکر لے چلنے کی کیا خوب نکالی صاحب

نیرنگ : ۔

ہم کہے دیتے ہیں یہ آئے گی آفت کوئی
دیکھنا ہوگی بپا واں پہ قیامت کوئی

پہلا ایکٹ ـــــــ چوتھا سین

محل

(گوہر و مہ جبیں کی آپس میں گفتگو)

گوہر : اخاہ آج کدھر چاند ہوا۔ اے بہن تم کب آئیں۔
مہ جبیں : اے آج ہی تو آئی ہوں۔
گوہر : یا اللہ ایسا بھول گئیں کہ کبھی جھوٹوں خبر نہیں لیتیں۔ اللہ کیسوں۔ تم سے تو بولنے کا جی نہیں چاہتا۔
مہ جبیں : اے یہ کیوں۔ خدا واسطے کو خفا ہوئی جاتی ہو۔
گوہر : اے چلو بھی بس خوب دیکھ لیا۔
مہ جبیں : اوئی اللہ دیکھ کیا لیا ہے۔
گوہر : بس بس رہنے دو۔ جی نہ جلاؤ۔ یہ ٹھنڈی گرمیاں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ ذرا تو آنکھ میں مروت ہونی چاہیے۔ آدمی کو آدمی کا خیال ہوتا ہے۔ اگر کسی کا تڑپ کر دم نکل جائے تو؟
مہ جبیں : اے لوج خدا نہ کرے۔ تمھارے دشمنوں کا دم نکلے۔ بھئی اللہ قسم باجی ہم نہیں جانتے تھے کہ تمھیں ہماری اتنی محبت ہے۔
گوہر : ہاں جی تم کیوں جانوگی۔ ہم سے تم سے کوئی واسطہ تو ہے نہیں۔ پھر غرض۔ اگر یہی تغافل شعاریاں ہیں تو چلیے ہم تو بے موت مرے۔ یہ بھی کوئی وضع داری ہے۔ کیا خوب ؎ ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔
مہ جبیں : خیر صاحب جو چاہو کہو۔ قصور وار ہیں۔ گناہ گار ہیں۔ کسی طرح سے تم خوش تو ہو۔ اچھا آؤ چلو امی جان کو بندگی کر آئیں۔
گوہر : تم چلو میں آؤں گی۔

مہ جبیں : اے یہ کیوں۔
گوہر : مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔
مہ جبیں : یا الٰہی کون سے ایسے کام ہیں۔ کچھ جلدی ہے پھر کر لینا۔
گوہر : نہیں بہنا۔ مجھے ابھی معاف کرو۔ مجھے بہت ضرورت ہے۔
مہ جبیں : خیر سے تم بھی طرفہ معجون ہو۔ سوال دیگر جواب دیگر ۔

پوچھی اگر زمیں کی کہی آسمان کی

میں پوچھتی ہوں کہ وہ ضرورت کون سی ہے؟
گوہر : اصل یہ ہے کہ میرے یہاں باغ میں ایک شریف زادے مہمان ہیں۔ انھیں کے دعوت کے سامان ہیں۔ مگر کیا نور کی صورت پائی ہے۔
مہ جبیں : اخاہ۔ یہ کہیے کہ آپ نے بھی پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں۔ لو نہ پھر اب تو چاندی ہے۔
گوہر : کیا خوب۔ نام خدا آپ بھی بڑی چل نکلی ہیں۔
مہ جبیں : اس میں چل نکلنے کی کون سی بات ہے۔
گوہر : اچھا اچھا معلوم ہوا کہ آپ بڑی تیز ہیں۔ مجھے یہ دل لگی نہیں بھاتی۔ خدا اس دن کو زندہ نہ رکھے۔
مہ جبیں : اے ہائیں ہائیں۔ یہ تم دشمنوں کو کوسنے کیوں لگیں۔
گوہر : پھر تمھیں تو چھیڑ چھاڑ نکالتی ہو۔ آؤ تم بھی چلو نہ۔
مہ جبیں : اے چلو بھی میں کیوں جانے لگی۔ چہ خوش۔ ایک نہ شد دو شد۔ غیر مردوں کے سامنے جانا کیا ضرور ہے۔
گوہر : اُفوہ۔ اللہ رے تمکنت۔ دیکھیے کہیں نظر بد نہ لگ جائے۔ ذرا کالے دانے اتروا ڈالو۔
مہ جبیں : دیکھیے ایک ہوئی۔ یاد رکھیے گا۔ ہاں صاحب کوئی اور جملہ چُست کیجیے۔
گوہر : جی ہاں۔ ایک ہوئی۔ اور آپ جو فقرہ چلتی ہیں۔
مہ جبیں : میں۔ چہ خوش۔ یہ آڑی میں ہی آئی۔ نہ۔ کیوں۔
گوہر : تو ہتھے پر سے کیوں اکھڑی جاتی ہو۔ اچھا معاف کرو۔

مہ جبیں : معاف تو کرتے ہیں شاہ جی۔ جو کسی کے دروازے پر پھیری ڈالتے ہیں۔
گوہر : اب دیکھیے یہ کس کا فقرہ ہے۔ اب نہ بولوگی۔ کیوں۔ اچھا اب یہ کہو کہ تم میری بہن ہو کہ نہیں۔
مہ جبیں : بے شک۔ بے شک۔ سو میں ہزار میں۔
گوہر : تو جس طرح سے وہ میرے مہمان ہیں۔ اسی طرح سے تمھارے بھی۔ جس طرح سے مجھے ان کی مہمان نوازی فرض ہے اسی طرح تمھیں بھی لازم ہے ——— لے آو چلو۔ نہیں تو اللہ کی قسم مجھے رنج ہوگا۔
مہ جبیں : اچھا تو تم چلو۔ میں امی جان کے پاس سے ہو کر آتی ہوں۔

پہلا ایکٹ ——— پانچواں سین

دیوان خانہ

گوہر: ۔

وہ گھر میں آئے ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اس وقت جو آپ کی کرم گستری سے مسرت حاصل ہوئی وہ حد بیان سے باہر ہے۔ عنایت سراسر ہے۔ میں آپ کی عنایتوں کا تہ دل سے شکریہ بجا لاتی ہوں۔ اور امید کرتی ہوں کہ آئندہ بھی شکریہ ادا کرنے کا مجھے موقع دیتے رہیں گے۔

کوکب: بے شک پہلے مجھے ایسی صحبتوں سے انکار تھا۔ دِل بیزار تھا۔ مگر آپ نے میٹھی باتوں سے جادو کا کام لیا۔ جس نے میرے دل کو تسخیر کیا۔

گوہر: گو کہ آپ نے تشریف شریف ارزانی فرما کر میرے کلبہ احزاں کو گلشن فردوس بنایا۔ مگر اپنے حال خجستہ مآل سے مطلع نہ فرمایا۔ اس قدر اور احسان فرمایئے کہ اپنا مبارک حال بیان فرمایئے۔

کوکب: (گانا)

کیا حال بتائیں تم کو وطن آوارہ گردش سے فلک کے انساں کو کیا چارہ
شہزادہ ہوں عشق آباد کا رہنے والا تھا شوق شکار میں دل میرا متوالا
اک ہرن کے پیچھے گھوڑا جس دم ڈالا سب چھوٹے لشکر فوج و سپاہی رسالا
اس غم سے ہوا ہے دل میرا پارہ پارہ

گوہر: (گانا)

کیا فکر اگر ہے وطن تمھارا چھوٹا ہے مثلِ وطن اس چمن کا ہر گل بوٹا
حضرت نے کیا مجھ پر یہ احساں بھاری جو میرے یہاں ہے آپ کی آئی سواری
ہر چند نہیں اس قابل میں بے چاری پر دل سے کروں گی آپ کی خاطر داری
جب تک کہ چلے گا صنم ہمارا یارا

کوکب: (گانا)

جو لطف و کرم فرمایا ہے مجھ پر ہر آن بھولے گا نہ دل سے آپ کا یہ سب احسان
خوش ہوئی طبیعت بہت ہماری صاحب یہ خلق و عنایت سب ہے تمھاری صاحب
ہرطرح سے رکھا فیض کو جاری صاحب کر سکتا نہیں میں شکر گزاری صاحب
خوش بہت ہوا دل مرا یہ غم کا مارا

گوہر: (گانا)

اب کیجیے عنایت عشق سے کیا ہے چارہ دِل ہو گیا تیرِ نظر سے پارہ پارہ
کیا مدھ بھری نین کی ماری کٹاری کاری کیا موہنی صورت تیری ہے پیاری پیاری
کیا چنچل چال لٹک ہیں چھپ متواری کیا کاری گھٹا بالن کی ہے لٹ کاری
دل چھین لیا ہے تم نے میرا بے چارہ

کوکب: (گانا)

گر بہت بڑھی ہے اُدھر اجی بیتا بی ہے ہاتھوں سے دل کے اِدھر بھی خانہ خرابی
ہوں بانکی ادا اس نئی پھبن پر مائل دِل ترچھی نظر نے کیا ہمارا گھایل
کیا چال رسیلی چھم چھم بولے پایل البیلی روش اس چلن کا ہوں میں قائل
دل اب تو نہیں قابو میں ہے یار ہمارا

گوہر: لیجیے ۔

بنوش بادہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند
چناں نہ ماند چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

کوکب : لایئے لایئے ۔

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

گوہر: ارے نرگس کچھ گا۔ ذرا کمال ذاتی دکھلا۔ جس سے نشاط و سرور کا جوش ہو۔ غم دنیا فراموش ہو۔

نرگس: بہت خوب۔

(مہ جبیں کا داخلہ)

گوہر : آو بہن۔ تمھاری ہی دیر تھی۔ اے یہ اتنی دیر کیوں کی۔
مہ جبیں : ایک کام میں پھنس گئی تھی۔
گوہر : اوئی۔ تمھیں کون سا کام تھا۔
مہ جبیں : اے باجی جہاں آرا بیگم سے دو دو باتیں کرنے لگی۔
گوہر : خیر آو۔ گانا سنو۔ ہاں رے نرگس تو چپ کیوں ہو گئی۔
نرگس : ۔

(طرز) ہمیں سے پوچھتے ہو جان نثار

شراب ناب ہو پہلو میں گل عذار رہے ہمارے سامنے یا رب نئی بہار رہے
سوال عفو گنہ پر کسی کا یہ کہنا تمھیں کو دفن کریں دل میں جو غبار رہے
جو آپ آئینہ، ہم عکسِ آئینہ ٹھہرے جو آپ سنگ تو ہم سنگ میں شرار رہے
کسی کی یاد ہو اے حشرؔ یوں چھپی دل میں
کہ جس طرح سے رگ سنگ میں شرار رہے

نیرنگ: (گانا)

اگر گلے میں مرے رنڈیوں کا ہار رہے نئے مزے رہیں ہر دم نئی بہار رہے
جہاں کو لوٹ لوں اندھا بنا کے دم بھر میں الٰہی جل کا مرے پاس وہ غبار رہے

نرگس : جی ہاں دنیا نہ ٹھہری بے کس کا خوانچہ ٹھہری۔

مہ جبیں : اے تو۔ باجی جان۔ میں جاتی ہو۔
گوہر : اے بیٹھو بھی۔ جلدی کیا ہے۔
نیرنگ : (الگ ہو کر) افوہ۔ اللہ رے ٹھسّے۔
مہ جبیں : نہیں باجی اب جاؤں گی۔ تمھاری جان کی قسم سر میں درد ہو رہا ہے۔ بہ مجبوری جاتی ہوں۔

(جانا)

کوکب : اُف —— (غش میں آنا)
گوہر : آئیں۔ خیر تو ہے۔ دشمنوں کی کیسی طبیعت ہے۔
کوکب : کچھ نہیں۔ والدین کا خیال آگیا—— ملکہ اب میں رخصت ہونا چاہتا ہوں۔
گوہر : اے شہزادۂ والا جاہ۔ آہ یہ امید اس دل زار کو نہ تھی۔ یہ توقع اس بے قرار کو نہ تھی ۔

کیا قیامت ہے کسی شوخ پہ آنا دل کا
جان آفت میں پھنسانا ہے لگانا دل کا

کوکب : اے ملکہ یہ غم کرنا فضول ہے۔ اس سے کیا حصول ہے۔ والدین سے ایک دن کی اجازت لے کر آئے۔ یہاں اتنے دن گنوائے۔ والدین پریشان ہوں گے۔ مضطر و حیران ہوں گے۔ اب تاخیر کرنا قصور ہے۔ گھر جانا ضرور ہے۔
نرگس : اے حضور۔ اگر تشریف لائے ہیں۔ تو کچھ دن قیام فرمایئے۔ تکلف دور کیجیے۔ آرام فرمایئے۔
نیرنگ : جی ہاں۔ آرام فرمایئے۔ جانے نہ دیجیے۔ فریب میں لانے کے تجھے خوب ڈھب آتے ہیں۔ مگر آقا ایسے جملوں میں کب آتے ہیں۔
نرگس : چپ رہ موے بد زبان۔ ورنہ کاٹ لوں گی ناک کان۔ دیکھ ذرا اپنی چونچ سنبھال۔ نہیں تو مارے پاپوشوں کے اُڑا دوں گی سر کے بال۔

نیرنگ : ۔

بجا ہے گر تمھارے ہاتھ سے ہم جوتیاں کھائیں
مزے تو ہم اٹھاتے ہیں مصیبت کون جھیلے گا۔

سوسن : اے بہنا جانے بھی دو۔ کس موے کے منھ آتی ہو۔ یہ بڑا جید گر گا ہے۔ چلتا ہوا پُرزہ ہے۔

ریحان : اجی بڑا سیانا ہے۔ بھلا اس نے کب کسی کو مانا ہے۔

نسرین : آدمی ہے کہ تانتیا جن ہے۔

ریحان : جن کیا بلکہ کمن ہے۔

سوسن : مجھے تو محض چونچ معلوم ہوتا ہے۔

نرگس : چونچ تو نہیں کسی قلم بردار کا لونڈا ہے۔

ریحان : اجی تمام زمانہ کا اُچکا ہے۔

نیرنگ : اچھا بندہ جیسا ہے ویسا ہے۔ پر ذرا تول کے بتانا کہ تمھاری نظروں میں کیسا ہے۔

نسرین : کھڑا تو رہ سور جبلا۔ ہم کو بھی کیا سمجھا ہے کوئی خیلا۔

نیرنگ : ہائیں ہائیں لوگو دوڑو۔ مجھے بچاؤ۔ عجب سر پر آفت آئی چار جوروواں کرنے کی سزا پائی ۔

جن کو کرایا عیش وہ خواہان جان ہیں
جورو نہ ٹھہریں گویا مری خالہ جان ہیں

گوہر : ارے او دیوانیو۔ مستانیو۔ الگ ہو ورنہ تم سب جانیو۔

نیرنگ : اجی صاحب مارنے بھی دو۔ لو صاحب لو۔ ایک آدھ اور سہی۔ دو چار دفعہ یوں کردینے سے بندہ کب ہوتا پریشان ہے۔ یہ تو میرا ورثہ خاندان ہے۔ یوں ہی ہوتی آئی ہے۔ میرے دادا جان تک نے جوروؤں کے ہاتھ سے جوتی کھائی ہے ۔

سو جوتوں سے کم رتبہ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

کوکب : ارے نیرنگ۔ تجھے کیا ہوگیا۔ دم بھر بھی چپ نہیں رہتا۔
نیرنگ : کیا بتائیں حضور۔ چار چار معشوق مار کے حیلے سے اپنا ولولہ شوق مٹاتی ہیں۔گھسی آتی ہیں۔لپٹی جاتی ہیں۔
ریحان : کیوں رے جوتی خور۔ پھر دکھانے لگا زور و شور۔
نیرنگ : اے نہیں توبہ توبہ۔ تم میری اماں جان ہو نا۔
گوہر : ارے تم سب خاموش رہو۔ اسے کہہ لینے دو۔
کوکب : نہیں جی کیا مجال ہے۔ اس کی باتوں کا عبث کرنا ملال ہے۔ یہ عیار پیشہ ہے۔ مذاق گھٹی میں ملا ہے۔
نیرنگ : ہاں صاحب کچھ دلوایئے تو نہ بولوں البتہ۔نہیں تو ضرور لوں گا لتہ۔
گوہر : اگر خواہش مال ہے۔ تو لو یہ حاضر اے نیک خصال ہے۔
نیرنگ : لایئے لایئے بسم اللہ۔ اے کیوں نہ ہو سخیوں کی بڑی بات ہے۔ ہر بات کرامات ہے۔ کنجوس منحوس کا منھ کالا۔ نکل جائے کمبخت کا دوالہ۔ جو نہ ہو یاروں کو ٹکا بھی دینے والا۔
کوکب : اچھا تو اب ملکہ مجھے اجازت دو۔ غم نہ کرو۔ وہ جامع المتفرقات ہماری تمھاری پھر کرائے گا ملاقات۔
گوہر : اگر یہی ہے آپ کو منظور۔ تو خیر جو مرضی رب غفور——

(گانا)

کیسو بچن سنائیو------پیارے ہمیں کلپائیو------
موہن پیارے کا ہے جیا ترسائیو------کیسو
برہا اگن سے تن من جرگیو۔آو میرو پیارے جیا جرنی جڑاو—— کیسو
درس دکھاکے موہے جب اپنا یو پیا--جانے کو جاوچھن سدھ نہ بھلائیو—— کیسو۔

پہلا ایکٹ ـــــ چھٹا سین

محل

ہمایوں شاہ: (گانا)

(طرز۔میرا حال)

آیا لال نہیں ہائے--- کوئی اس کی خبر لادے۔
کس کو سناؤں غم کا فسانہ۔کس کو سناؤں حال۔ آیا میرا نہیں وہ لال۔ پری تمثال۔ فجستہ خصال۔ باد صبا تو ہی جاکے خبر لا۔ ہے وہ کہاں میرا پھول۔ کہیں راہ گیا ہو نہ بھول۔ اُڑاتا دھول۔ہو پھر نا فضول۔

(کوکب کا داخلہ)

کوکب: (گانا)

کرو دل سے اب غم کم ----شہریار حاضر ہیں ہم۔
کیجیے حضرت غم نہ خدا را۔ چھوڑے رنج و الم یہ سارا۔ آپ تن من دھن سب وارا۔ مت ہو اب غمگین ہر دم۔ کرو دل سے----

پہلا ایکٹ ----- ساتواں سین

محل

گاہ درد و رنج و غم ہے گاہ ارماں دل میں ہے
ایک جانِ زار سو سو طرح کی مشکل میں ہے
چٹکیاں لینا، مچل جانا، بگڑنا، روٹھنا
ہائے اک کم سن کی کیا کیا یاد آتی دل میں ہے
اس طرح بے قدر ہے دل تیرے کوچے میں صنم
جیسے اک ٹوٹا ہوا ساغر کسی محفل میں ہے
خوں کے چھینٹوں میں بہار طرفہ آتی ہے نظر
دامن گل چیں کا نقشہ دامن قاتل میں ہے
عاشق کا کل ہوا کیا حشرؔ آفت میں پھنسا
دل بلا میں ہے، بلا گیسو میں، گیسو دل میں ہے

عنبر: (گانا)

نپٹ اجان مان رے میرو سن۔ پیاری سجن سکھ مان رے۔
من تھر کرے سمجھا ویر دے تو۔ کاہے کرت چنتا چت پرسین سن بجنی دے کان رے۔

مہ جبیں: ؎

کیا کریں حال بیاں تجھ سے ہم عنبر اپنا
پھر گیا ہم سے صد افسوس مقدر اپنا

اس میں کیا قصور ہمارا ہے۔ مشیت ایزدی سے کیا چارہ ہے۔ تیر عشق کلیجے

پر کھانا تھا۔ پیاری گوہر کے ہاں جانے کا بہانہ تھا۔ اب تو پڑ گئے عشق کے پالے۔ بھلا وہ کون ہے جو اس آفت ناگہانی کو ٹالے۔ ہاں خدا سنبھالے ورنہ ایک دن مجبور ہوکر جان ملک الموت کے کردوں گی حوالے۔

عنبر : بی بی ہوش میں آیئے۔ فال بدمنھ سے نہ نکالیے۔ دور پار دشمن شیطان کے کان بہرے۔آپ کو تو کچھ ہو گیا ہے خفقان۔ کیا کیا دل میں آتے ہیں گمان۔

مہ جبیں : ؎

خیر یہ بات بے تکی ہی سہی ہو سمجھتی ہنسی، ہنسی ہی سہی
آپ کے آگے دلگی ہی سہی

عنبر : ؎

ورنہ سچ بات میں نکان ہیں کیا نوج دل میں بھرے گمان ہیں کیا
ہٹو بی بی تمھارے دھیان ہیں کیا

مہ جبیں : یہ عبث خیال ہے۔ دست جنوں سے جاں بری محال ہے۔

عنبر : عجب ہے آپ کا گمان۔ وہ تو تھا ایک مہمان۔ پھر اس کا کیوں کر ملے گا نشان۔

مکان جس کا اگر ہوے لامکاں کہیے
پھر اس کا آپ کو کیوں کر ملے نشاں کہیے

مہ جبیں : گو کہ اس کا وصل ممکن ہیہات نہیں۔ لیکن پابوسی ہو جانا بھی بڑی بات نہیں۔ دل شائق دیدار ہے۔ جذب محبت سے بڑی امید ہے۔

پی ہے جس روز سے تا صبح مے پیمانہ عشق
مست ہیں رکھتے ہیں ہم ملت رندانہ عشق
گو کہ ہے منزل مقصود کا پانا مشکل
دل بڑھاتی ہے مگر ہمت مردانہ عشق

عنبر : واری جاوں پیاری۔ یہ خیال خام ہے۔اس کا بُرا انجام ہے۔ اگر میرا کہنا نہ مانا۔ تو آخر کو ہوگا پچھتانا۔

مہ جبیں: (گانا)

سکھی جیا نہ لاگے کروں کون جتن
برہا ئل وہت نہ پڑت چین
درس دکھا کے جیرا لبھا کے۔ سدھ نہیں لینو سگھر سجن ـــــ سکھی......
بکل چکت چت کل نہیں آوے۔ چھن چھن تلپھت دوس رین ـــــ سکھی......

عنبر: پیاری بیگم۔ انجام پر نگاہ کیجیے۔ بے سمجھے بوجھے حال نہ تباہ کیجیے۔

مہ جبیں: اجی بہت دیکھے ہیں ایسے نصیحت کرنے والے۔ ہزاروں ہیں دیکھے بھالے۔ اگر پڑی ہوتی تو بھی کسی کے پالے۔ تب پوچھتی یہ کیسے ہیں آہ و نالے ؎

حال کھل جاتا جو درپے کوئی قاتل ہوتا
خیریت پوچھتی پہلو میں نہ جب دل ہوتا

عنبر: یہ محض آپ کی نادانی ہے۔ جو یہ بات دل میں ٹھانی ہے۔

(گانا)

سنو ناحق ہے رنج اٹھانا۔من کو کڑھا کڑھا جلا ـــــ سنو
ہر گھڑی رونا اور غم کرنا۔ کیا صاحب کیا صاحب۔
کھو کھو ہے اس میں بھلا پانا ـــــ سنو

مہ جبیں: یہ مجبوری دل کے ساتھ نباہتی ہوں۔ ورنہ میں خود چاہتی ہوں کہ کسی طرح اس عشق خانہ خراب سے پیچھا چھوٹے۔اس ظالم سے رشتہ ٹوٹے۔ کیا کروں جب دل ہی درپےِ آزار ہے۔ پھر تدبیر بیکار ہے ؎

اپنا ایذا جو دے پھر ہے خطا حضرت کس کی
دِل ہی ہووے جو جفا جو تو شکایت کس کی

عنبر: یہ درست و بجا ہے۔ مگر نتیجے پر غور نہ کرنا بڑی خطا ہے ؎

یوں نہ کر بیٹھے کوئی بے سمجھے بوجھے کام کو
سوچ لینا چاہیے ہر کام کے انجام کو

مہ جبیں : مانا کہ تو ہے عقل مندوں کی سرتاج۔ پھر بتا اس درد دل کا کیا ہے علاج۔ صرف ہے بات ہی بات یا کچھ بھی ہے پاس کرامات۔

عنبر : وہ یہ ہے تدبیر۔ جس سے آپ نہ ہوں تشہیر۔ کہ صبر کو راہ دیجیے۔ نالہ و فریاد کم کیجیے۔

مہ جبیں : کہاں تک یہ رنج اٹھائیں گے۔ غم کھائیں گے۔

عنبر : اُس روز تک جس دن یہ خموشی کے نالے اپنا اثر دکھلائیں گے۔

مہ جبیں : پھر یہ تو تمام عمر کے لیے جان کا وبال ہے۔

عنبر : جی نہیں یہ آپ کا غلط خیال ہے۔ جو دل کو ملال ہے۔

مہ جبیں : تو کیا یہ امید ہے کہ اُس ستم گر سے ملیں گے۔

عنبر : جی ضرور۔ انشااللہ غنچۂ آرزو کھلیں گے۔

مہ جبیں : اے توبہ میرے کہاں ایسے نصیب۔ کہ ملے وہ حبیب۔

عنبر : گو آپ کے آگے یہ بات ہے عجیب و غریب۔ مگر خدا ہر درد کا ہے طبیب۔ اس کے آگے کرا دینا ملاقات۔ کچھ نہیں بڑی بات۔

مہ جبیں : تو کب تک۔

عنبر : چھ مہینے میں بلا شک۔

مہ جبیں : ؎

یہ معما کیا ہے کیا کہتی ہے تو عنبر بھلا
کچھ یقیں آتا نہیں یہ ہوے گا کیوں کر بھلا
ہم کو دکھلا ے گا وہ دن گنبد اخضر بھلا
ہم غریبوں سے وہ ملنے آئے گا خود سر بھلا
موم ہو جاے گا جس کا دل کہ ہے پتھر بھلا

عنبر : ؎

کیا بناتے دیر لگتی ہے خداے پاک کو
جس نے کیا سے کر دیا کیا ایک مشتِ خاک کو

اک اشارے میں بنایا مہر کو، افلاک کو
لطف سے میں بخشا، مے دی، خوشہ ہائے تاک کو
ظلم کے باعث ملایا خاک میں ضحاک کو

مہ جبیں : یہ تو سچ ہے میری جان۔ اس کی قدرت کے قربان۔ مگر تجھ پر یہ راز سربستہ کیوں کر کھلا۔ جو بڑھ بڑھ کے کرتی ہے دعویٰ۔

عنبر : اس وقت آسمان کی گردش اور ستاروں کی رفتار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے یہ راز۔ کہ آپ ہیں اس کی شیفتہ۔ اور وہ ہے آپ کا جانباز۔ چھ مہینے میں ہو کر شائق دیدار ضرور آئے گا پروانہ وار۔

مہ جبیں : خیر چھ مہینے تک دیکھتی ہوں تیری جھوٹائی سچائی۔ دیکھنا ہے کیوں کر آتا ہے وہ گل گلزار رعنائی۔ جس کا دل ہوا شیدائی۔

پہلا ایکٹ------آٹھواں سین

باغ

(گوہر کی فراق کوکب میں نالہ زاری۔سہیلیوں کی غم خواری)

ریحان ۔ کیوں بہن پیاری گوہر کا عجب حال ہوگیا۔ تن نازک گھل گھل کر مثلِ ہلال ہو گیا۔ دن بہ دن حالات تغیر ہوتی جاتی ہے۔کوئی صورت بہتری کی نظرنہیں آتی ہے۔

نرگس : سچ ہے بہنا۔ میرا تو دم الٹتا ہے۔ دیکھ دیکھ کر کلیجہ پھٹتا ہے۔ نوج کسی کو تپ عشق کا آزار ہو مصیبت میں گرفتار ہو۔ بہن۔کم بخت عورت کی ذات تو ناحق کو بھی بدنام ہے۔ مردوں پر تو بے وفائی کا اختتام ہے۔

ریحان : اے لو دیکھو۔ وہ ہیں تشریف لاتی۔رنج وغم کھاتی۔

گوہر: (گانا)

بے وفاؤں کے خدا پالے نہ ڈالے دل کو
موت آئی جو کیا اُن کے حوالے دل کو
تم نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی
سینکڑوں ہیں مری جاں چاہنے والے دل کو
تم نہیں قدر سمجھتے تو نہ سمجھو صاحب
ہم بھی کر دیں گے کسی بُت کے حوالے دِل کو
بجلیاں جلوۂ رخسار گرانے کو ہیں
یا الٰہی تو ہی اس وقت بچالے دل کو

آج اُس شوخ کے تیور نظر آتے ہیں بُرے
اب خدا ہی ہے جو اے حشرؔ سنبھالے دل کو

ریحان: (گانا)

بلہاری واری پیاری میں جاؤں تہاری
نہ اپنو تن من کو جلا ری دکھاری
الم نہ اب کر، غم اب کم کر——
مان متی تو پیاری ہماری۔

گوہر: (گانا)

جیا جب سے پیا پر وارا
من رہتا ہے ہر دم دکھی۔ دکھ پاتا ہے نیا را نیارا۔
ہر دم ہے غم۔ دل کو ہمدم۔ رنج و الم ہے جی کو پیہم۔
ہوں جان سے عاری۔ حیران ہوں پیاری۔
دیکھو بسر گیو سکھ سارا۔

ریحان: گو کہ یہ جانکاہ غم دوری ہے۔ مگر کیا کیا جاوے مجبوری ہے۔ للہ صبر کیجیے۔ دل پر جبر کیجیے۔

گوہر: ریحان۔ قابو میں یہ دل بیتاب۔ نہیں صبر کرنے کی تاب۔ رنج و غم کی افزونی ہے۔ شدت درد دل دونی ہے ۔

تجھ سے میں افسوس اپنی حالت دل کیا کہوں
کر گیا کیا ساتھ میرے میرا قاتل کیا کہوں

ریحان: (گانا)

پیاری برج ناری مہاواری واری جاؤں۔
سوچ سمجھ غم و فکر یہ کم کر——

باری باری باری۔ تو ہے کیسے سمجھاؤں

گوہر : یہ سب درست بجا ہے۔ مگر جب نصیحت کارگر ہو تب نا۔ دل پر اثر ہوجب نا۔

ریحان : عبث آپ اپنا غیر حال بناتی ہیں۔ نا حق رنج اٹھاتی ہے۔شہزادے کو کوئی امر امور ضروری مانع آئے۔ جو ہنوز تشریف نہ لائے۔

گوہر : اب بیکار ہے کل تدبیر۔ بہتر ہے کہ تلاش یار میں سربہ صحرا ہوں۔ آگے یا قسمت یا تقدیر۔

ریحان : اے ہے بی بی۔ کچھ جنوں کا تو نہیں ہے زور۔ اے لو کیا سے کیا ارادہ ہوگیا فی الفور ؎

ڈھنگ بے طور نظر آتے ہیں
رنگ کچھ اور نظر آتے ہیں

گوہر : ہاں ہاں مجھے تو جنون ہو گیا ہے آج۔ پھر اس کا کیا علاج ؎

کوئی کہتا ہے جنوں ہے کوئی وحشت اے دل
سنتے کیا کیا نہیں ہم تیری بدولت اے دل

ریحان : اے حضور لونڈی کی کیا ہے جان۔ جو آپ پر کرے آن تان ؎

ادنیٰ وقار ہمارا ہے، اعلیٰ ہے آپ کا
ہم سب پہ رتبہ مانو دو بالا ہے آپ کا

گوہر : خیر اس کا کہنا سننا ہی کیا ہے۔ جو ہوا سو ہوا۔ اب رات آئی زیادہ۔ دل آرام کرنے پر ہے آمادہ۔ تم سب جاو میں ہنوز یہاں قیام کروں گی۔ بعد تھوڑی دیر کے آرام کروں گی۔

سب : بہت خوب۔

گوہر: (گاتا)

طرز ۔ اے باد صبا جاری
ہے عشق کی بیماری۔

کیا میں کروں ادباری۔
اے میری قسمت وقت مدد دہی کریو ذورا امداد۔
کی چرخ نے کیا بیداد۔
رکھا ناشاد۔کیا برباد
ڈھونڈھنے جاتی ہوں جوگن بن۔
سہہ کر کے آلام۔ ملے میرا جو وہ گلفام۔
دِل ناکام کو ہو آرام۔

پہلا ایکٹ ----- نواں سین

محل

کوکب: (گانا)

دم بہ دم یادِ بتِ ماہ لقا آتی ہے
ساقیا جلد پلا مے کہ گھٹا آتی ہے
آج صحنِ چمنستاں میں ہے مستانہ روش
کوئی پیغام نیا لے کے صبا آتی ہے
واہ رے جذبہ الفت کہ کہا لیلیٰ نے
آج ہر سمت سے مجنوں کی صدا آتی ہے
حشؔر دل دوں بھی تو کس بت کو دوں کیا دیکھ کے دوں
نہ وہ شوخی، نہ شرارت، نہ ادا آتی ہے

نیرنگ: پیر و مرشد۔ اس عشق و محبت کو دل سے نکالیے۔ اپنے راحت و آرام میں خلل نہ ڈالیے۔ یوں نہ حال غیر کیجیے۔دل بہلایئے باغ کی سیر کیجیے۔

کوکب: ؎

تمھیں معلوم کیا ہوتی ہے ایذا جان پر کیوں کر
تپ فرقت سے یہ دل کوفتہ ہے سر بسر کیوں کر
کلیجہ کس طرح پکتا ہے بھنتا ہے جگر کیوں کر
غرض ہم کیا بتائیں تم سے ہوتی ہے گزر کیوں کر
کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

نیرنگ : یہ سب صحیح ہے مگر آپ بھی تو غور نہیں کرتے۔ کہ ہم ہیں کس پر مرتے۔ جس کا پتہ نہ ٹھکانا۔ بالکل لاورثہ کارخانہ۔

کوکب : یہ سچ ہے مگر جب دل بھی تو مانے۔ بیٹھا رہنے دے ایک ٹھکانے۔

نیرنگ : چہ خوش۔ دل کی ایک ہی کہی۔ دل کیوں نہ مانے۔ نہ مانے تو چھ مہینے کے لیے پھانسی۔

کوکب : ہنوز تجھ پر محبت کی دلفریب نیرنگیوں کا اثر نہیں پڑا۔ اب تک تو نے عشق کے دل گدازیوں کو نہیں دیکھا۔ اس لیے تجھ سے کسی کے درد دل سے خبر نہیں ہے۔ طبیعت پر اثر نہیں ہے۔

نیرنگ : بندہ نواز یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ جس پر عشق و محبت کا نزلہ گرا۔ اس کے گدی سے عقل واٹر ورکس کے پانی کی طرح سے بہ جاتی ہے۔ مگر پھر بھی انسان کو سمجھ کی نظروں پر غور کی ادھوڑی استر کی عینک لگا کر دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کام کا ماحصل کیا ہے۔ نتیجہ اچھا ہے کہ بُرا ہے۔

کوکب : ہاں یہ سچ ہے مگر جس کو اپنے نیک و بد میں تمیز ہوتی ہے۔ اپنا سود و زیاں، اپنی جان معشوقہ سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اس پر لفظ عاشق کا اطلاق ممکن نہیں۔ اس کی محبت محض خود غرضی و شہوت پرستی ہے۔ ایسوں ہی پر دنیا ہنستی ہے۔

نیرنگ : دیکھیے یہ منطقی دلیل کار آمد ہو نہیں سکتیں۔ یہ بے سود باتیں آنے والی برائیوں کو کھو نہیں سکتیں ۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستانست

کوکب : خیر اب ہر چہ بادا باد۔ صدمہ فرقت گوارا نہیں۔ بغیر وصل یار چارہ نہیں۔ جستجوے یار میں ضرور جاؤں گا۔ غم سہوں گا، ایذا اٹھاوں گا۔

نیرنگ: تو قبلہ حاجات۔ آپ کو تو عزم کوے یار ہے۔ اور غلام بالکل نادار ہے۔ آپ سے تو کچھ چھپا نہیں سکتا۔ بغیر قرض خواہوں کا قرض ادا کیے جا نہیں سکتا۔

کوکب: ہائیں اب ایسے مفلس ہو گئے اور وہ مالائے مروارید جو ملکہ گوہر نے دیا تھا کیا کیا۔

نیرنگ: جی سب انھیں مردودوں کو دیا۔

کوکب: غرض کہ بغیر پیسہ کے آپ بھی حرف ساکن کی طرح آگے نہیں بڑھ سکتے۔

نیرنگ: جی میں تو پیسے کو مقدم سمجھتا ہوں۔ جب تک دنیاوی ضروریات کی گھوڑی پر پیسے کی چڑھی نہیں گھٹتی تب تک مقصد کی منزل طے نہیں ہوتی۔

(گاتا)

ہاے پیسہ۔ پیسہ ہی سب کام بنائے۔
پیسہ کے سب رنگ تماشے، پیسہ کا سب کھیل۔
پیسہ نہیں پاس جو تیرے کوئی نہ رکھے میل۔ ہائے۔......
پیسہ ہی دولت، پیسہ ہی دنیا، پیسہ ہی ہے جان۔ ہائے۔......

کوکب: اچھا مراد نہ لگایئے۔ لیجیے ہاتھ بڑھایئے۔ (مال دینا)

نیرنگ: اے خدا سلامت رکھے۔ اب کیوں نہ چلوں گا۔ اب تو حرف ساکن کی جگہ حرف مشدد ہوں۔ جدھر چلیے ادھر ہی چلوں۔

کوکب: (گاتا)

چھانڑ چلے ہم دیس نگر کو
چلت سنگ پریا کے ڈگر کو

نیرنگ: ۔ اب غم کم کرو۔ من کلپاو نہ۔ تھم تھم جیا اپنا دکھاو نہ۔ ڈھونڈھ نکالوں سجنی تہاری۔ کاہے من آشا توڑو تم گھبراو نہ۔

کوکب: ۔ چلو اب ہمدم نہیں کچھ غم۔ ہے یاد ہر دم۔ خالق باری۔ چھانڑ۔......

دوسرا ایکٹ — پہلا سین

جنگل

ملکہ گوہر: (گانا)

دل کے جانے کا کہ جانِ زار کا غم کیجیے
روئیے کس کس کو اور کس کس کا ماتم کیجیے
ناامیدی کہہ رہی ہے اب تو مرجانا ہے خوب
شوق کہتا ہے توقف اور اک دم کیجیے
بے وفائی سے تمھاری خوں امیدوں کا ہوا
حسرتیں کہتی ہیں دل سے مل کے ماتم کیجیے
تاکجا آنسو بہائیں حشؔر حالِ زار پر
تابہ کے رویا مثالِ اشکِ شبنم کیجیے

نیرنگ: (گانا)

مہ مہ مہ منزل پر آئے اب ہہ ہہ ہہ ہم سرکار
تھو تھو تھوڑی دور رہا ہے کو کو کو کو کوچہ یار
چہ چہ چٹ پٹ ہووے تجھ کو وا وا وا وصل دلدار
پہ پہ پھٹ پھٹ جاے کلیجہ دو دو دو دشمن ہو خوار

کوکب: (گانا)

دِل سے الفت ترے گیسو کی نکالی نہ گئی
زندگی بھر مری آشفتہ خیالی نہ گئی

شوق دیدار تو آں حضرت موسیٰ تھا بہت
دل نہ تھا ے سے تھا جان سنبھالی نہ گئی
قہر ہے قہر کوئی ناوک ابرو اے حشر
چل گئی چوٹ یہ جس پر کبھی خالی نہ گئی

گوہر: (گانا)

تجھ پر بر تر دل پر نادر واری جان۔جان۔
پھرے در در پھرے در در۔
زار دلدار۔خوار ہوئی ہیں دلبر لاثانی ——— تجھ پر
خاک صحرا ساری چھانی۔
پھر ے در در گھوم۔
بر بادی و رسوائی کی خلق میں ہے دھوم ——— تجھ پر

کوکب: (گانا)

جاری جاری او ناکاری۔
کر نہ عیاری مکاری۔
دیکھیں دیکھیں تیری باتیں۔
ساری عیاری کی گھاتیں۔
رگر گر جاری۔جاری ——— جاری جاری

گوہر: ـ

ہائے پہلے ستم آرا مجھے معلوم نہ تھا
دل لگانے کا نتیجہ مجھے معلوم نہ تھا
اپنی قسمت کا نوشتہ مجھے معلوم نہ تھا
یوں تو برباد کرے گا مجھے معلوم نہ تھا

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا
موم سمجھے تھے تیرے دل کو سو پتھر نکلا

افسوس۔ صد افسوس۔ کیا آپ نہیں جانتے ہیں۔کیا آپ مجھ کو نہیں پہچانتے ہیں۔ میں وہی ذبح خنجر ابرو، مبتلائے دامِ گیسو۔ آوارہ وطن وخا نماں خراب گوہر ہوں۔آپ ہی کی جدائی میں مضطر ہوں۔

کوکب : خیر آپ کوئی ہوں۔ اس سے مجھے کام نہیں۔ آپ کی باتوں میں کلام نہیں۔مگر مجھ سے وصل کی امید فضول ہے۔ ناکامیابی اس کا حصول ہے۔کیونکہ جس کے ہم مارے ہوئے ہیں وہ ستم گر اور ہے۔

گوہر : حیف ہے اے وعدہ فراموش یہ توقع نہ تھی۔کیا خوب ایفاے وفا کی۔

ہے یہی شرط وفا بھی کہ جو تم کرتے ہو
اور یہی چاہیے تھا بھی کہ جو تم کرتے ہو

کوکب : کیوں جھوٹ سچ باتیں بناتی ہے۔فضول دماغ کھاتی ہے ۔

ناداں نہیں ہوں ایسی میں باتوں میں آچکا
عیاریاں نہ کر تری گھاتوں میں آچکا

گوہر:

افسوس ہے کہ آج میں دم باز ہوگئی
مکار و حیلہ جو و فسوں ساز ہوگئی

کوکب:

بس دور ہو نہ باتیں بنا میرے سامنے
پاگل بنا دیا ہے تجھے عقل خام نے

گوہر: (گانا)

پریم کو پنتھ کیر مان کو دھارا۔
برلے جن پک یہ مگ دھارا۔
نج کرسیس جو لیہی اتاری۔

تا پرچرن دھرے یک باری۔
بکٹ باٹ ات شے دکھ دائی۔
انچاہت سنگ پریت لگائی۔
سوجھ نہ ایک ہو انگ اُپائی۔

اہرمن : (ایک راہزن) اللہ اللہ یہ میدان ہوش ربا۔یہ بیابان وحشت فزا۔اور اس میں ایسی حسین مہ جبیں۔ سراپا نور۔ غیرت حور کا ہونا تعجبات سے خالی نہیں ہے۔ جس کا کوئی مونس ووالی نہیں ہے۔ مناسب ہے کہ اِس پری آہو چشم کو رام کروں۔ وصل کے مزے لوٹوں۔ آرام کروں۔

اپنی الفت چل کے اب اس کو جتانا چاہیے
دام میں اس مرغ زیرک کو پھنسانا چاہیے

(گوہر سے) کیوں اے رشک پری۔لعبت فرنگ۔کیوں زیست سے ہو تنگ۔کس مصیبت میں گرفتار ہو۔جو جان سے بیزار ہو۔

کرو حال دل بیاں تم کہ جگر میں درد کیوں ہے
غم و رنج کس لیے ہے رخ زیبا زرد کیوں ہے

گوہر : ۔

نہ سنو غم کی داستاں صاحب حال زار بلا کشاں صاحب
درد دل کیا کروں بیاں صاحب دشمن اپنا ہے آسماں صاحب
زندگی ہے وبالِ جاں صاحب

اہرمن : ۔

کچھ کہو ماجرا سنیں تو سہی قصۂ غم فزا سنیں تو سہی
حادثہ کیا ہوا سنیں تو سہی کیوں ہے آہ و بکا سنیں تو سہی
رنج کس نے دیا سنیں تو سہی

گوہر :

ملالِ دل، غم دل، رنج دل تم کو سنائیں کیا
جو گذرے جان محزوں پر ہیں صدمے وہ بتائیں کیا

فروغ داغ ہائے قلب مضطر ہم دکھائیں کیا
سنا کر داستان غم تمھارا دل دکھائیں کیا
عجب دردیست جانم را اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(گانا)

جگ مجھ نیارے کھیل ہیں تیری قدرت کے گردھاری رے
انحد گسن تیر و دیکھ جگت میں بڑے بڑے دھرما جاری رے
چھن ما میں منش کے کیا کیا ہوتی ہے حالت زاری رے
لو بھی پورکھ ہیں مہاراجہ راج کنور ہیں بکھاری رے
سکل جگت میں کلیش اٹھایا پریم کی کھا کے کٹاری رے
پوری منشا ہوئی نہ کوئی دکھ پایا ہر باری رے
دیش بدیش میں راہ باٹ میں بھٹک پھری ماری ماری رے
ایک چھن میں تھرکیو بھیوں ہی کا سے کہوں دکھ بھاری رے

اہرمن : نام۔

گوہر: مورد آلام۔

اہرمن : جائے قرار۔

گوہر : دستِ ادبار۔

اہرمن : اے گل گلزار دل ربائی۔ سچ کہو حال بادیہ پیمائی۔

گوہر : قسمت کی برائی۔ نصیب کی کج ادائی۔ جس سے یہ ہوئی رسوائی۔

اہرمن : حیف صد حیف، تم سے حسین نمکین، طرحدار وضع دار، ایسی مصیبت میں گرفتار و مجبور ، ہو راحت و آرام سے دور، مری جان کیوں درد و ایذائیں اٹھاتی ہو۔ غم کھاتی ہو۔ میرے ملک کی فرماں روائی کرو۔ بزم آرائی کرو۔ مجھے وصل سے شاد کرو۔ خانہ آباد کرو ۔

وصل سے دل شاد مجھ کو اے پری پیکر کرو
خانہ آبادی کرو آنکھوں میں میری گھر کرو

گوہر :

دل کی[1] امید براری ہوئی نایاب مجھے
چاہوں گر آب بقا تو ملے زہر اب مجھے
تشنگی ہو جو کبھی تیغ کی دیں آب مجھے
موت مانگوں تو رہے آرزوے خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

اے شخص میری غریبی اور بے کسی پر خیال کر۔ ایک پاک دامن و مجبور عورت سے نہ ایسے لاطائل سوال کر۔

دل ستانا اے ستم گر غیر کا اچھا نہیں
کچھ خدا سے ڈر یہ ظلم ناروا اچھا نہیں

اہرمن : میرا کہنا مان، مجھے اپنا دشمن نہ جان، مجھ سا حسین و مہ جبین بہادر جوان، صاحب شان نہ پائے گی۔ میرا وصل قبول کرو، ورنہ عمر بھر پچھتائے گی۔ غم کھائے گی۔

نہ میری سی رنگت نہ میرا سا ہے خوں
جدھر دیکھتا ہوں ادھر میں ہی میں ہوں

گوہر : گو آپ حسین زمانہ ہیں، طرح دار ہیں۔ مگر میرے کیوں درپے آزار ہیں۔ یہ عزم فاسق ہے۔ جو ارادہ دل میں واثق ہے۔

اہرمن: (گانا)

پیاری جان در در تم تم ، آوارے جانی، نہ پھرو لاثانی۔
تم کرو حیرانی۔

---

[1] گو اس بند میں ایطائے خفی ضرور ہے، مگر ناٹک کی وجہ سے کم لحاظ کیا گیا۔

نک مان ناد رکھا۔ سندر جانی۔
ایرانی۔ تورانی۔
افسر کر مانی اور تاتاری، ہندوستانی۔
بچن مانیں۔ دم بھرتا میں سلطانی۔
کروں دیشانی۔ پیاری جانی۔ ہماری جانی۔

گوہر: (گاتا)

موسے بھر کریم کر نہ شر نہ شیطانی
ہر دم پاوے۔ پاوے۔
جیا دکھ نیاری۔ دکھ نیاری۔
بتیا۔ بتیا سہانت نیاری۔ نت نیاری۔
جارے جارے مردک زانی۔ زانی۔
پھرے گھوم پھرے در۔ در۔ در۔ در۔ در۔ در۔
پھرتا۔ پھرتا۔ پھرتا۔ پھرتا۔ بن بن مارے
اولئیم۔ اولئیم۔ اولئیم۔
جا۔ جا رے تاکر نادانی۔

اہرمن : ارے کیوں کرتی ہے انکار۔ یہ گفتار ہے بیکار۔ میرا وصل قبول کر۔ انکار نہ کر ۔
نہ صاف یوں جواب دے وصال کو قبول کر
نہ جان کے خراب ہو نہ بحث یہ فضول کر

گوہر : کیوں میرے درپے آزار ہے۔ فضول یہ اصرا رہے۔ تکرار ۔
کسی کے دل کو او شقی نہ بے سبب ملول کر
نہ راہ راست چھوڑ کر بدی کی رہ قبول کر

اہرمن : انکار سے فائدہ۔
گوہر : عصمت داروں کا قاعدہ۔
اہرمن : کیوں تجھے مجھ سے کد ہے۔
گوہر : تیرا خیال بد ہے۔

اہرمن : انکار نہ کر۔
گوہر : اصرار نہ کر۔
اہرمن : کیوں جان بھاری ہے۔
گوہر : کیا کروں قسمت سے لاچاری ہے۔
اہرمن: ۔

نہ جب تک تو اقرار وصلت کرے گی
نہ نکلے گی کوئی رہائی کی صورت

گوہر:۔

برائی کرے گا تو یہ جان رکھیو
نہ ہوگی تری بھی بھلائی کی صورت

اہرمن : جان جائے گی۔ بہت ذلیل ہوگی۔
گوہر : وہی ہوگا جو مشیت رب جلیل ہوگی۔
اہرمن : دیکھ مان جا رے۔
گوہر : شیطان جا رے۔
اہرمن : بس نہ بات کو تو طول دے۔
گوہر : نہ رنج تو فضول دے۔
اہرمن : انکار میں بربادی ہے۔
گوہر : غم کا دل عادی ہے۔
اہرمن : سر کاٹ لوں شمشیر سے۔
گوہر : مجبور ہوں تقدیر سے۔
اہرمن : جان نہ دے۔
گوہر : ایمان نہ دے۔
اہرمن : کیوں زندگی وبال ہے۔
گوہر : تیرا بے ہودہ خیال ہے۔
اہرمن : دیکھ انکار چھوڑ۔ دشمنی سے منھ موڑ۔ ورنہ بہت خراب ہوگی۔ مورد رنج و عتاب ہوگی ۔

نالاں و پریشاں سحر و شام رہے گی
غم کھائے گی مر جائے گی ناکام رہے گی

گوہر :۔

یہی قسمت میں ہے تو ڈر ہے کیا او بدگہر ظالم
گذرنی ہوگی جو کچھ اور جائے گی گذر ظالم
ہیں تو ام رنج و شادی دہر میں ہیں بھی اگر ظالم
وہ روتا بھی بہت ہے جو کہ ہنستا ہے بشر ظالم
فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

اہرمن : بس رہنے دے یہ چرب زبانی۔ غم کی کھانی۔ او خود کام۔ کیا نہیں جانتی میرا نام۔ منم اہرمنِ خوں آشام۔ جوان۔ بہادر۔ من چلا۔ شہنشاہ کوہ بلا۔ اب تجھے کہاں چھوڑتا ہوں۔ اپنے ارادے سے کب منھ موڑتا ہوں۔

آئی ہوئی آفت کبھی ٹل جا نہیں سکتی
پھندے سے مرے اب تو نکل جا نہیں سکتی

گوہر :

سفاک غریبوں پہ ستم خوب نہیں ہے
یہ بات خدا کو تری مرغوب نہیں ہے

اہرمن :

چھوڑوں گا نہ میں چاہے جو تو بات بنا لے
بن آئے گی کچھ اب نہ او بدذات بنا لے

گوہر : واہ واہ زبردستی۔ یہ کسی اور کو دکھانا مستی۔
اہرمن : ہاں ہاں بہ زور۔ مجھ کو بھی نہ سمجھنا کوئی اور۔
گوہر : تو کیسے۔
اہرمن : دیکھ ایسے۔

(گوہر کو لے کر پہاڑ کے درے سے بھاگنا)

دوسرا ایکٹ ——— دوسرا سین

پائیں باغ

(مہ جبیں کا فراق یار میں گریہ و نالہ۔ عنبر کی دل دہی۔ کوکب کا داخلہ اتفاقیہ۔
عاشق و معشوق کی ملاقات)

مہ جبیں: (گانا)

خلق دنیا میں ہوئی میں الم و غم کے لیے
رنج ہے میرے لیے عیش ہے عالم کے لیے
درد دل، داغ جگر، سوزش قلب و غم جاں
سو بلائیں ہیں فقط ایک مرے دم کے لیے
طرفہ ماتم ہے کہ اک اک کے لیے روتا ہے
غم ادھر جاں کے لیے جان اُدھر غم کے لیے
نوحہ خواں حشر نہ تھا کوئی جو میت پہ مرے
حسرتیں آئی ہیں سر پیٹتی ماتم کے لیے

عنبر: (گانا)

کاہے کرت حال زار سجنی۔
گوہنا لگت پیاں دھرت چرن پڑت ہوں۔
نین بہت نیر
دھرو جیرا دھیر
تورا پیا دلبر ساجن من ہر سندر

آوے درشن
تو ہے ہو پتیم کا۔ آج۔ آج۔ آج۔ آج

مہ جبیں : ارے کیا بنتی ہے غم خوار۔ تیری بات کا کیا اعتبار۔ شرم نہیں آتی ہے۔ الٹے پھر زبان ملاتی ہے۔ کیوں کیا ہوا وہ وعدۂ دیرینہ۔ اب تک نہیں گزرا چھ مہینہ۔

عنبر : جی میں نے آپ سے خلاف عرض نہیں کیا۔ اگر میرا قول جھوٹا نکلا۔ تو جو چاہے سزا کیجیے گا۔ گوشالی دیجیے گا۔

مہ جبیں : اے راست گویوں کی سردار۔ تو ہی بتا یہ جھوٹ تھی یا سچ گفتار۔

عنبر : اے گلفام۔ ابھی تو میرا وعدہ پورا ہونے میں کل کا دن پڑا ہے تمام۔ ہاں اگر کل تک آپ کا دلبر نہ آیا۔ تو سمجھیے گا۔ میں نے فقرہ بنایا۔

(کوکب کا معہ نیرنگ اتفاقیہ باغ میں داخلہ)

کوکب: (گاتا)

کروں شکر خدائے انام
مل گئی دلارام۔ گلفام سیم اندام
سب سے بڑھ کر تو ہے گیانی۔
تجھ گن کا نہیں دیکھا ثانی۔
جانی جانی۔ میں نے جانی۔
تیری قدرت رب پہچانی۔
سب کا تو سلطان۔
اے میرے سبحان۔
یزداں۔ یزدان۔

(کوکب و مہ جبیں کا ایک دوسرے کو دیکھ کر غش کرنا۔ سہیلیوں کا گلاب پاشی کرنا)

سب سہیلیاں: (گانا)

آیا پیاری کا پیارا دلدار ہے۔
مل کر باہم خوش ہیں اس دم۔
شاد شاد کیا۔ شاداں ہیں ہم۔
کر دیں تن من نثار ہم۔ نثار ہم۔

(مہ جبیں کا ہوش میں آنا)

مہ جبیں: (گانا)

درشن موہے دینا مورے موہن۔
آئے چرن تورے مورے ساجن۔
توری واری تن من۔
سج دھج جیرا لبھاوے۔ لبھاوے۔
من ہر لینا۔ چین نہ آوے۔
سدھ بسری۔
ہر دے ہردے بسے نس دن سگر سجن۔

(کوکب کا ہوش میں آنا)

کوکب: (گانا)

ہم جاناں پھر کر مارے مارے۔
درس تمھارے پائے خوشتر۔ برتر جانی۔
سکھ سارا ہے تجھ بن دلبر تج دینا۔
اور یکسر گھر بھر تج دینا۔
اور لشکر افسر تج دینا۔

اور سب سلطانی۔
پیاری جانی۔ تیرو نہیں ثانی۔
واری جانی۔
کر پوری من آسا۔
سُن ونتی۔ ستونتی پیاری۔
لاثانی۔ لاثانی۔

مہ جبیں : ۔

جلوہ افزا خانۂ عاشق میں ہے جاناں نہ آج
غیرت فردوس رضواں ہے مرا کاشانہ آج

زہے میری قسمت کہ آپ نے میرے ناقابل کفش خانہ کو سرفراز فرمایا۔ عزت بخشی ممتاز فرمایا۔ میں آپ کی جان و دل سے شکر گزار ہوں۔ ناچیز خادمہ ہوں۔ فرماں بردار ہوں ۔

عزت فزا حضور کی تشریف تو ہوئی
گو سخت میری وجہ سے تکلیف تو ہوئی

کوکب۔

صد شکر مل گئے صنم گلعذار سے
دل کو ہوئی رہائی غم روزگار سے
اب چل کے عرض حال میں سو انکسار سے
کرتا ہوں آپ کے پدر نامدار سے
فرزندی میں جو لیں مجھے تو کیا گناہ ہے
مرا پدر بھی دہر میں شاہوں کا شاہ ہے

مہ جبیں : میرے پیارے اگرچہ میں روز اول سے تمھاری ہو چکی۔ دل خود رفتہ کو کھو چکی۔ گو کہ پاک طریقہ سے سوائے تمھارے کوئی میرا پانے والا ہو نہیں سکتا۔ خدا کی مقدس کتاب کی لازمی پابندیوں سے کوئی میرے عزت و آبرو کا نیک مالک۔ مجھ پر جائز حکومت فرمانے والا ہو نہیں سکتا۔

کوکب : (بات کاٹ کر) بے شک بے شک۔ پیاری دلربا۔ آمین۔ آمین۔ خدا تمھارے نیک ارادوں میں برکت دے۔

مہ جبیں : مگر ہائے۔ یہ کیوں کر کہوں کہ تم اپنی ایک حقیر کنیز کے لیے آفت میں جان ڈالو۔ مفت میں غم پالو ـــــــ پیارے تمھارا یہ دلی ارادہ مخدوش سراسر ہے۔ اس میں جان کا ڈر ہے۔ کیونکہ قبلہ گاہی نے یہ شرط کی ہے کہ جو اہرمن خوں آشام کو قتل کرے گا۔ اس کے ساتھ مہ جبیں کا عقد کروں گا۔ عطا زر نقد کروں گا۔

کوکب : پیاری۔ یہ اہرمن کون مکار۔ فتنہ روزگار ہے۔

مہ جبیں : یہاں سے کچھ دور پر کوہ بلا نامی ایک کوہ ہے۔ وہاں کے ڈاکوؤں کا یہ سرگروہ ہے۔ ہزاروں موذی اس درہ٘ کوہ کے نگہبان ہیں۔ ہمارے شہنشاہ کے دشمن جان ہیں۔ ہر ایک ان میں سے مکار و خود پسند ہے۔ جن کے خون سے مسافروں کا راستہ بند ہے۔ انھیں ظالموں کے زور پر اہرمن یہ جور و ظلم کرتا ہے۔ بے گناہوں کے جان لینے پر مرتا ہے۔

کوکب : خیر میں نے سمجھا تھا کہ مصیبت کا زمانہ۔ رنج کا سہنا۔ غم کا اٹھانا دور ہوا۔ طبیعت شاد ہوئی۔ درد دل کافور ہوا۔ مگر نہیں۔ ہنوز کچھ اور تقدیر میں پھیر ہے۔ فرقت کا سامنا ہے۔ وصل میں دیر ہے۔ میری جان و دل کی مالک، میری حوروش پیاری۔ اب جب تک اس مردود کو جہنم واصل نہ کروں گا۔ تب تک تمھارا دلفریب دیدار حاصل نہ کروں گا۔

(گانا)

تجھ دلدار پر واری واری جان۔
پیاری جان۔ پیاری جان۔ پیاری جان۔ پیاری جان۔
موہے لازم ہے اب پیکار کو جانا۔ جانا۔ جانا۔
میرا حامی ہے وہ داور دانا۔ دانا۔ دانا۔
اب ہے تیغ آبدار۔ یا وہ زار بداطوار۔

جان جانا۔ کھیل ہے جاناں۔
جی داروں کا یہی ہے بانا۔
مردی کا جوہر دکھلانا۔
منھ پر چرکا کھانا۔
پیاری جان۔

مہ جبیں : خیر تشریف لائے ہیں تو ہنوز کچھ روز استراحت فرمایئے۔ دل سے دور گرد کدورت فرمایئے۔

کوکب : نہیں اب جانا ہی بہتر ہے۔ وہی ہوگا جو منظور داور ہے۔ راہ بلا میں قدم مارنا چاہیے ہمت نہ ہارنا چاہیے ۔

کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

عنبر : اے ہے نوج اے حضور اتنی جلدی کیا ہے۔ موذیوں کا سامنا ہے۔ سمجھ بوجھ کر کام کیجیے گا۔ ان وحشی کافروں کو رام کیجیے گا۔ فی الحال کچھ روز عیش و عشرت میں گذرایئے۔ میری عرض مانیے۔

نیرنگ :

کیسا آنا کہاں کا جانا چھوڑو ساری جھنجھٹ
گھر کو چلیے یاں سے ٹلیے کر دیں گی سب چوپٹ

عنبر :

کس پر فقرہ چلتا ہے تو روک زباں او چرکٹ
یہ باتیں کھلوائیں گی لاتیں تجھ کو احمق نٹ کھٹ

نیرنگ : اجی لاتیں کھلواؤ کہ سوغاتیں کھلواؤ۔ مگر کچھ تھان کی بڑی معلوم ہوتی ہو۔ (ناظرین سے) عورت کیا ہے للّی گھوڑی ہے۔

عنبر : ارے او موے بدزبان جعل سازی۔ یہ کیسی زبان درازی۔ کچھ شہنشاہی ہے جو بکتا واہی تباہی ہے۔

نیرنگ : اجی اے بی گل جتازی۔ سراپا آتش بازی۔ تم بھی بالکل الکل کی واہی۔

لڑتی مرتی خواہ مخواہ ہو۔

عنبر : در موے در گور نگوڑ مارے چور۔ کیوں دکھاتا ہے زور شور۔

نیرنگ : ہم چور ہیں کہ سینہ زور ہیں کہ شکر کی پور ہیں۔

عنبر : تو بھی عجب طرفہ معجون ہو حلوائے لذیذ ہے۔

نیرنگ : جی نہیں آپ بھول گئیں۔ بندہ آپ کے حول دل کا تعویذ ہے۔

عنبر:

یا وَحُشَتُ البُخارِیٰ لاَلُحَهكَ والسَنَكَ
کَزتُ البزنُشُوِ اوڑنجھوِ ھوِ چل سَنَكَ

نیرنگ:

ھذالخُزَیلَ اَنَتاغفِیلَ لَنَالَنَكَ
رہ شیرنی کے مَان میں دُم دابُکر دُبَك

دیکھ دُم نہ ہلنے پائے۔ رہ تھیلے کے اندر۔

عنبر : بس نہ کر بدزبانی۔ لن ترانی۔ کچھ پی تو نہیں گیا ہے کالا پانی۔ اب جو کی چرب زبانی۔ تو جان ہوگی مشکل بچانی ۔

یہ سمجھ رکھ وقت آخر لامحالہ ہوگیا
مسخرہ پن کیا ہوا منھ کا نوالہ ہوگیا

نیرنگ : اے بڑی نانی۔ شیطان کی نشانی۔ ایسی نامہربانی۔ یہ ڈر دلانی کہ مشکل ہوگی جان بچانی ۔

نقد جاں کب کا تمھارے نذر خار ہو گیا
پوچھتی کیا ہو ہمارا تو دیوالہ ہو گیا

عنبر :

بک بک مت کر بھاگ یہاں سے بے دم کے لنگور
تجھے شیطان کو سونپا جا تجھے شیطان کو سونپا

نیرنگ :

تب نہ نکالا جب کہ دولت لا لا کر بھرپور
سب تانی جان کو سونپا سب تانی جان کو سونپا

کوکب : اے نیرنگ بس خبردار۔ یہ کیسی گفتار۔ تجھے بھی ہر وقت مذاق رہتا ہے۔ اس کا تو مشتاق رہتا ہے۔

نیرنگ : جی ہاں حضور دیکھیے نا۔ مانتی ہی نہیں۔ گویا لاورشہ جان لیا ہے۔

می چلد تیغ ستم بر گردنم بیداد سے
ہم نے بھی اک لٹھ منگایا ہے مرادآباد سے

کوکب : اچھا پیاری اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ میری فتح یابی کی خدا سے دعا کرو۔ سچے دل سے التجا کرو۔

مہ جبیں :

بہ سفر رفتت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

مہ جبیں معہ سہیلیاں: (گاتا)

جاؤ دلبر، برتر، سرور پیارے۔
پورن منسا ہو ساری۔
ہر دم تجھ پر باری باری۔
نت یاور ہو خالق باری۔
ہوے بس ہرکا سایا تجھ پر۔
ہوئے بس ہر کی دیا تجھ پر۔
راکھے کرم۔ قادر سبحانی۔
ساری جانی سرگردانی۔ جانی۔ جانی۔
نہ ہو الم جانی۔
سکل جگت میں ہو سلطانی۔ سلطانی۔ جانی۔

دوسرا ایکٹ ——— تیسرا سین

راستہ

(کوکب کو سمجھاتے ہوئے نظر آنا)

نیرنگ : (گانا)

لڑنے بھڑنے مرنے کی ہٹ۔
سرور افسر چھوڑو جھٹ پٹ۔
بوریا بندھنا باندھو ابھی تر بڑ چٹپٹ ہو جلدی
دور اڑنچھو آب زن سے۔ ہو دور اڑنچھو آب زن سے۔

کوکب : تن سر کا نہیں ڈرنا۔ مرنا ہے مرنا۔ اک دن دکھ بھرنا۔

نیرنگ : ناحق کا غم چھوڑو بھی۔ رشتہ الفت توڑو بھی۔

کوکب : کروں اب نام۔ کیا کہتا ہے تو دل میں یہی ہے عزم ابھی۔

نیرنگ : قصد برا ہے۔ قصد برا۔ سنو خوف بڑا ہے۔ خوف بڑا۔

کوکب : رب کرے۔ سب کرے۔ اب کرے۔ جب کرے۔ رب کرے۔ والا۔

دوسرا ایکٹ — چوتھا سین

درۂ کوہ بلا۔ مکان اہرمن

(اہرمن کا وصل پر اصرار۔ گوہر کا انکار)

گوہر: (گانا)

کیسے کروں کرتار۔
جگ کی ستائی ہوں دکھیاری — کوئی نہ پوچھن ہار۔
کشٹ دکھاوت بھاگ ہے میرو — کیا کیا موہے داتار۔
نیا پڑی منجدھار میں دکھ کے — پار لگا کرتار۔

اہرمن: (گانا)

پیاری نادر گھوم زمانہ پھرے نہ پھرے نہ۔
یوں نہ نادر تم پھرو در در تم۔
در در پھرو نہ۔ پھرو نہ
جانی تم۔ پھرو نہ پھرو نہ۔
در در محروم جانہ۔
کرو شادمانی۔ جو شرجانی۔
شادی کر کر تم۔ بنو افسر تم۔
در در سنا نہ۔ پھرو لاثانی تم۔

گوہر: (گانا)

دور ہو تو موذی ظالم دور۔
دور ہو تو کم تر بد کردار۔
جان مجھ کو موذی نہ نادان۔
ہٹ یاں سے جلدی او بدکار۔
نابکار۔نابکار۔

اہرمن : میری جان۔ کہنا مان۔ کہنا مان۔ کہنا مان۔ نادر جانی جانی۔ مت کر نادانی۔ مو پر کر مہربانی۔ پیاری جانی۔

گوہر : ہٹ بد توارے۔جارے جارے او ناکار۔ دیکھے تیرے ڈھنگ سارے۔ ہو نہ دیوانہ — دور ہو۔

اہرمن : دیکھ او مغرور۔ اپنی جان پر ظلم نہ کر۔مجھ کو چھوڑغیر پر نہ مر۔ ورنہ بہت پچھتائے گی۔قید سے رہائی نہ پائے گی۔

گوہر : او جابر ستم گر، اس ظلم سے حذر کر، جور و جفا کا نتیجہ بد ہے۔ سزا دینے والا موجود اللہ الصمد ہے۔ جان سے جاؤں گی۔ مگر اپنے قول سے باز نہ آؤں گی ۔

جان سے جاؤں جو جانے کو ہو عصمت میری
موت ہی آکے بچا لے گی بس عفت میری

اہرمن : ذلت ہوگی آفت ہوگی، وصلت سے انکار نہ کر۔

گوہر : چھوڑ خیال بد او ظالم مجھ سے تو اصرار نہ کر۔

اہرمن : جان جائے گی۔ بربادی ہوگی۔

گوہر : طبیعت شاد ہوگی قید ہستی سے آزادی ہوگی

اہرمن : دیکھ مان جا۔ انکار میں موت ہے۔

گوہر : کیا ڈر ہے انجام زندگی فوت ہے۔

اہرمن : وصل قبول کر۔ ورنہ پچھتانا ہوگا۔

گوہر : کچھ خیر ہے جہنم میں ٹھکانا ہوگا۔

اہرمن : الفت کا رنگ دیکھ۔ دل کی امنگ دیکھ۔ جی کی ترنگ دیکھ۔ خوش کرو

وصال سے۔

گوہر : پی کر کے بھنگ دیکھ، مت کر تو تنگ دیکھ، دل کر نہ سنگ دیکھ، ڈر ذوالجلال سے۔

اہرمن : نہ مکاری کی باتیں کر۔

گوہر: نہ عیاری کی گھاتیں کر۔

اہرمن : نہ بس اے پارسا بن تو۔

گوہر : نہ کر ضد مجھ سے پُر فن تو۔

اہرمن : نہیں ممکن ہے جو نادان تیری جان بچ جائے۔

گوہر : گوارا جان دنیا ہے مگر ایمان بچ جائے۔

اہرمن : افسوس تجھ کو برابر سمجھاتا ہوں، مناتا ہوں، مگر تجھ کو میری صحبت سے انکار ہے۔ دل بیزار ہے۔ شاید تجھ کو اپنی زندگی دشوار ہے۔ اب او نادان تو ہے اور یہ زندان۔ عمر بھر اسی قیدخانے میں جان کھو۔ اپنے کیے کو رو۔

دوسرا ایکٹ ——— پانچواں سین

راستہ

(اہرمن کا معہ اپنے ڈاکوؤں کے نظر آنا)

اہرمن معہ سب ڈاکو: (گانا)

(انگریزی وزن)

تیر تفنگ و نیزہ و گرز و تیغ و تبر، خنجر، شمشیر
ہم سب لے کر جنگی افسر دشمن کو کر لیں تسخیر
کاٹیں، چنائیں چھاپہ ماریں اک اک کو ہم ڈالیں چیر
شہ کا خزانہ مال زمانہ لوٹیں کریں اس کی تدبیر
چلو۔ چلو۔ چلو۔ نہ دیر اب کرو۔ نہ یوں قدم دھرو۔ نہ سست اب بنو۔
جو پاؤ لوٹ ، کسی کی مت سنو، ہزار شور ہو۔ تکلیف خوب دو۔

دوسرا ایکٹ ـــ چھٹا سین

جنگل

(نیرنگ کا عیاری کر کے مہاتما کی صورت میں اہرمن کو مارنا)

نیرنگ : اب قبلہ آپ کہیں پوشیدہ ہو جائیے۔ اور وہاں سے میری کارستانی ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھیے تو کہ کیسا عیاری کی دونلی بندوق میں چالاکی کا بارود بھر کر زناٹا رسید کرتا ہوں کہ اہرمن معہ بوریا بندھنا غائب۔

کوکب: نہیں میرے جاں نثار نیرنگ۔ تمھیں کوئی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تنہا اس اہرمن سے پیکار کروں گا۔ تہ تیغ آب دار کروں گا۔

نیرنگ : سبحان اللہ۔ اجی بندہ نواز۔ آپ لڑیئے گا تو کس سے۔ جھگڑیے گا تو کس سے کوئی بشر ہو۔ آپ سا نڈر بھی ہو۔

کوکب : تو آپ کے نزدیک اہرمن آدمی نہیں ہے۔

نیرنگ : آدمی ہے کہ شیطان کا ولی عہد ہے۔ پورا دغاباز۔

کوکب : خیر کسے باشد، مجھ سے اس سے تو تلوار کی لڑائی ہے۔ یا وہ نہیں۔ یا میں نہیں۔

نیرنگ : یہ درست ہے۔ مگر جب وہ بھی تنہا ہو تب نا۔ اس کے ہمراہ تو اور بھی لاوارثیئے، نامہ اعمال کے فرشتوں کی طرح موجود ہیں۔ ساتھ ساتھ مردود ہیں۔

کوکب : گو اہرمن با فوج جرار ہے۔ مگر میرا بھی خدا مددگار ہے۔ ؎

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی ترست

مردوں کا قاعدہ ہے جب کسی مشکل کام کا سامنا ہوتا ہے، دشمن کو اپنے پرزور ہاتھوں سے تھامنا ہوتا ہے۔ تب ہمت اور استقلال کو کام میں لاتے

ہیں۔ دشمن کو نیچا دکھاتے ہیں۔ کیونکہ

بہ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

نیرنگ : یہ آپ کا لاحاصل کلام ہے۔ خیال خام ہے۔ ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ حد سے نہ گذرنا چاہیے۔ ۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ——— بے دیکھے وہ آتا ہے مردود۔ جس کا فاتحہ نہ درود— اب بحث کا وقت نہیں للہ میری جان پر رحم فرمایئے۔ خدا کے لیے میرے کہنے سے تھوڑی دیر کے لیے پوشیدہ ہوجایئے۔

کوکب : خیر۔ گو یہ بات شیوۂ مردانگی سے دور ہے۔ مگر کیا کروں تمھاری خاطر منظور ہے۔ لیکن اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو مجھ سے فوراً کہنا۔ مصیبت و رنج نہ سہنا (تھوڑی دور سے واپس آکر) سمجھے — بس فوراً۔

نیرنگ : جی فوراً گیا — بلکہ — فوراً سے پیشتر۔

(گانا)

چین جھپ نبی جی بھجو۔
مولا کا نام سچا۔ سب جھوٹا ہے جتن کا — چین جھپ۔

سب ڈاکو: (گانا)

(انگریزی وزن)

صمصام صمصام، خون آشام
آج کوئی بھی تجھ سے نہ ہو اتمام
پھر ہم تمام سہہ کے آلام
پر کہیں بھی نہ ملی۔ دولت حرام

اہرمن : اے میرے شیر شکار بہادر یارو۔ اے میرے قوت بازو۔ اے میرے مددگارو۔ شاباش مرحبا آفریں، آج تم نے بڑی ایذائیں اٹھائیں۔ سخت

تکلیفیں پائیں۔ اب چل کر کمر کھولو۔ آرام کرو۔ عیش و راحت کا اہتمام کرو۔ میں بھی درۂ کوہ بلا کی حفاظت کا بندوبست کر کے بہت جلد واپس آتا ہوں۔ تم لوگوں کے ہمراہ جشن مناتا ہوں۔

(سب ڈاکوؤں کا جانا۔ اس کے بعد اہرمن کا بھی چلنا)

نیرنگ : ۔ سنتا جا اک بچن ہمارا تو رہیو مسرور، لگاتا دم جا بچا۔ چڑھی ایسی گانٹھوں بیٹا ہڈی ہووے چور۔
ذرا جا سنتا بچا۔

اہرمن : اے مہاتما اے اوتار۔ کچھ حال کیجیے اظہار۔ آپ کون ہیں کیا نام ہے۔ یہاں کب سے مقام ہے۔

نیرنگ: (گانا)

ارے رے رے رے رے میری شان
شان شان شان
اب تک سمجھا نہیں
دوں جس جھانپڑ بان بان بان
کیوں بے گھا گھس۔ چھے مل دوں تیرے کان کان کان
سمجھ اپنا مجھ کو چچا جان جان جان

اہرمن : اے مہاتما آپ کا فرمانا نہ سمجھا۔ صاف صاف فرمائیے۔ غلام کو سمجھائیے۔

نیرنگ : اے بچا۔ سن میرا حال سچا۔ سچا۔ کل میں اس بن میں تپسیا کر رہا تھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ خداوند جمشید کودتے پھاندتے، اچکتے بوریا بندھنا سنبھالتے آدھمکے۔ آہا۔ کیا نور کی صورت اور موہنی مورت پائی تھی۔ قد تھا کہ لاوارثے کا لگھا۔ سر نحوست کا گٹھرا اور اس پر بالوں کی گھ بندن گویا پہاڑی مکڑ کھونا لگانے بیٹھے ہیں۔ منہ حماقت کا پھاٹک۔ ہاتھ پاؤں

بے آس کی چھڑ۔ غرض بایں ریش فیش۔ آکر فرمانے لگے کہ اس وقت میرے دریائے رحمت کی موجیں بے طرح قلابازیاں کھا رہی ہیں۔ اس لیے تیرے پاس یہ کہنے آیا ہوں کہ کل میرا ایک بندہ خاص ادھر سے جائے گا۔ اس کو ایک اشلوک پڑھا کر جام آب حیات پلا دینا۔ اس کی عمر قیامت سے بھی چار ہاتھ بڑھا دینا۔

اہرمن : اے ذی شان۔ خداوند نے کیا احسان۔ اچھا وہ تبرک لائیے۔ شایق ہوں عطا فرمایئے۔

نیرنگ : لے یہ آب حیات ہے۔ اس کی بڑی بات ہے۔ سراسر کرامات ہے۔ جہنم میں پہنچانے کا سہل لٹکا۔ آسان گھات ہے۔ (ذرا پیچھے ہٹ کر)

اہرمن : پی جاؤں نہ — کیوں مہاراج۔

نیرنگ : ہاں۔ ہاں۔

اہرمن : اور مہراج اشلوک تو بتاؤ۔

نیرنگ : اشلوک۔ اچھا سنو بھتیجے (آہستہ سے) چتھا بنا کر نوک دم نہ کیا تو نام نہیں۔ اسے بھول جانا تو ہجے کر لینا۔

انگشترم۔ ہشت دادم۔ پتّرم السدّیا۔
کنکوی میں کنکوم کہ چٹ پٹ کنا دھا۔
رست کمنڈلی کہ کمنڈلا۔ کہ مرگھٹ سے اڑ جائے۔
گتھا بتھا بھم چق کہ چون گھٹ
لنا ما کنج کنکوی۔ سرپٹ نہ پڑی
زین زپٹ کہ ناگر مو تھا۔
شون جھنکو نت کہ جھنکوا، کہ گھوم اور نت چانٹا۔
گھ بندھن گھ بندھنا کہ لٹیں کی سری ٹیک
زین نہ کر کہ چین۔ چپ چپ چپ تھیلے کے اندر
کڑکڑا دھا۔ کڑ کڑا دھا۔

اہرمن : اہا ہا ہا۔ اشلوک کیا ہے میرے نامہ اعمال کا کچا چٹھا ہے۔

نیرنگ : ابے نامہ اعمال نہیں ہے۔ تیرے باپ کا مرثیہ ہے۔ سن قدرت گیت میں بھابتا گئے ہیں۔ اچھی طرح سمجھا گئے ہیں۔

(گانا)

شلوبل شل سے نکل — اب بزن ہوگا ڈبل
پڑتا شانا ہے سنبھل — تنا دھن تاک دھنا دھن
تب ہی بس ہوگا مزا — سر ہو ٹانگوں میں پڑا
منھ سے نکلے یہ صدا — تنا دھن تاک دھنا دھن

اہرمن: (گانا)

ہم پہ داتا کی نیاری نیاری مہربانی ہے
مہربانی مہربانی۔ مہربانی ہے
قدرت کی ہم عظمت گائیں گائیں شوکت ہر دم
مرنے دھرنے دکھ بھرنے سے ہو بیٹھا میں بے غم —— ہم پہ

نیرنگ: (گانا)

بتلایا ہے کیسا میں نے فقرہ جملہ جھانسا
پو بارے ہیں اب تو میں نے اچھا الو پھانسا —— ہم پہ

اہرمن : اچھا لے مہاراج — پیتا ہوں۔

نیرنگ : ہاں۔ ہاں۔ زہر مار کر جا۔

اہرمن: (گانا)

(انگریزی وزن)

امریکہ، افریقہ، یورپ، اٹلی ، جرمن، انگلستان
فارس، ہنگری، روم، آسٹریلیا، اسپین، چین، روس، ہندوستان

شاری دنیا تخت میں لاؤں سب مانیں میرا فرمان
موت سے بے غم ہو کر ہر دم بیٹھوں گا بن کر سلطان
ہٹ جانا۔ ہٹ جانا۔ لینا مہاتما جانے نہ دینا۔

نیرنگ : ابے خیر باشد —— کیا ہے۔

اہرمن : بس پوچھے نہ ہٹ جائے۔ اے دیکھے اے دیکھے۔ وہ عمر بڑھتی جاتی ہے۔ وہ۔ وہ۔ وہ۔۔ وہ دیکھیے ڈھکیل کھاتی جا رہی ہے۔

نیرنگ : ارے کہیں موت کا فرشتہ۔ عمر کے ساتھ تجھے بھی نہ کھینچ لے جائے۔ لے میں کچھ گاتا ہوں تو ناچ۔

اہرمن : اچھا مہاراج۔

نیرنگ: (گانا)

نثار میرے خچر تیرے ڈکوں کے نثار۔
ایک اشارے میں سرپٹ جاوے۔
اس پر سے ہنٹر کی مار —— نثار۔
بھانڈوں کی گھوڑی ہمارا ہے گھوڑا۔
چالوں پر اونٹنی نثار —— نثار۔

اہرمن : پی کر میں تھوری مستی دکھاؤں۔ رے۔ رے۔ رے۔ رے۔ رے رار نثار۔

(اہرمن کا بے ہوش ہو کر گرنا)

نیرنگ : ارے ہائیں ہوت ہے۔ ارے بھیا ہوت۔ آہا ابھی کچھ دم باقی ہے۔ ملک الموت سے لپاڈگی ہو رہی ہے۔ — ابے بھوت تو نہیں ہوگیا — بس ہو چکے — اب اس جناتی لاش کو مرگھٹ پر کون پھینکے۔ اچھا آؤ — اوہ۔ ابے پیٹ میں کولھا۔ اور کولھے میں پیٹ اتر گیا۔ مرنے پر بھی زور باندھتا ہے۔ (کوکب سے) لیجیے نہ۔ اب تو پانچوں انگلی گھی میں اور سر کڑھائی میں ہے۔ لفلائی کیجیے۔ آپ کی تو چاندی ہے چاندی۔
(گئے)

دوسرا ایکٹ ـــــــ آٹھواں سین

آخری دربار

(سکندر جاہ، والد مہ جبیں کا دربار۔ گوہر کا داخلہ۔ انکشاف حال۔ کوکب گوہر میں صفائی۔ آخر میں کوکب سے مہ جبیں و گوہر کی شادی ہونا۔ سب کا مبارک بادی گانا)

رامش گر: (گانا)

اونچی رہے سرکار۔ رہے ہر دم بہار۔
صولت و شوکت سر پر نثار۔
ہو عزت سب سنسار میں۔ دو نا ہو وے وقار۔
دشمن پر رب کی مار۔
مالک کفیل و بار۔
جلسے ہر دم دن رات رہیں۔ دربار میں۔

سکندر جاہ : اے شہزادے بلند ہمت۔ عالی مرتبت۔ آفریں صد آفریں آپ نے نہایت عالی حوصلگی سے میری شرط کو پورا بے دریغ کیا۔ اہرمن ملعون کو تہ تیغ کیا۔ اب میں آپ کو اپنی برخورداری میں قبول بہ چشم و عین کرتا ہوں۔ قران السعدین کرتا ہوں ۔

رہو تم حشر تک خوش ہو عدو کی خانہ بربادی
خوشی سے زندگی کاٹو مبارک ہو تمھیں شادی

چوبدار : ـ

شاہا تو ہم غلاموں پہ فرماں روا رہے
تیرے ہمیشہ فرق پہ ظل خدا رہے
لوٹا جو اہرمن کا گیا تھا مکان و مال
اک زن تھی اس کے قید میں باصد شکستہ حال
تیر ستم ہزاروں کلیجے پہ کھائے ہے
کرتی کبھی فغاں تو کبھی ہائے ہائے ہے
خدام لائے ہیں در دولت پہ شاہ کے
کیا حکم ہوتا حق میں ہے اس رشک ماہ کے

سکندر جاہ : ـ

حاضر کرو حضور میں گریاں تک آئی ہے
نالاں ہے کس کے ہاتھوں سے کس کی ستائی ہے

ملکہ گوہر: (گاتا)

(طرز۔ آخری بزم ہے)

حسرت دید میں ظالم جو کہیں دم نکلے
ناامیدی مرا کرتی ہوئی ماتم نکلے
مرگ لیلیٰ کی خبر جب کہ زمانے میں اڑی
ہاتھ مجنوں کے کفن سے پئے ماتم نکلے
حسرتیں روتی ہیں مل کر مرے ارمانوں کو
الم و یاس شریک دل پر غم نکلے
خو ہماری نہ گئی ظلم تمھارا نہ گیا
بے وفا تم جو ہوے اہل وفا ہم نکلے

بات کا پاس حسینوں کو نہیں ہے اے حشرؔ
خوب دیکھا انھیں پابند وفا کم نکلے

سکندر جاہ : کیوں اے نازنین حور نژاد۔ غیرت پری زاد۔ کون سا ملال ہے۔ جس سے تباہ حال ہے ۔

دردِ دل کا کچھ اپنے حال کہو
کس نے تم کو دیا ملال کہو
واقعہ اے پری جمال کہو
کیا ہوا بہر ذو الجلال کہو
کس ستم گار کی ستائی ہو
کس کی فریاد جور لائی ہو

گوہر :۔

فغاں میں ،آہ میں، فریاد میں،شیون میں نالے میں
سناؤں حال دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

(گانا)

ہائے قسمت۔
دیکھی دیکھی بس میں نے توری نیاری نیاری فطرت۔
ہر آن رہی بس دنگ۔
تو سے ناری ہاری ہاری — ہائے قسمت۔
میں ہوئی خوار خوار۔
آنسو بھر بھر آوے۔
دیکھ دل یہ خواری۔ہائے۔ہائے۔ہائے۔
عاری آئی تو سے موری پیاری یہ جان۔جان۔جان — ہائے قسمت۔

سکندر جاہ:۔

صاف صاف اے حور وش حال دل مضطر کہو
کیا مصیبت ناگہانی آپڑی سر پہ کہو

گوہر : ۔

وا ہوے ہر گز نہ وہ عقدے جو تھے تقدیر کے
سعی کرتے کرتے ناخن گھس گئے تقدیر کے

(کوکب سے)

یہ کہاں دادری ہے دم تک عاشق دلگیر کے
اس نشانی کو اڑا کر پر کٹیں گے تیر کے

(گاتا)

(بہ وزن انگریزی)

ہاے ملا جان کو نہ درد سے آرام
ہاے ہر دم میں رہی یارب ناکام۔
عمر بھر رہا دل کو آرام۔
غم سے ہوں میں بے قرار۔
ہر گھڑی ہے انتشار۔
غم سے ہے دل فگار۔
رنج ہے تمام۔
عمر بھر رہا دل کو آلام۔
روزوشب رہی ملول۔
یاس وحسرت ہوئی حصول۔
پائے رنج کیا فضول — عمر بھر ملا دل کو آلام۔
جینا بس اب ہے وبال۔
دل کو حشر اب ہے ملال۔
موت کا ہے اب خیال۔

رب ذوالکرام — عمر بھر دل کو آلام۔

مہ جبیں: (گانا)

نہ جان تم اپنی دو بہنا۔ قربان قربان۔
دکھ دکھ کی بھری۔نس نس کی دکھی۔بپتا سن کر پھرے پھرے۔
سدھ بدھ گنو غم کرے کشٹ بھری۔
موہنا شکل تمھاری۔بدلی یہ غم نے۔
جلدی نہ جو پہچانا ہم نے۔
(کوکب سے) من سے دل دار۔ چھوڑو عار۔ اب سیاں تم کر دو خوشیاں۔
ارج سنو پریم سے تم۔ ہماری ساری۔ ساری۔ ساری۔

کوکب:

کہنے سے تمھارے ہوا دل صاف قسم ہے
آئینہ غلط ہو گیا شفاف قسم ہے

مہ جبین: اباجان۔ یہ میری منھ بولی بہن ملکہ گوہر حسن آباد کی شہزادی ہیں۔ جو مورد بیدادی ہیں۔

سکندر جاہ: افسوس اے عشق تو ستیاناس ہو۔ اے ظالم محبت تو دنیا میں غارت ہو۔ پیارے ناظرین یہ عشق وہ بری بلا ہے جو بڑے بڑے پارسا بیوں کے دامن عصمت میں بدنامی کا ناپاک دھبہ لگاتا ہے۔ یہ جذبہ محبت وہ مقناطیسی قوت کا چلتا ہوا آلہ ہے۔ جو بڑی بڑی عصمت داروں کے نیک دلوں کو ایک قدرتی کشش سے اپنے بد انجام اور ناسزاوار عملوں کی جانب کھینچتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نام ونگ کو چھوڑکر رسوائے خاص وعام ہوتے ہیں۔ خیر اب میں ان سب کی شادی کرتا ہوں۔خانہ آبادی کرتا ہوں ۔

عنایات خدا ہوں خانہ آبادی مبارک ہو
مبارک باد دنیا دے تمھیں شادی مبارک ہو

نیرنگ : شادی کا ہلڑ۔ عشرت کا بھنڈ۔ خوشیوں کا مجمع سگو۔ تھوڑی چھینکی۔ گو کہ
ہیں مٹکو۔ رہن آج رکھیں گے ناصح کا پلو۔

سب: (آخری گانا)

داور پیارے۔ سرور پیارے۔ برتر پیارے۔
خوش ہیں سارے سارے۔
آج آج ہم نیارے نیارے۔والی۔والی۔
انحد عالی۔
جگ سرداری تیری پیارے۔
ہم قربان۔تن وارا۔داتا کیا۔سکھ دینا اب سارا۔
ہم گائیں تیروگن سارے۔
تو رحمٰن۔ تو منان۔ تو سلطان۔ تو ذی شان۔
واری جان۔واری جان۔تجھ پر پیارے۔بندۂ کم تر حشؔر ہے۔ خوش تر۔ حاکم
محشر۔ عادل و داور۔
واروں واروں تن من تجھ پر۔کر کر پا پیارے۔

قطعہ تاریخ

عالی جناب، والا خطاب، امیر الامرا، اشرف الشرفا، جناب مولوی
اشرفؔ الدین صاحب عرشؔ رئیس اعظم بنارس

عرش دیکھی گل عضموں کی بہار وادی حشؔر نے تحریر کی آج
بلبل طبع نے تاریخ کہی سیر کی گلشن کشمیر کی آج

۱۳۰۴ھ

مرید شک

مرید شک (1899)

بنارس سے ممبئی منتقل ہونے کے بعد یہ آغا حشر کا پہلا ڈراما تھا جو انھوں نے کاوس جی پالن جی کھٹاؤ کی الفریڈ کمپنی کے تنخواہ دار ڈراما نویس کی حیثیت سے 1899ء کے اوائل میں لکھا تھا۔ یہ ڈراما در اصل شیکسپیئر کے ڈرامے ونٹرزٹیل (Winter`s Tale) کا ایسا آزاد اردو ترجمہ ہے، جس میں اصل کی روح تلاش کرنا امر لاحاصل ہے۔ اسے 'مرید شک' کے علاوہ 'جنگل کی رانی' اور 'جنگل کی شاہزادی' کے نام سے بھی کھیلا گیا۔ آغا حشر نے اس کے ماحول اور مزاج کو مشرقی بنانے کے لیے جو تبدیلیاں کیں، اس کی وجہ سے ان کی حیثیت ترجمے کے بجاے تخلیق کی ہوگئی ہے۔ اس ڈرامے کے بارے میں خود آغا حشر کا یہ دعویٰ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ 'میں نے شاہد فرنگ کو ایشیائی لباس و ہندوستانی مذاق کے گہنوں سے ایک ایسی پیاری بنّی بنا دیا ہے جو جلوہ افروزی کے وقت جان رُبا تو نہیں دل رُبا ضرور ثابت ہوگی'۔ یہ ڈراما عوام میں اتنا مقبول ہوا کہ نو مہینے کی مختصر مدت میں اسے ساٹھ سے زاید بار اسٹیج کیا گیا۔

آغا حشر کے ذخیرے میں اس ڈرامے کے دو مسودے دستیاب ہوئے۔ پہلے مسودے میں 109 صفحات ہیں۔ ہر صفحے پر صفحہ نمبر لکھا ہوا ہے۔ لیکن نہ تو کاتب کا نام درج ہے اور نہ تحریر کی کوئی تاریخ۔ البتہ سنسر کے دستخط کے نیچے 2جون 1927ء کی تاریخ تحریر ہے۔ سرورق پر اس کا مکمل نام 'مرید شک عرف جنگل کی شاہزادی' لکھا ہوا ہے۔ دوسرے مسودے میں کل 104 صفحات ہیں۔ اس کے بھی ہر صفحے پر صفحہ نمبر موجود ہے۔ تحریر صاف ہے اور آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے۔ اس مسودے کے کاتب منظور احمد مہدوی عظیم آبادی (پٹنہ) ہیں، جنھوں نے

آغا حشر کے کئی اور ڈرامے بھی تحریر کیے ہیں۔ اختتام کتابت کی تاریخ 13رفروری 1926ء ہے اور مقام بھاگل پور لکھا ہوا ہے۔ اس مسودے کے آخر میں ڈرامے میں کردار ادا کرنے والے ایکٹروں کی ایک فہرست بھی اس تفصیل کے ساتھ شامل ہے کہ کس نے کون سا کردار ادا کیا ہے۔ اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ڈرامے میں خواتین کے کردار بھی مرد ہی ادا کیا کرتے تھے۔ مشمولہ ڈراما اسی نسخے کے مطابق ہے۔ لیکن جہاں تحریر سمجھ میں نہیں آئی یا کوئی شبہ پیدا ہوا وہاں دوسرے مسودے سے بھی مدد لی گئی ہے۔

کردار

1۔	سکندر جاہ	بادشاہ
2۔	ہمایوں	مہمان بادشاہ
3۔	وزیر	
4۔	طوفان	مصاحب
5۔	کوشش	مصاحب
6۔	اجاڑ سنگھ	جیل کے پہرے دار
7۔	پہاڑ سنگھ	
8۔	شیر خاں	جیل کا داروغہ
9۔	مرزا غفور	فتنہ کا ایک عاشق
10۔	ظہور/شیدا	فتنہ کا دوسرا عاشق
11۔	پربھو	ایک دیہاتی
12۔	فیروز	شہزادہ
13۔	بخشو	مجسٹریٹ کا ملازم
14۔	راما	پربھو کا بیٹا

15۔	عرض بیگی	
16۔	سفیر اصفہان	
17۔	خورشید	سکندر جاہ کا بیٹا
18۔	حسن آرا	بادشاہ بیگم
19۔	حسنیٰ	بیگم کی کنیزیں
20۔	حمیدہ بانو	
21۔	فتنہ	شیر خاں کی بیوی
22۔	پربھو کی پتنی	
23۔	گلنار	سکندر جاہ کی بیٹی
24۔	نازنین	مجسٹریٹ کی بیوی

نوٹ: ۔ اس ڈرامے میں ہدایات مرتبین کا اضافہ ہیں۔

باب پہلا —— تمہیدی سین

محل

طوفان : انتقامی جوش پیدا ہو در و دیوار سے
انتقامی ابر اٹھے دامنِ کہسار سے
انتقامی خون کی بارش ہو برگ و بار سے
انتقامی بجلیاں کوندیں مری تلوار سے
انتقامی قہر ٹوٹے خنجرِ خوں بار سے

حسن آرا، حسن آرا، او سفید ڈائنی حسن آرا، او زہریلی ناگن حسن آرا، تو نے میری عزت کو، میرے تاج کو ٹھوکروں سے مل ڈالا۔ پیروں سے مسل ڈالا۔ ورنہ آج میری قسمت کا ستارا آفتاب کی طرح چمکتا نظر آتا۔ اس ذلیل ماتحتی کے بدلے ایک وزیر اعظم بن جاتا۔ جس طرح تو نے مجھے ذلیل کیا ہے، اسی طرح میں بھی تجھے بادشاہ کی نظروں سے گرا دوں گا۔ تیری ہستی کو دنیا سے مٹا دوں گا

مکر سے میرے عزازیل کو بھی سکتہ ہے
کون مطلب کو بھلا میرے پہنچ سکتا ہے

باب پہلا — سین دوسرا

باغ

سکندر جاہ : پیارے دوست، میرے عزیز ترین مہمان، مجھے تعجب ہے کہ میری اتنی ضد پر بھی آپ اپنے انکار پر قائم ہیں۔

ہمایوں : میرے دوست، میرے معزز میزبان، میں آپ کی مہربانی اور میزبانی کا شکرگزار ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ دس مہینے کا زمانہ گذر گیا۔ اس لیے اب میں وطن جانے کے لیے لاچار ہوں ؎

کیا خبر کرتے ہیں کیا خدمت گزار سلطنت
فرض ہے میرا کہ دیکھوں کاروبار سلطنت

سکندر جاہ : تو میری ضد نہ رکھیے گا۔

ہمایوں : لاچار ہوں۔

سکندر جاہ : کچھ دن اور نہ قیام کیجیے گا۔

ہمایوں : معافی کا خواستگار ہوں۔

سکندر جاہ : بیگم، بھائی صاحب نے میری بات تو رد کر دی۔ اب تم سمجھاؤ، اپنے روٹھے ہوے مہمان کو مناؤ۔

حسن آرا : بھائی صاحب۔ آپ ہزار انکار کریں لیکن آپ کو ابھی کچھ دن یہاں ٹھہرنا ہوگا۔

گانا

اے دیکھی الفت ساری آپ کی
جانی چاہت ساری آپ کی

اچھے عذر یہ بنائے
خوب رنگ آپ لائے
کام سناؤ تو نام بتاؤ تو
سنی سنی باتیں ساری
رہنے دیجیے گھاتیں ساری
رت ہٹ لاؤ، اجی مان جاؤ
آؤ، آؤ، آؤ، خوشیاں مناؤ
اے دیکھی الفت ساری آپ کی

ہمایوں : بھابی جان۔ مجھے معاف کیجیے۔

حسن آرا : یہ کبھی نہ ہوگا۔ میری عزت افزائی کے لیے آپ کو میری بات ماننی ہی ہوگی۔

ہمایوں : خیر نہ جاؤں گا۔ آپ کی ناخوشی مجھے گوارا نہیں ہے۔ اس لیے منظور کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

طوفان : (سائڈ میں) خوب شہنشاہ سے تو حجت و تکرار اور بیگم کی دو ہی باتوں سے ناچار۔ یا پروردگار۔

حسن آرا : لیجیے مبارک۔ مبارک۔ میری دو ہی باتوں میں یہ بند ہوگئے۔ خوشی سے رضامند ہو گئے۔

ایک کی اب دوسرے کو لو خوشی منظور ہے
مجھ کو ان کی اور انھیں خاطر مری منظور ہے

سکندر جاہ : ہائیں کیا کہا خاطر؟ کس کی خاطر؟ میری خاطر؟

طوفان : نہیں حضور ملکہ کی خاطر۔

سکندرہ جاہ : (سائڈ میں) اے سمجھ مدد کر۔ اے عقل تیزی دکھا۔

طوفان : (سائڈ میں) وہ مارا۔ اب حسد کی آگ بھڑکی۔

ہمایوں : کیوں بھائی صاحب۔ اب تو آپ کا خوش ہوا مزاج۔ لیجیے آپ ہی کا کہنا ہوا آج۔

سکندرہ جاہ : ۔
واقعی احساں کیا میرے دل پُرغم کے ساتھ
آج سے کچھ اور الفت بڑھ گئی بیگم کے ساتھ
آج کے دن کی خوشی اِس دل سے جانے کی نہیں
دم میں پیدا بھی ہوئی نکلے گی بھی اب دم کے ساتھ

حقیقت میں میری بیگم نے اس سے زیادہ کسی اچھے موقعے پر اپنی زبان نہ کھولی ہوگی۔ ہاں صرف ایک مرتبہ۔

حسن آرا : میرے پیارے وہ کب؟

سکندر جاہ : ۔ روز شادی ہاتھ میں جب ہاتھ میرے ڈال کر
تم یہ بولیں تھیں مرے سرتاج لو دیکھو ادھر
آج سے دونوں میں شرط دوست داری ہو گئی
تم ہمارے ہو گئے اور میں تمھاری ہو گئی

حسن آرا : تو میرے پیارے مجھے ان باتوں سے دو دفائدے حاصل ہوئے۔ ایک مرتبہ تو میں نے اس مبارک بات سے آپ کو اپنی عزت و آبرو کا نگہبان بنایا اور دوسری مرتبہ اس اچھی بات سے (ہمایوں کی طرف اشارہ کر کے) — آپ کو — مہمان بنایا۔

سکندرجاہ : (سائڈ میں) مہمان بنایا کہ او پُر فریب عورت۔ اپنی ایماندار طبیعت کو بے ایمان بنایا۔ خیر (حسن آرا کی جانب دیکھ کر) — جاؤ— میرے پیارے دوست کو باغ کی سیر کراؤ ۔
جس طرح کرتی ہو تم خاطر مری آٹھوں پہر
آپ کی خاطر میں بھی یوں ہی نہ کرنا در گذر
جو مرے شاہی محل میں بیش قیمت ہوں گہر
کوڑیوں کے مول تم اس کو لٹانا آپ پر
پھول جو باغ جہاں میں سب سے خوشبودار ہوں
ان سبھوں کی ڈالیاں ان کے لیے تیار ہوں

حسن آرا : بہت خوب۔ میں عشرت باغ میں چل کر ٹھہرتی ہوں اور آپ کا انتظار کرتی ہوں۔

(ہمایوں اور حسن آرا جاتے ہیں)

سکندر جاہ : (سائڈ میں) جاؤ۔ او بدکار و جاؤ۔ تم اس وسیع آسمان کی چھت کے نیچے جہاں رہوگے۔ تمھیں نیکی پسند خدا کا غضب ڈھونڈھ نکالے گا۔ میری تلوار کا سایہ پالے گا۔ ناپاک عورت کس مزے سے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہی ہے — آؤ بیٹا خورشید — بھلا تو کس کا بیٹا ہے؟

خورشید : ابا جان آپ کا۔

سکندر جاہ : میرا؟ اور ابھی جو تیری ماں کے ساتھ گئے ہیں۔ یہ کون ہیں؟

خورشید : یہ تو چچا جان ہیں۔

سکندر جاہ : تف ہے او جہنم کی پری تف ہے۔ زوف ہے او گناہوں سے بھری ہوئی عورت زوف ہے —— ہاں بیٹا تو کس کی شکل کا ہے؟

خورشید : ابا جان آپ کی۔

سکندر جاہ : کچھ نہیں۔ دھوکا۔ محل کی تمام عورتیں کہتی ہیں کہ ہم اور تو اس قدر ہم صورت ہیں۔ جیسے ایک آسمان کے دو آفتاب یا ایک صدف کے دو گوہر خوش آب۔

کوشش : (سائڈ میں)۔ یا جیسے ایک مرغی کے دو انڈے۔

سکندر جاہ : مگر نہیں۔ عورتوں کی بات بے کار ہے۔ ان کا کیا اعتبار ہے ؎

ہوا و آب کو جس طرح سے قرار نہیں
یوں ہی سخن بھی کبھی ان کا پائیدار نہیں

خورشید : اباجان چلیے نا۔ ہم بھی باغ کی سیر کریں۔

سکندر جاہ : جا لڑکے کھیل — تیری ماں کھل کھیلی ہے، تو بھی کھیل۔ اور میں بھی یہاں ایک کھیل کھیلتا ہوں۔ مگر میرا کھیل وہ خوفناک کھیل ہے جس میں دو مٹی کی مورتیں پھر سے مٹی میں ملائی جائیں گی۔ اپنے اعمالوں کی سزا

پائیں گی۔ میرا کھیل وہ کینہ کھیل ہے جو زندگی میں مجھے مجنوں بنادے گا۔ اور مرنے کے بعد دنیا کی نگاہوں میں ملعون بنادے گا۔ اس گھر کے دو چور دروازے ہیں۔ جس سے دو دشمن داخل ہوئے ہیں۔ ایک وہاں اور ایک یہاں۔ وہاں تیری ماں کی عصمت کا دشمن ہمایوں ہے اور یہاں میری جان کا دشمن شک ہے۔

کوشش : (سائڈ میں) خیر باشد یہ کیا جھک ہے۔

طوفان : کیوں حضور کیا ملال ہے۔

سکندر جاہ : زمانے کی بے وفائی کا خیال ہے۔

طوفان : یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی (سائڈ میں) اب چڑیا فریب کے جال میں آئی۔

سکندر جاہ : طوفان تو اس وقت کیا بک رہا تھا۔

طوفان : کون — میں؟ کس وقت؟

سکندر جاہ : ہاں ہاں تو۔ دیکھ طوفان تجھے لازم ہے کہ اپنی خیر خواہی کا ثبوت بہم پہنچائے۔نہ کہ راز دلی چھپا کر مجھے اور غم میں پھنسائے۔

طوفان : ہاں حضور عورت ذات پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔

سکندر جاہ : سچ ہے نا۔

طوفان : ان کا طور اور قرینہ۔

سکندر جاہ : کینہ کینہ۔ جس سے جل رہا ہے سینہ۔

طوفان : تو کیا حضور کا دل بدلہ لینے پر آمادہ ہے؟

سکندر جاہ : یہی ارادہ ہے۔

طوفان : تو کیوں کر؟

سکندر جاہ : میرے خیال میں یہ کام بس تجھ ہی سے ہوگا۔

طوفان : (سائڈ میں) ا رَ رَ رَ رَ یہ تو بری ہوئی۔ یہ تو میرے ہی سر آفت پڑی۔ اب میں ایک نیا حیلہ بناتا ہوں۔ بدمعاش کوشش کو اس جھنجھٹ میں پھنساتا ہوں۔

طوفان : (سائڈ میں) اچھا بچہ۔ سب سن رہے ہیں تمھارے چچا۔
سکندر جاہ : کیوں طوفان کیا رائے ہے؟
طوفان : حضور میں تو خدا کی طرف سے کچھ ایسا بودا پیدا ہوا ہوں کہ مجھ سے تو پورا ہاتھ بھی نہ چھوٹے گا۔ گھبراہٹ میں سارا بھانڈا پھوٹے گا۔
کوشش : (سائڈ میں)۔ جی ہاں اسی ڈر سے تو یہ نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔
سکندر جاہ : پھر کون اس کام کے قابل ہے؟
طوفان : بس کوشش سے مراد حاصل ہے۔
کوشش : (سائڈ میں) دیکھیے کم بخت مجھے بھی لیے مرتا ہے۔
سکندرجاہ : ٹھیک ہے تم جا کے کوشش کو میرے پاس روانہ کردو (جاتا ہے)
کوشش : (سائڈ میں)۔ بچہ طوفان۔ اب اپنا بھی جہنم میں ٹھکانہ کرو۔

(ہمایوں کا آنا)

ہمایوں : کوشش۔آج ہمارے دوست کے چہرے پر کچھ ایسی پریشانی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ملک ہاتھ سے جاتا رہا۔
کوشش : جی ہاں ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم۔
ہمایوں : نہیں۔ تو جانتا ہے اور پھر چھپاتا ہے۔ کوشش اگر تو اس راز کو جانتا ہے تو سینے کے صندوق میں بند نہ رکھ۔ بلکہ دل کی قید سے اسے رہائی دے۔تا کہ اس کے رہا ہونے سے مجھے آسائش ملے اور تجھے بھی انعام حسب خواہش ملے۔
کوشش : اچھا تو سنیے کہتا ہوں۔ لیکن یہ بات آپ نے اگر یہاں زبان سے نکالی تو سمجھ رکھیے گا حضور عالی کہ ہمیشہ آپ کا دل پچھتائے گا۔ اور مفت میں غلام بھی مارا جائے گا۔
ہمایوں : اچھے کوشش بیان تو کرو وہ مضمون۔
کوشش : خون جناب خون۔

ہمایوں : خون۔ کس کا؟
کوشش : آپ کا۔
ہمایوں : میرا۔ کون چاہتا ہے؟
کوشش : جہاں پناہ۔
ہمایوں : ایں! جہاں پناہ!! کیوں؟
کوشش : جہاں پناہ فرماتے ہیں —— نہیں نہیں —— بلکہ وہ اس بات کی قسم کھاتے ہیں کہ آپ نے ....
ہمایوں : کس بات کی؟
کوشش : کہ آپ نے بادشاہ بیگم کی عصمت..........
ہمایوں : اف یہ بیماری ہے۔ جس کا نام شک ہے۔ شک۔ شرم شرم او آسمان و زمین کے دیکھنے والے قادر مطلق اور دونوں جہان کے ظاہر و باطن پر نظر رکھنے والے خالقِ قیوم۔ اگر واقعی میرے کشتِ دل میں ایسی ناپاک ہوس بازیوں کا بیج بویا گیا ہے۔تو مجھے تیرے قدرتی آسمان اور زمین پر کبھی پھولنا پھلنا نصیب نہ ہو۔ کوشش اگر چہ میں بادشاہ ہوں اور تو ایک حبشی غلام ہے۔ میں گورا اور تو سیاہ فام ہے۔ مگر خدا کے آگے تیرا بلند پایہ ہے۔ یہ تیری کالی صورت نہیں بلکہ خدا کے آفتاب رحمت کی نورانی نورانی کرنوں کا سایہ ہے۔
کوشش : خیر آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔ میں نے تو یہی دل میں ٹھہرایا ہے۔
ہمایوں : بے شک بے شک کوشش اب تو میرا رہبر باوفا ہو۔ میری ڈوبتی ہوئی کشتی کا ناخدا ہو۔ نیکیوں سے بھری ہوئی خیر خواہی تیرے آب و گل میں ہے اور آج سے ہمیشہ کے لیے تیری جگہ میرے دل میں ہے۔
کوشش : بہتر ہے۔بندہ بھی آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہے۔ ایسے وہمی بادشاہ کی نوکری سے انکار ہے۔

باب پہلا — سین تیسرا

محل سکندر جاہ

سکندر جاہ : کیا سچ ہے تو نے کوشش کو بھی اس کے ساتھ دیکھا۔

طوفان : جی جہاں پناہ۔

سکندر جاہ : تو نے کہاں تک ان لوگوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔

طوفان : حضور قلعے کے مغربی برج سے میری تیز نظر جہاں تک ان کا تعاقب کر سکی۔

سکندر جاہ : کیا وہ بہت تیز بھاگے ہوئے جا رہے تھے۔

طوفان : اعلیٰ حضرت۔ آندھی کے پرزور جھونکے اور سمندر کی طوفانی موجیں بھی اپنی رفتار میں اتنی جلدی پیدا نہیں کر سکتیں۔

سکندر جاہ :او میرے دل کے خیال تو ثبوت کی مضبوط رسیوں سے اور زیادہ جکڑ جا۔ میرے جگر میں شک کے کھٹکنے والے کانٹے تو میرے حسرت بھرے سینے میں فولادی میخ کی طرح گڑ جا۔ اور میری انتقام کی تلوار تو اپنے چمکتے ہوئے جوہروں کو رحم کے زنگ سے بچالے۔ او بے حیاؤں کی موت کے فرشتے تو اپنے مدت سے کند کیے ہوئے قدرتی خنجر کو تیز بنالے۔

لگ اٹھے دشمن کے جسم زار سے
آگ وہ برسے مری تلوار سے

(حسنیٰ کے ساتھ حسن آرا کا داخلہ)

حسن آرا : خدایا۔ خدایا۔ یہ کیسا قہر ہے۔ کس استین کے سانپ کا اگلا ہوا زہر ہے۔
طوفان : (سائڈ میں) کیوں گھبراتی ہو۔ یہ زہر تمھارا بھی جگر چاک کرے گا۔
دونوں کا قصہ پاک کرے گا۔
حسن آرا : میرے پیارے والی۔ کدھر ہے مزاج عالی۔
سکندر جاہ : مزاج؟ مزاج اسی طرف ہے جدھر تمھارا دل ہے۔
حسن آر : ہمارا دل۔ یہ آپ اس وقت کہاں ہوش کھو آئے ہیں۔
سکندر جاہ : ہوش؟ وہیں جہاں تم اپنی عصمت کا موتی کھو آئی ہو۔
حسن آرا : عصمت کا موتی؟الٰہی میں جاگتی ہوں یا سوتی۔ (سکندر جاہ کی طرف بڑھتے ہوئے)۔یہ کیا سن رہی ہوں میرے پیارے جہاں پناہ۔
سکندر جاہ: بس وہیں۔ اب زیادہ چال او بے باک نہ کر۔ اپنا ناپاک سر لگا کر میری نیک راہ چلنے والے قدموں کو ناپاک نہ کر۔
حسن آرا :ہائے ۔

دوڑ کر صاحب جو میں نے پاؤں پر سر رکھ دیا
آپ کہتے ہیں کہاں پھوٹا مقدر رکھ دیا

سکندر جاہ :

شیشۂ دل جس سے چکنا چور ہو او سنگ دل
تو نے سینے پر مرے وہ غم کا پتھر رکھ دیا

حسن آرا : میرے پیارے سرتاج۔ ہائے یہ کیا ہے آج ۔
یا کرم تھا اس قدر یا ظلم رانی اس قدر
مہربانی اس قدر نامہربانی اس قدر

سکندر جاہ : چپ او پرفریب عورت چپ۔ آج وہی ہے جس کا کل تک تم دونوں کو خطر نہ تھا۔ میرا تو کیا خدا کا بھی تم کو ڈر نہ تھا۔
حسن آرا : دونوں۔ کون دونوں؟
سکندر جاہ :او بے شرم۔مجھے بھی بے شرم بنانا چاہتی ہے۔ اپنے آشنا کا نجس نام میری زبان پر لانا چاہتی ہے۔

حسن آرا : اف آشنا؟ خدا یا یہ کس قیامت کا سامنا۔

(خورشید کا داخلہ)

خورشید : میری امی جان۔
سکندر جاہ : حسنی۔ خورشید کو اس سے ہٹالے۔ کہیں الگ لے جا کر بہلالے۔ سن او بے وفا عورت۔ بس آج تک وہ میرا مہمان تھا۔مگر ایک وقت آئے گا جب کہ وہ جہنم کے فرشتوں کا مہمان بنایاجائے گا۔ تیرے ارمانوں کے نکلنے کا سامان بنایا جائے گا۔
حسن آرا : اف ۔

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس دم گھبرا گیا

یہ فرمایئے۔ یہ معزز ہمایوں پر گمان ہے۔ انھیں کے لیے مجھ پر بہتان ہے۔
سکندر جاہ : معزز ہمایوں۔ بے ادب یہ ادب؟ تجھ پر خدا کا غضب۔

گانا

دھیر دھرو۔ دھیر دھرو........................

سکندر جاہ : بس خاموش۔ طوفان اس شاہی مجرم کو اس کی سزا کو پہنچا۔ سلطانی قید خانے میں بھجوا۔
سب : ہیں۔
سکندر جاہ : خبردار۔ اگر کوئی اس کی سفارش میں ایک حرف بھی زباں پر لائے گا۔ تو قتل کردیا جائے گا۔
سب : افسوس۔
حسن آرا : میرے غم خوارو۔ جب میں رنج نہیں کرتی تو تم بھی رنج نہ کرو۔ تمھیں

تعجب ہوگا کہ دنیا کی اور عورتوں کی طرح میں کیوں نہیں روتی۔ مگر افسوس تمھیں نہیں معلوم کہ میرے دل اور جگر میں اس رسوائی کی آگ سے ایسی چنگاریاں اٹھ رہی ہیں۔ جنھوں نے میری آنکھ کے تمام آنسوؤں کو جلادیا۔ میری زندگی کے چراغ کو بجھادیا ؎

زندگی پائی تھی میں نے غم میں کھونے کے لیے
دل تڑپنے کے لیے تھا آنکھ رونے کے لیے

بھائی۔ تم اپنے شہنشاہ کا حکم بجالاؤ۔ دیر نہ لگاؤ۔

خورشید : افسوس امی جان۔ یہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ جو ہاتھ آپ کو قید میں پھنسائیں۔ خدا کرے وہ سڑ جائیں ؎

اللہ کرے کوڑھ سے وہ ہاتھ پھوٹ جائیں
تم کو کرے جو قید وہ شانوں سے ٹوٹ جائیں

وزیر : جہاں پناہ۔ میں جرأت کرکے کہتا ہوں کہ آپ کا یہ انصاف خلق میں ظلم کہا جائے گا۔ جو تھوڑے دنوں میں تین عزیز جانوں کو خاک میں ملائے گا۔ آپ کو۔ ملکہ کو اور اس معصوم بچے کو۔ اگر ملکہ بدکار ہے تو میں کہتا ہوں کہ تمام زمانہ بدکار ہے۔

سکندر جاہ : میرے بھولے وزیر۔ اگرچہ مجھے اس کا ثبوت بہم پہنچ چکا ہے پھر بھی تمھاری خاطر سے اتنی اجازت دیتا ہوں کہ تم اس معاملے کی اصلیت اس شہر کے پیر روشن ضمیر سے پوچھ کر آؤ۔ جو وہ کہیں مجھے بتاؤ۔ ان سے بڑھ کر دنیا میں کون راز گفتار ہے۔ آج ان کے قول پر مجھے اور تمام شہر کو اعتبار ہے۔ جاؤ لے جاؤ۔

خورشید : میری امی جان۔

سکندر جاہ : بس دور ہو بے باک۔ خس کم جہاں پاک۔

(سکندر جاہ کا خنجر لے کر حسن آرا پر دوڑنا۔ وزیر کا روکنا)

حسن آرا : (گانا)

نینوا کیسے ظلمی سے لاگے
لاکھ کہی موری ایک نہ مانی
کار لے کروں سکھی بھاگ نہ جاگے۔ نینوا......
سجن نے موری پریت بساری۔ بنتی کرت ہاری۔ آئے دن
موری اے دئی کیسے بھاگے۔ نینوا......

باب پہلا ـــــ سین چوتھا

جیل خانہ

گانا

کوئی مجھے بوٹی پلاکے.......................

اجاڑ سنگھ : آؤ تو ہری ہر۔ جل من سیتل ۔

راون کو گھونٹ گھانٹ لوٹا میں جھونک دوں
گانجے کا دم لگائے لنکا کو پھونک دوں

پہاڑ سنگھ : آؤ تو لگے تیرا داؤ۔ پکڑی بیچ کے بھنگ پلاؤ ۔

سوٹا چلے چرک چرک چوں چوں چوں چوں چٹک
کونڈی بولے بکر بکر بکر بکر بکرم بکرم کٹک
نشہ چڑھے تو گھر گھومے اور چھپر آوے لٹک
پینے والا ہو متوالا۔ بوٹی ڈالے پٹک

کاہو بھیا اجاڑ سنگھ۔

اجاڑ سنگھ : کا ہو بھیا پہاڑ سنگھ۔

پہاڑ سنگھ : بھنگ بھی کا چیج آہے۔جوں ایک للیا چڑھاو کہ اندر کا اکھاڑا نجر آوا ۔

بھنگ کے پینے سے دنیا ہے ہری آنکھن ماں
ناچتی پھرتی ہے اک سبز پری آنکھن ماں

اجاڑ سنگھ : ارے ای کا کرت ہے۔

پہاڑ سنگھ : مور ماتھا کھجات ہے۔
اجاڑ سنگھ : ارے ای تور ماتھا ہے۔
پہاڑسنگھ : تو مور ماتھا کہاں گیو۔ ار ر رے چلو چلو داروگا آجے تو سسُر کا ناتی گل مچھیئے............

(ٹیون کا بجنا اور اندر سے حمیدہ کا آنا)

حمیدہ : آہ یہی وہ جگہ ہے جس کے باہر غم، مایوسی اور عبرت برستی ہے۔ اور جس کی تاریک دیواروں کے اندر ایک قابل نفرت کوٹھری میں غریب ملکہ آزادی کی سانس لینے کے لیے ترستی ہے ؎

امیر و گدا ہیں یہاں کیسے کیسے
پھنسے اس میں پیر و جواں کیسے کیسے
گئے جان سے ناتواں کیسے کیسے
ہوئے تاجور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

پہاڑ سنگھ : (گانا)

بوٹی پلا کے بسالے گیو کوئی مجھے

حمیدہ : اجی میاں جوان تسلیمات۔
پہاڑسنگھ : بی صاحب تسلامات۔
حمیدہ : تسلامات۔ یہ کیا کہتے ہو۔
پہاڑ سنگھ : ارے کہت کا ہئی۔ تو تسلیمات کہیو۔ تو مو تسلامات کہیوں۔ جُلم کا بھیو۔ جیسے مہرارو کے نر مرد ہوت ہیں۔ ویسے تسلیمات کا نر تسلامات ہوت ہے۔
حمیدہ : توبہ توبہ۔ پورا اکھڑ جاہل ہے۔
پہاڑ سنگھ : ہے ہے بی بی صاحب۔ جاہل نہیں۔ ہاں رنگریجی تو ناہیں جانت ہوں۔
حمیدہ : کیا کہا نہیں جانتے ہو؟

پہاڑ سنگھ : رنگریجی۔ رنگریجی...... پرنت پھاسی جانتا ہوں۔

حمیدہ : کیا پھانسی جانتے ہو؟

پہاڑ سنگھ : نہیں ہو۔ پھارسی جانت ہوں۔

حمیدہ : ہاں۔ فارسی بھی جانتے ہو۔

پہاڑ سنگھ : ہاں۔ گل گل گلستاں پڑھیوں۔بلبل بوستاں پڑھیوں۔ سکندر دارا کا چاٹ کیوں۔ سب کا گھول گھول بھانگ کے ساتھ گھونٹ گھانٹ کیوں............ ارے کوئی بوٹی۔

حمیدہ : واہ تم تو بہت کچھ پڑھ گئے ہو۔

پہاڑ سنگھ : تسلامات۔ کریما سنائی کریما۔

حمیدہ : واہ کیا کریما بھی پڑھے ہو۔

پہاڑ سنگھ : ہاں سنو آپ۔ کریم بکس بھیا کے گھر حال ما۔

حمیدہ : کیا کہا؟

پہاڑ سنگھ : کریم بکس بھیا کے گھر حال ما۔ جو پیسہ نہیں ہے تو ہے کھاتمہ۔

حمیدہ : واہ شیخ سعدی کی روح لاحول بھیجتی ہوگی۔

پہاڑ سنگھ : ندارم مہاراج تو پھر یاد رکھہ۔ پیوں بھنگ گانجہ چرٹ اور چرس۔

حمیدہ : واہ۔ واہ۔

پہاڑ سنگھ : تسلامات۔ تسلامات۔

حمیدہ : موا بالکل گنوار کا لٹھ ہے۔ جناب میرا ایک کام ہے۔

پہاڑ سنگھ : ای کا کہت ہو۔ ہم کا گریادت ہو۔

حمیدہ : ہیں جناب بھی کیا کوئی گالی ہے۔

پہاڑ سنگھ : اور کا ہے۔سنیں۔ جناب ماتین اکسر ہے۔ بولو ہاں۔ پہلا جا بولو ہاں۔

حمیدہ : ہاں۔

پہاڑ سنگھ : دوسرا نا۔ بولو ہاں۔

حمیدہ : ہاں۔

پہاڑ سنگھ : تیسرا با بولو ہاں۔

حمیدہ : ہاں۔
پہاڑ سنگھ : جا سے جاہل۔ نا سے نالائق۔ با سے باکوف۔
حمیدہ : باکوف کیا؟
پہاڑ سنگھ : بے وقوف کا بیٹا۔
حمیدہ : سمجھ گئی۔ اچھا جاو اپنے داروغہ کو بلا لاو۔
پہاڑ سنگھ : کون داروگا۔ میاں فتح دھڑیم۔
حمیدہ : ارے فتح دھڑیم نہیں فتح کریم۔
پہاڑ سنگھ : ارے دھڑیم کریم سب ایک ہے۔
حمیدہ : اچھا تو ان کو بھیج دو۔
پہاڑ سنگھ : چنگابی صاحب۔ موجات ہو۔ اور داروگولہ صاحب کو پٹھات ہوں..........تور دروگولہ ہیں آگوا۔ سَسُر گگڑ جیسے موڑی ہلاوت آوت ہے۔ لیو رام رام اب ہم جات ہیں۔

(پہاڑ سنگھ جاتا ہے۔ داروغہ آتا ہے)

حمیدہ : آیئے داروغہ صاحب۔ کہیے مزاج شریف۔
شیر خاں : شکر ہے خدا کا۔ آپ کا مزاج عالی۔میرا مزاج آج کل ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔
حمیدہ : دعا کرتی ہوں۔ جناب والا کیا آپ مہربانی فرماکر مجھے ملکہ عالم سے ملنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔
شیر خاں : حمیدہ بانو۔ معاف فرمایئے گا۔ میں اس امر میں شاہی حکم سے بالکل مجبور ہوں۔
حمیدہ : بدقسمتی۔ خیر اگر میں حسنی سے دو دو باتیں کرنا چاہوں۔
شیرخاں : ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ آپ فرمائیں تو میں جاؤں اور اسے بلا لاؤں۔
حمیدہ : نوازش۔

شیر خاں : مگر ایک عرض ہے۔

حمیدہ : وہ کیا ؟

شیر خاں : ضابطہ کے مطابق مجھے آپ دونوں کی گفتگو سننا فرض ہے.....قانون اور ضابطہ دونوں ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے..........

حمیدہ : بہ چشم—

یہ وہ ملکہ ہے جس کے قدم کسی غرورمند بادشاہ کے یہاں جاتے تھے تو وہ اپنی سر بلندی پر ناز کرتا تھا۔ پر یہ تو ذلیل مٹی اور بے آبرو پانی سے بنا جیل خانہ ہے۔ یہ تو فخر سے پھولا نہ سماتا ہوگا۔ اپنے دماغ کو آسمان پر پاتا ہوگا۔

(حسنیٰ کا آنا)

آہ ہا۔ حسنی تم آئیں۔ کیوں ملکہ عالم کیسی ہیں۔

حسنیٰ : ؎

نہ پوچھو زندگی اس قید میں کیسی گزرتی ہے
بہت اچھی ہے بدقسمت نہ جیتی ہے نہ مرتی ہے

حمیدہ : افسوس۔

حسنیٰ : میری حمیدہ خاتون۔ میں آپ کو ایک خوش خبری سناتی ہوں۔

حمیدہ : وہ کیا؟

حسنی : کل رات کو اس تاریک قید خانہ میں ایک نیا آفتاب طلوع ہوا۔

حمیدہ : پیاری حسنی۔ کیا بیٹا پیدا ہوا ہے۔

حسنیٰ : نہیں وہ حسن کی آفتاب بیٹی ہے۔

حمیدہ : شکر ہے۔ خدا نے ملکہ کی تنہائی پر رحم کھا کر ایک ننھا فرشتہ تسلی دینے کے لیے ان کے پاس بھیج دیا۔

حسنیٰ : بے شک۔

حمیدہ : اچھی حسنیٰ۔ تم میری طرف سے جاؤ اور آداب کے بعد ملکہ کی خدمت میں عرض کرو کہ اس معصوم کو تھوڑی دیر کے لیے مجھے عطا فرمائیں۔ میں اسے لے کر وہمی، شکی، سنگ دل سلطان کے پاس جاؤں گی۔ اور دلیل سے واقعات سے، خوشامد سے، ادب سے سمجھاؤں گی۔ خدا اور قیامت کا ڈر دلاؤں گی۔

جس دل میں ہیں جفائیں اس دل میں رحم بھر دے
وہ چاہے تو عجب کیا پتھر کو موم کر دے

حسنیٰ : میری حمیدہ بانو۔ خدا آپ کے ارادے میں برکت اور کامیابی دے۔ میں ملکہ عالم کی خدمت میں آپ کے منھ سے نکلے ہوئے الفاظ پورے جوش اور فصاحت کے ساتھ دہراتی ہوں۔ اور انھیں سمجھا کر معصوم بچی کو لے آتی ہوں۔

(حسنیٰ کا جانا)

حمیدہ : (گانا)

اس درجہ ظلم و جبر سے بیداد بڑھ گئی.................

باب پہلا ـــــ سین پانچواں

(کامک)

محل

فتنہ : (گاتا)

کیسے قاتل ہیں خنجر ابرو..................

(فتنہ کا جانا۔ شیر خاں کا آنا)

شیر خاں : مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔ہم کون۔ شیر خاں۔سوا سیر خاں کے بھتیجے۔ مارت کو پیچھے اور بھاگتوں کے آگے۔جس روز سے میں نے قید خانے کے داروغہ کا کام اپنے سر لیا ہے۔ اس دن سے قیدیوں پر رعب جمانے کے لیے پورا جرنیلی ٹھاٹ کر لیا ہے۔ چنانچہ دیکھیے وردی بھی بنا لی۔ ڈاڑھی اور مونچھ بھی چڑھالی۔ بس اب کس سے ڈرتا ہوں۔ بات بات پر فوجی آڈر جاری کرتا ہوں۔ مگر کسی نے اگر میرا حکم ٹالا تو جیب سے پستول نکالا۔ کسی نے شیخی دکھائی اور میں نے لپک کر چپت جمائی۔ اگر میری کور دبتی ہے تو کم بخت بیوی سے میں ایک بھی کہنے نہیں پاتا ہوں کہ چار سنا جاتی ہے...... فتنہ فتنہ اوہی فتنہ۔ مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے......

فتنہ : کیا ہے۔ کیوں شور کرتے ہو اتنا؟

شیر خاں : ہم باہر جاتے ہیں۔ اندر سے دروازہ بند کرلو۔

فتنہ : اچھا۔

شیر خاں : مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔

فتنہ : مگر میاں رستم زمانہ۔ ذرا جلدی گھر آنا۔ کسی ہوتی سوتی کے یہاں نہ پہنچ جانا۔

شیر خاں : کیا تم مجھے حکم دیتی ہو؟

فتنہ : ہاں میں حکم دیتی ہوں۔

شیر خاں : دیکھو بی فتنہ میں بہت خراب آدمی ہوں۔ مجھے مزاج نہ دکھانا۔ پہلے تو میں عورت کو معاف کر دیتا ہوں۔ اگر دوسری دفعہ مزاج کی لی تو جوتوں سے خبر لیتا ہوں اور ایک دم گولی مار دیتا ہوں۔

فتنہ : ارے واہ رے تمھارے جوتے۔ میاں یہ تم اچھلتے ہو کس کے بوتے۔ خبردار۔ زیادہ تین پانچ کروگے۔ تو ابھی طلاق لے کر روٹی کپڑے کا دعویٰ ٹھونک دوں گی۔

شیر خاں : طلاق۔ چل چل گھر میں۔بیٹھ۔ ناپاک۔ ورنہ ایک ہی گولی میں کردوں گا قصہ پاک۔ مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔

(شیر خاں کا جانا۔ مرزا کا آواز دینا)

مرزا : فتنہ۔ اے بی فتنہ۔

فتنہ : کون ہو جی۔

مرزا : اجی۔ جی ہیں۔ بندہ تو تمھاری جان ہے۔

فتنہ : معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دونوں میں سے کوئی شیطان ہے۔ یہ خدائی خوار تو جھاڑ کا کانٹا بن کر پیچھے پڑ گئے ہیں۔ نگوڑے پنڈ ہی نہیں چھوڑتے۔ خیر گھر میں بلاتی ہوں اور بن پڑا تو آج ہی اچھی طرح الو بناتی ہوں۔ کون غفور خان۔ آج اتنی دیر کیوں ہوئی مہربان۔

مرزا : اجی دیر ویر کو آگ لگاؤ۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمھارا شوہر الو کا پٹھا کہاں گیا ہے۔

(پلنگ پر مرزا اور فتنہ کا بیٹھنا)

فتنہ : (سائڈ میں) میرا شوہر الّو کا پٹھا اور یہ کابل کا گدھا۔

مرزا : بولو جی۔

فتنہ : میرا شوہر تو چڑی مار ٹولے میں بلیاں خریدنے گیا ہے۔

مرزا : ہیں۔ بلیاں کیوں خریدنا چاہتا ہے۔ کہیں اسے خبر تو نہیں ہو گئی ہے کہ میرے گھر میں بھی چینائی چوہا آتا ہے۔

فتنہ : اجی نہیں۔ یہ نہیں۔ اسے تو کتا بلی پالنے کا جنون ہے۔

مرزا : تو چلو پھر یکساں مضمون ہے۔ وہ بلی پالے اور تم............

فتنہ : بلا۔

مرزا : وہ کتا پالے اور تم............

فتنہ : کتے کا پلا۔

مرزا : مگر دیکھو ذرا سنبھالنا۔ میاں کی بلیاں دیکھ کر کہیں تم بھی دو چار بلے نہ پالنا۔

فتنہ : اجی جاو جی۔ آپ بھی مجھے بدکار جانتے ہیں۔

مرزا : اجی توبہ کرو۔ ہم تو تم کو نیک بختوں کی سردار جانتے ہیں۔(سائڈ میں) کیسی بھولی عورت ہے۔ ٹھہر جا اگر میں تیرا تمام زیور گہنا نہ بیچ کھاوں تب ہی کہنا۔

فتنہ : (سائڈ میں) کیسا بھولا آدمی ہے۔ ٹھہر جا اگر میں تیرا جوتا ٹوپی نہ بکوا دوں تو اپنا نام بدلوا دوں۔

مرزا : پیاری جب تک تمھیں دیکھ نہیں لیتا ہوں تب تک نہ ہنسنا اچھا معلوم ہوتا ہے نہ رونا۔

فتنہ : اور پیارے میں بھی جب تک تمھیں دیکھ نہیں لیتی نہ جاگنا اچھا معلوم ہوتا ہے نہ سونا۔

مرزا : (سائڈ میں) بالکل الّو کی پٹھی ہے۔

فتنہ : (سائڈ میں) بالکل الو کا پٹھا ہے۔
مرزا : پیاری جب ہم تم پر صدقہ اور تم ہم پرواری۔ تو جو کچھ گہنا زیور ہے اسے بغل میں دباؤ۔ اور میرے ساتھ چلتی پھرتی نظر آؤ۔
فتنہ : سنو۔
مرزا : کیوں میرا کہنا پسند آیا۔
فتنہ : ہاں بات تو پسند ہے مگر ایک امر سے اندیشہ مند ہے۔
مرزا : وہ کیا؟
فتنہ : یہ کہ اگر میں اس زنانہ لباس سے تمھارے ساتھ جاؤں گی تو ضرور رستہ میں دھر لی جاؤں گی۔ اس لیے اپنا جوتا ٹوپی پیرہن وغیرہ مجھے دے جاؤ۔
مرزا : (سائڈ میں) لو سنو۔ چور کے گھر مور۔
فتنہ : جیسے ہی موقعہ پاؤں گی۔ مردانہ ٹھاٹ بنا کر تمھارے پاس پہنچ جاؤں گی۔
مرزا : (سائڈ میں) واہ کیا اچھی تدبیر بتاتی ہے۔ میں اس کا زیور اڑانا چاہتا ہوں اور یہ میرا ہی جوتا ٹوپی ہضم کرنا چاہتی ہے......

(شیدا کا اندر سے آواز دینا۔ مرزا کا ڈرنا)

شیدا : اجی دروازہ کھولو۔
فتنہ : کون ہو جی؟ نام تو بولو۔
شیدا : اجی میں ہوں ظہور۔
مرزا : ہیں۔ میاں غفور تو تھے ہی۔ یہ میاں ظہور کہاں سے آگئے۔ کیوں جی یہ کون ہے رذالہ۔
فتنہ : اجی میاں کہیں چھپ جاؤ۔ یہ تو ہے میرا پرانا چاہنے والا۔
مرزا : چاہنے والا۔ میں اس کا سر توڑ دوں گا۔
فتنہ : تو وہ تمھارا منہ توڑے دے گا۔
مرزا : ارے میں ذات کا شیخ ہوں۔

فتنہ : اجی تم شیخ ہو تو وہ پٹھان ہے۔
مرزا : لاحول ولا۔ پھر تو مصیبت کا سامان ہے۔
فتنہ : آؤ اس پلنگ کے نیچے چھپ جاو۔

(فتنہ کا اندر سے شیدا کو لانا۔ شیدا اور فتنہ کا پلنگ پر بیٹھ جانا)

شیدا : پیاری یہ کس سے باتیں ہو رہی تھیں تمھاری۔
فتنہ : کسی سے نہیں۔
شیدا : سچ کہو۔ یہاں کوئی اور تو نہیں آیا۔
فتنہ : کوئی نہیں۔ صرف دو آدمی آتے ہیں۔ ایک میرا شوہر، دوسرے خود آپ۔
مرزا : (سائڈ میں) اور تیسرے تمھارے باپ۔
شیدا : اچھا یہ تو کہو کہ کل تمھارے شوہر کے ساتھ کیسی رہی؟
فتنہ : وہی تھکا فضیحتی۔ لڑائی بھڑائی۔ شادی بیاہ کیا ہوئی قسمت اُجڑ گئی۔ میں تو نکاح کر کے مصیبت میں پڑ گئی۔
شیدا : ؎

یہی ہے حال تو کیوں حالت خطر میں رہو
دھتا بتاو اسے چل کے میرے گھر میں رہو

فتنہ : مگر یہ بات تو شادی ہوئے بغیر دشوار ہے۔
شیدا : تو بندہ شادی کرنے کو تیار ہے۔ صرف تمھارے شوہر کی طلاق درکار ہے۔
مرزا : (سائڈ میں) اور ہم تو کسی شمار ہی میں نہیں۔
فتنہ : دیکھو پھر تم نے قول ہارا۔
شیدا : ایک بار نہیں۔ ہزار بار دل آرا۔ اچھا ایک بوسہ تو لاؤ۔
مرزا : ارے یہ کیا کرتا ہے بھائی؟
شیدا : ہیں یہ آواز کہاں سے آئی؟
فتنہ : ارے غفور یہ کیا کرتا ہے؟

مرزا : تو یہ کم بخت بوسہ کیوں لیے مرتا ہے؟
شیدا : بولو جی۔
فتنہ : اجی میاں یہ تو کوئی پڑوس میں باتیں کرتا ہے۔
شیدا : اچھا تو لاؤ۔
مرزا : پھر نہیں مانتا الو کا پٹھا۔
فتنہ : ارے غفور پھر وہی ٹھٹھا۔
دونوں : (گانا)

بوسہ دے دے رے موہنیا ......

فتنہ : پہلے میری فرمائش تو پوری کرو۔
شیدا : کون سی؟
فتنہ : میاں تم نے کہا تھا کہ اب کی آؤں گا تو تمھارے لیے زری کی ساڑی لاؤں گا۔
شیدا : ہاں کہا تو تھا۔
فتنہ : تو پھر وہ ساڑی کب آئے گی نگوڑ ماری۔
شیدا : کیا کہوں پیاری۔ آج کل ذرا میرے روپے پھنسے ہوئے ہیں۔ روپیہ ہاتھ میں آیا اور میں ساڑی چولی بنا کر لایا۔
فتنہ : تو روپیہ کب ملے گا؟
شیدا : گھبراؤ نہیں غفور دے گا۔
مرزا : (سائڈ میں) یہ دیکھیے مزے اڑائیں میاں ظہور۔ اور چولی ساڑی دیویں بیٹا غفور۔
فتنہ : اچھا جو سونے کی چوڑیوں کا وعدہ کیا تھا وہ بھی نہیں آئیں۔
شیدا : کہا نہ پیاری کہ روپیہ کی دیر ہے ساری۔
فتنہ : آخر کہو نہ روپیہ کب ملے گا؟
شیدا : گھبراؤ نہیں غفور دے گا۔
مرزا : (سائڈ میں) پھر وہی غفور دے گا۔ ابے غفور پر تیرے باپ کا قرض

ہے۔ مزا تو اڑائے تو مجھے دینا کیا فرض ہے۔

فتنہ : اچھا جی۔ یہ چیزیں جب لاؤ گے تب لاؤ گے۔ مگر جس کنگن کا وعدہ کیا تھا وہ کب پہناؤ گے۔

شیدا : روپیہ آئے گا تو وہ بھی بن جائے گا۔

فتنہ : توبہ توبہ۔ ہر بات میں روپیہ۔ صاف صاف کہو روپیہ کب ملے گا؟

شیدا : گھبراؤ نہیں۔ غفور دے گا۔

مرزا : (سائڈ میں) عجب طرح کا دیوانہ ہے۔ ابے غفور کہاں سے دے گا۔ اس کے پاس تیرے باپ کا خزانہ ہے۔

فتنہ : تو ساڑی بھی غفور دے گا۔

شیدا : ہاں۔

فتنہ : کنگن بھی غفور دے گا۔

شیدا : ہاں۔

(فتنہ کا چارپائی سے اٹھ جانا اور مرزا کا شیدا پر چارپائی الٹ دینا)

مرزا : ابے ہاں ہاں کے بچے۔ سب غفور ہی دے گا یا کچھ ظہور بھی دے گا۔

شیدا : ارے کون مرزا؟

مرزا : ارے کون شیدا؟

شیدا : تو یہاں کیوں آیا؟

مرزا : تو یہاں کیوں آیا؟

شیدا : میں تو ایک مقدمے کے لیے یہاں آیا تھا۔

مرزا : تو میں بھی تیرے پاس رپورٹ پہنچانے آیا تھا۔

شیدا : کیوں بے شامت آئی ہے تیری۔

مرزا : ابے لڑتا کیوں ہے۔ بانٹ لے۔ آدھی تیری آدھی میری۔

(شیرخاں کا آواز دینا)

شیرخاں : فتنہ۔
شیدا : یہ کس نے صدا دی؟
فتنہ : ہائے ہائے آفت بربادی۔ اب کیا کروں۔
مرزا : میرے ساتھ شادی۔
شیدا : چپ بے۔
فتنہ : ارے شادی کیسی۔ بربادی کا سامان اب ہوا۔
شیدا : کہو تو سہی۔ کیا غضب ہوا۔ آخر یہ کون آگیا۔
فتنہ : میرا میاں۔ میرا میاں۔
شیدا : ابے ہم تو کھڑکی کود کر بھاگتے ہیں۔

(شیدا کا کھڑکی کود کر بھاگ جانا۔ کھڑکی کا بند ہونا۔ مرزا کا گھبرانا)

مرزا : بی فتنہ۔ پٹھان تو بھاگا۔ اب اس شیخ کو چھپاؤ۔
فتنہ : لو یہ ساڑی اوڑھ کر بیٹھ جاؤ۔
مرزا : ارے کیا غفور کے بدلے غفورن بناتی ہو۔
فتنہ : چلو جی۔ فضول نہ کرو دیری۔
مرزا : خیر بیٹھتا ہوں۔ مگر عورت بنا کے اپنے میاں سے شادی نہ کر دینا میری۔

(شیرخاں کا آنا)

شیر خاں : کیوں بی فتنہ۔ دروازہ کھولنے میں اتنی دیر؟ کیا سو رہی تھیں۔
فتنہ : اے میاں۔ ذرا بی پڑوسن سے باتیں ہو رہی تھیں۔
شیرخاں : پڑوسن کہ پڑوسی۔ دیکھو بی فتنہ میرے سامنے چاہے جس کو بلایا کرو۔ مگر میرے بعد پڑوسن وڑوسن کو گھر میں نہ بلایا کرو۔

فتنہ : اوئی تو کیا آپ مجھ کو بدچلن جانتے ہیں۔
شیرخاں : تمھاری نیک بختی میں کوئی کلام ہے۔ مگر محلے والے کہتے ہیں کہ یہاں ایک شخص آتا ہے جس کا نام غفور ہے۔
مرزا : (سائڈ میں) باپ رے آئی کم بختی۔
فتنہ : کیا نام بتایا۔
شیرخاں : غفور۔
فتنہ : غفور تو روز آتا ہے۔ اور آج بھی آیا ہے۔
مرزا : (سائڈ میں) ارے یہ میرا کیوں ذکر کرتی ہے۔ کیا جوتے کھلانے کی فکر کرتی ہے۔
شیرخاں : آج بھی آیا ہے۔ کس کی مرضی سے۔
فتنہ : ہماری۔
مرزا : (سائڈ میں) بیٹا غفور۔ اب شامت آئی تمھاری۔
شیرخاں : چڑیل یاروں کو بلاتی ہے۔ اور اوپر سے اپنی مرضی جتاتی ہے۔ سچ سچ بول خام پارہ۔ ورنہ ایک ہی گولی میں کردوں گا پارہ پارہ۔
فتنہ : ارے میاں ہوش میں آؤ۔ میں نے تو فقط تمھیں بنایا۔ غفور نام کا تو میرے گھر میں کتا بھی نہیں آیا۔
مرزا : (سائڈ میں) کتا تو نہیں۔ مگر یہ دو پاؤں کا بلا بیٹھا ہوا ہے۔
فتنہ : میاں تم مجھے غفور کے لیے تو اتنا غصہ دکھاتے ہو۔ مگر میں نے سنا ہے کہ تم بھی کسی غفورن سفورن کے گھر جاتے ہو۔
شیرخاں : کم بختی۔ اس کو کیسے خبر ہوگئی...... غفورن کے گھر اور میں؟
فتنہ : تو پھر آزماؤں گی۔
شیرخاں : آزمانا۔
فتنہ : ثابت کر دکھاؤں گی۔
شیرخاں : ثابت کر دکھانا۔
فتنہ : اچھا تو یہ بات بھول نہ جانا۔

شیرخاں : ہرگز نہیں۔ مگر یہ کون؟

فتنہ : وہی بی پڑوسن۔ جس سے ابھی باتیں ہو رہی تھیں۔

شیرخاں : پڑوسن۔ (سائڈ میں) استاد شیرخاں۔ عورت تو بڑی مزے دار معلوم ہوتی ہے۔ مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔ خدا نے گھر بیٹھے شکار بھیجا ہے۔ اب اپنا مطلب نکالنا چاہیے۔ مگر پہلے اس چڑیل کو یہاں سے ٹالنا چاہیے...... (فتنہ کو مخاطب کر کے) فتنہ۔

فتنہ : کیا ہے؟

شیرخاں : جاؤ کھانا نکالو۔

فتنہ : کھانا نکلا رکھا ہے۔ جا کر کھا لو۔

شیرخاں : اچھا پانی رکھ دو۔

فتنہ : پانی بھی موجود ہے۔

مرزا : (سائڈ میں) بی فتنہ تم جانا نہیں۔ تم گئیں اور یہاں معاملہ غتربود ہے۔

شیرخاں : پھر کھڑی ہے وہیں۔ اری جاتی ہے کہ نہیں۔

فتنہ : جاؤں کیسے؟ آخر بی پڑوسن جو اکیلی رہ جائیں گی۔ آؤ بی پڑوسن تم بھی آؤ۔

(فتنہ کا جانا)

شیرخاں : پڑوسن کو کہاں لیے جاتی ہو...... بیٹھو جی وہ ابھی آتی ہے۔

مرزا : اونہہ ہوں۔

شیرخاں : اجی بولتی نہیں تو ذرا گھونگھٹ تو کھولو۔

مرزا : دیکھو میں اپنے میاں سے کہہ دوں گی۔

شیرخاں : اجی تمھارا میاں تو گیا مر۔ اب تم ہو اور میرا گھر۔

مرزا : اجی واہ جی۔ تم نے تو خوب پیٹ سے پاؤں باہر نکالا۔

شیرخاں : ظالم تو نے مجھے گھائل کر ڈالا۔

مرزا : ابی چھوڑو جی۔ ورنہ میرے ہاتھ کو آجائے گا جھٹکا۔
شیرخاں : ارے واہ رے تیرا لٹکا۔ پیاری ذرا پھر تو کر مٹکا۔

(گانا)

اس مرغی نے میرے دل کا ......
شیر خاں : ہیں۔ تو کون بے شعور؟

(فتنہ کا آنا)

فتنہ : وہی غفورن کا بھائی غفور۔ کیوں میاں فیلسوف۔ کیسے بنے بے وقوف۔ روز مجھے جھٹلایا۔ مگر آج میں نے ثابت ہی کر دکھایا۔
شیرخاں : ثابت کیا کر دکھایا۔
فتنہ : یہی کہ تمھارا عورتوں کے پاس جانا۔ اور میں پوچھوں تو باتوں میں اڑانا۔ آج ایک پڑوسن میرے پاس آئی اور باتوں باتوں میں تمھاری داستان کہہ سنائی اور بولی کہ اگر تمھیں میری بات کا یقین نہ آئے تو میرے بھائی کو عورت بنا کر بٹھا دو۔ اور پھر اپنے میاں کو اکیلا چھوڑ کر چلی جاؤ۔ اگر وہ اس پر ہاتھ ڈالے تو میری بات سچ جاننا۔ ورنہ مجھے جھوٹا ماننا۔
شیرخاں : تو گویا تم نے مجھے بنایا میری جان۔
مرزا : اچھا میں جاتا ہوں۔ خدا نگہبان۔
شیرخاں : ابے جاتا کہاں ہے شیطان۔ ناسزائی یہ تیری وجہ سے ہوئی رسوائی۔ مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے ....

(مرزا کا بھاگنا۔ شیرخاں کا اس کے پیچھے جانا)

فتنہ : بس اس مردوے کے ساتھ میرا نباہ نہ ہوگا۔ اب مجسٹریٹ صاحب کی بیوی

کے پاس جاتی ہوں اور طلاق کی دھمکی دے کر اس کی خراب عادت چھڑاتی ہوں۔

(گانا)

میں تو چاہت سے باز آئی.......................

باب پہلا ——— سین چھٹا

خواب گاہ

(ایک شیرخوار بچہ حمیدہ کی گود میں)

گت کا بجنا

سکندر جاہ : ؎

دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپ غم سینہ جلا کے اٹھے
اُف رے گرمی تیری، او سوزِ دل زار کہ ہم
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

کون؟

(طوفان کا آنا)

طوفان : عمرِ شاہ دراز۔

سکندر جاہ : کیوں طوفان خورشید کیسا ہے؟ کل کے غش آنے سے تو اس کی طبیعت کا رنگ ہی بگڑ گیا۔ بالکل بیمار پڑ گیا۔

طوفان : جہاں پناہ۔ اگرچہ کل سے شہزادۂ عالم کی طبیعت کچھ ست ہے۔ مگر اس وقت بہ فضل خدا سے درست ہے ؎

کوئی دم میں حالت بدل جائے گی
سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائے گی

(سائڈ میں)

بچی جان گر آج، کل جائے گی

سکندر جاہ : ؎

افسوس کوئی مجھ سا رسوا نہ ہوا ہوگا
دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہوا ہوگا

طوفان : کل سے میرے دل کو وہ بے کلی ہے کہ ابھی تک پلک سے پلک نہیں لگی ہے۔ تو باہر ہی ٹھہر اور خبردار کسی کو آنے نہ دینا۔ مجھے سوتے سے جگانے نہ دینا۔

طوفان : (سائڈ میں) گھبراتے کیوں ہو۔ اب کس بات کا رونا ہے۔ تم ہو اور قبر کا کونا ہے۔ قیامت تک پھر سونا ہی سونا ہے ؎

اُس دن بھی نہ تو چھوڑ کے آرام کو جاگے
مردے تو اٹھیں صبح کو تو شام کو جاگے

(حمیدہ کا بچے کی گاڑی لے کر آنا)

حمیدہ : (گانا)

کس کو دکھلاؤں بے کسی اپنی
ایسی حالت کبھی نہ تھی اپنی

طوفان : کون؟ حمیدہ؟

حمیدہ : (گانا)

روتے روتے ہی اب تو کٹتی ہے
کبھی رکتی نہ تھی ہنسی اپنی

طوفان : کون حمیدہ؟ تم اور یہاں؟

حمیدہ : (گانا)

بدتر از گور میرا مسکن ہے
یہ بھی ہے کوئی زندگی اپنی

طوفان : یہاں کس غرض سے آئی ہو؟

حمیدہ : میں شاہ کے پاس کچھ عرض کرنے آئی ہوں۔ کسی بے گناہ کی فریاد لائی ہوں۔

طوفان : (سائڈ میں) لیجیے ایک نہ شد دو شد۔ میاں اور ہی پھیر پھار میں ہیں۔ اور بیوی کسی اور ہی شمار میں ہیں۔ (مخاطب کر کے) پیاری حمیدہ آج شہنشاہ نے جاگتے جاگتے ابھی ابھی آنکھ لگائی ہے۔ اور یہ تاکید فرمائی ہے کہ خبردار کوئی میری نیند میں خلل انداز نہ ہونے پائے۔ اب تمھیں کہو کوئی کیوں کر جگائے؟

حمیدہ : تم مجھے جانے دو۔ اگر وہ غضب ناک ہے تو اس معصوم کے بے گناہ ہونے سے میرا دل بھی بے باک ہے ۔

کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے

سانپ کو مار کے گنجینہ و زر لیتا ہے

طوفان : (سائڈ میں) افسوس کیا بنا بنایا کھیل بگڑا چاہتا ہے۔ (مخاطب کر کے) حمیدہ دیکھو اس وقت بادشاہ کو نہ جگاؤ۔ سوئے ہوئے فتنے کو نہ اٹھاؤ۔ آج جہاں پناہ کی حالت بری ہے۔ تمام رات جاگتے جاگتے گذری ہے۔

حمیدہ : تو میں ان کے لیے ایک میٹھی نیند لائی ہوں۔ ان کے بہرے کانوں میں صبر و تسلی کا جادو پھونکنے آئی ہوں۔ جو دم بھر میں ان کے غصے کی آگ کو بجھا دے گا۔ آرام کی میٹھی اور گہری نیند میں سلا دے گا۔

(سکندرجاہ کا جاگنا)

سکندرجاہ : طوفان کیسا غل ہے؟ کیا کوئی غیر ہے؟

حمیدہ : غل نہیں جہاں پناہی کا ذکر خیر ہے۔

سکندرجاہ : کون حمیدہ؟

حمیدہ : جی اعلیٰ حضرت۔

سکندرجاہ : طوفان اسے نکال دے۔ میں اب اپنے سامنے کسی عورت کو دیکھنا

نہیں چاہتا۔

طوفان : حضور میں نے شاہی حکم تو اس کو پہلے ہی کہہ سنایا۔ مگر اس کے خیال میں ذرا نہ آیا۔ خود بھی مورد عتاب ہوئی اور مجھے بھی غضب کا سزاوار بنایا۔

حمیدہ : ناعاقبت اندیش بادشاہ۔ میں ایک وفادار خادمہ ہونے کے حق سے آپ کو باتوں کا ایسا آئینہ دکھانے آئی ہوں جس میں آپ کو اپنے عیب و قصور پر نظر ہو جائے گی۔ ایک غریب عورت کی بے گناہی اور اپنے ظلم کی خبر ہوجائے گی۔

سکندر جاہ : بس او زبان دراز عورت بس ۔

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز
دیکھ کر جاتا رہا اس کو نظر کا امتیاز

حمیدہ : غصے میں بھرے ہوئے سلطان۔ میں نیک ملکہ ....

سکندر جاہ : چپ ملکہ اور نیک۔

حمیدہ : بے شک نیک۔ بلکہ لاکھوں میں ایک۔

جوہر کو جوہری اور صراف زر کو پرکھے
لیکن بشر وہی ہے جو کہ بشر کو پرکھے

سکندر جاہ : طوفان کیا تو اس ناکارہ کو نہیں نکالے گا۔

حمیدہ : جو میرے نکالنے کے لیے آنکھ اٹھائے گا۔ وہ پہلے اپنی زندگی سے ہاتھ اٹھائے گا۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ مگر جانے کے پہلے اپنے غم کے راگ کا اثر آپ کے کانوں کے پردے تک پہنچاؤں گی۔ ۔

اس طرح سے ٹال دینا ہے بہت مشکل مجھے
یا تو قائل ہوجیے یا کیجیے قائل مجھے

سکندر جاہ : نکل جاؤ۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔

حمیدہ : آپ کو ضرور سننا ہی پڑے گا۔ یہ آپ کے رگوں کے خون سے بنا ہوا پتلا ہے۔ جو کل رات کو ایک تاریک قیدخانے میں پیدا ہوا ہے۔ افسوس

یہ شکل، یہ نورانی چہرہ۔ ؎

ہمارے دل سے تعجب نہیں ہے جانے کا
پدر کو دھیان ہو اولاد کے ستانے کا
لہو سفید ہوا اس قدر زمانے کا

سکندر جاہ : یہ عورت کس قدر دیدہ دلیل ہے۔ عورت کی شکل میں تو کوئی چڑیل ہے۔ نکالو۔ نکالو۔ اسے یہاں سے ٹالو۔

حمیدہ : خبر دار۔ دیکھیے آپ اس وقت غصے سے بیخود ہو رہے ہیں۔ اور میں وفا داری کی دھن میں دیوانی ہو رہی ہوں۔ آپ قہر و غضب کی آگ سے پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں اور میں نفرت و شرم سے پانی پانی ہو رہی ہوں۔ یہاں تک کہ ہم اور آپ ایک حالت میں ہیں۔ مگر اب اس جگہ سے مجھ میں اور آپ میں فر ق ہے۔ یعنی آپ غیظ و غضب سے کام لیتے ہیں اور میں عاجزی اور نرمی سے کام لیتی ہوں۔ ؎

آپ ہیں غصہ دکھاتے شور اور نفرت کے ساتھ
اور میں ہوں خواستگار رحم سو منت کے ساتھ

سکندر جاہ : طوفان کیا تو اس عورت کا غلام ہو گیا ہے؟

طوفان : (سائڈ میں) لو نئی کہی۔ عورت کا غلام تو سارا جہاں ہو رہا ہے۔ یورپ کا چھوٹا بھائی ہندوستان ہو رہا ہے۔

سکندرجاہ : کیا تو اسے نکالتے ہوئے ڈرتا ہے؟

حمیدہ : ہا۔ کیا خوب ہوتا کہ جس طرح سے یہ مجھ سے ڈرتا ہے اسی طرح آپ بھی خدا کا ڈر رکھتے ہوتے۔

سکندرجاہ : بس معلوم ہوا کہ تم میاں بیوی دونوں ملے ہوئے بدکار ہو۔

طوفان : مہ مہ مہ میں۔ کبھی نہیں۔

حمیدہ : اور میں بھی نہیں۔ بدکار۔ بدکار تو جب ہو سکتی ہوں کہ ایک وراثت کے حق دار بچے کو غیر حق دار بناؤں۔ یا ایک وفادار کو بے وفائی کا داغ لگاؤں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس طرح میں ایک بے گناہ کو قصور مند نہیں

کہتی۔ اسی طرح ایک ظالم کو انصاف پسند نہیں کہتی۔

سکندر جاہ : پھینک دو۔ اسے جہنم کو پھونک دینے والی آگ میں پھینک دو۔ یہ میری اولاد کبھی نہیں ہے۔

حمیدہ : غصہ ور شہنشاہ۔ مجبور ہوں کہ میری زبان کی کمزوری آپ کو عاجز نہ بنا سکی۔ مگر دیکھیے قدرت کے مصور نے آپ کے چہرے سے اس کا نقشہ کچھ ایسا ملایا ہے کہ آپ کو بے حجت بنایا ہے ؎

ملا ہے اسے باپ کا سارا چہرہ
ہے ناک آنکھ کان آپ کا سارا چہرہ
پھر گئی ملکہ سے گو مانا محبت کی نظر
لیکن اس بچے پہ تو کیجیے عنایت کی نظر

سکندر جاہ : طوفان۔ تو اس عورت کی زبان بند کر دے۔

حمیدہ : جو میری زبان بند کرتا ہے وہ اپنے لیے جنت کے دروازے کو بند کرتا ہے۔

سکندر جاہ : بس چلی جا۔ ورنہ آگ میں جلادوں گا۔ خاک بنادوں گا۔

حمیدہ : اوہ اس کی مجھے کیا پرواہ ہے۔ سنگ دل سلطان شوق سے جلا دے۔ جو چاہے سزا دے۔ مگر یہ یاد رہے کہ روح کے ساتھ ایمان داری کی جان نہیں نکلتی۔ بھڑکتی ہوئی آگ میں سچے کی سچائی نہیں جلتی ؎

تاثیر آپ پر مرے غم نے ذری نہ کی
میں کیا کروں نصیب نے کچھ یاوری نہ کی

خیر میں تو جاتی ہوں۔ مگر اس نیکی کے فرشتے کو یہیں چھوڑے جاتی ہوں۔ جب آپ کا دل انجام پر نظر ڈالے گا۔ تو یہ نورانی چہرہ آپ کے دل میں اپنی جگہ بنالے گا۔ آپ کو گناہوں کے غار میں گرتے گرتے بچا لے گا۔

طوفان : اُہو ہو ہو۔ اس کی زبان کا گھوڑا عقل مندی کے میدان میں کس بے تکلفی سے دوڑتا ہوا جاتا ہے۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ کہیں گھبراہٹ میں ٹھوکر بھی نہیں کھاتا ہے۔ ہم دونوں کا میاں بیوی ہونا بھی ایک کرامات

ہے۔ گویا آگ پانی کا ساتھ ہے۔ ؎

جہاں میں نیک و بد کا ساتھ گھٹ کر ہو تو ایسا ہو
جو بیوی ہو تو ایسی ہو جو شوہر ہو تو ایسا ہو

سکندر جاہ : طوفان۔ معلوم ہوا۔ یہ سب تیرا ہی کرتوت ہے۔ حمیدہ جو یہاں آئی تھی وہ تیری ہی سکھائی پڑھائی تھی ؎

افسوس کہ تو بھی اسی بدکار کا نکلا
اپنا تجھے سمجھا تھا پر اغیار کا نکلا

طوفان : قبلہ عالم۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ غلام کو دشمنوں کا دوست بتاتے ہیں۔

سکندر جاہ : اگر تو حمیدہ کا شریک نہیں ہے تو اس ناپاک لڑکی کو کسی آگ کے تنور میں جھونک دے۔ یا لے جا کر اس کے پیٹ میں آب دار خنجر بھونک دے۔ یا تو اسے کسی سنسان جنگل میں چھوڑ آ۔ کہ اس نجس لقمہ کو کوئی درندہ جانور کھا جائے اپنی غذا بنا جائے۔ ؎

بس نہ کھو دینے میں اب دنیا سے اس کی دیر ہو
میں غذائے رنج ہوں تو یہ غذائے شیر ہو

(سکندر جاہ کا لڑکی کو اٹھا کر طوفان کو دینا۔ طوفان کا لڑکی کو لے کر جانا)

باب پہلا —— سین ناتواں

پہاڑ

(طوفان کا لڑکی کو لے کر آنا۔ بارش کا ہونا۔ بجلی کا چمکنا، دھن کا بجنا)

طوفان : اللہ اللہ۔ کیا آندھی پانی کا زور ہے۔ کیا گڑگڑاہٹ ہے۔ کیا شور ہے۔ آج جس کام کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ اس کے دیکھنے سے ستاروں کی آنکھیں بھی شرما رہی ہیں۔ ابر کے پردے میں چھپ چھپ کر آنسوؤں کے دریا بہا بہا رہی ہیں۔ ؎

ٹکڑے یہ آسماں پہ نہیں ہیں سحاب کے
جھنڈے لیے ہوئے ہیں فرشتے عذاب کے

لے سو۔ اے بد نصیب لڑکی یہاں سو۔ یہی ملک عدم کا ناکا ہے۔ اب تجھے موت کے شیر نے تاکا ہے ؎

آنکھوں میں خواب مرگ کے جھونکے اب آئیں گے
جھولا تجھے ہوا کے تھپیڑے جھلائیں گے

(طوفان کا لڑکی کو زمین پر رکھ دینا۔ سامنے سے شیر کا آنا)

طوفان : یا اللہ۔ کون جانور چلاّتا ہے۔ آہ شیر غراتا ہے۔ یہ لو وہ تو سامنے سے چلا آتا ہے۔ اے خدائے توانا .... بچانا........... بچانا...........

(شیر کا طوفان کو مار دینا)

ڈراپ سین

باب دوسرا ——— سین پہلا

پہاڑ۔ جنگل

(طوفانی بارش کا ہونا)

پربھو : اے بھگوان۔ ای تو پھان۔ اَس برکھا نت تو ہم کا سگری عمر ما ناہیں دیکھ پڑو۔ بپارے بپا۔ ای جھڑا جھڑی .... ہے رام اَس چوماسا۔ وا ما ای کون تماسا۔ ہاہاہا (لڑکی کو اٹھا کر) مور گوسیاں بھی کھیل دکھاوت ہے۔ پانی کے بدلے چھورا چھوری برساوت ہے۔ .... اور اتنا گہنا پاتا۔ ارے واہ رے بدھاتا۔

داتا جا کو دیت ہے واکو گھر بھر دیت
اورن کھیت اولا پڑت
پڑت کبھی مورے کھیت

اور ای کاگج پُرجا کیسا۔ موہے تو بانچو ناہیں آوت۔ گسیاں جانے ای لکیر لکیر کا دکھات ہے۔ جیو سانپ دولت جات ہے......... اری سُندریا کی مہتاری ...... سُندریا کی مہتاری.................

پتنی : بھاگ بھاگ سُندریا کے باپ باگھ آوت ہے باگھ۔

پربھو : ارے مت چلاّے لاگ۔

پتنی : ہائے رے تو پھان۔ تو پھان۔

پربھو : ارے توپھان کیسن رے۔ سب کا کھیت ماں توپھان ہے کہ ہیرپ تور کھیت ماں توپھان ہے جو برکھا کے تاے چچیات ہے۔

پتنی : پران گیو۔ بھگوان۔ وا کے پران گیو۔

پربھو : ارے پر رکھہ کر پران گیو۔

پتنی : تو پھان کے۔

پربھو : آہا ہاہا۔ برکھا جو تھم گیو تو کہت ہے کہ تو پھان کے پران گیو۔ دھوت۔ تو چھ بچپن کی مہتاری بھئی۔ مُدا اَکل نہ آئی۔ ارے تو پھان کا مٹئی رہا جاے کے پران گیو۔

پتنی : ہاں ہو۔

پربھو : ناہیں رے ناہیں۔ تو پھان تو برکھا کا کہت ہیں برکھا کا۔

پتنی : ناہیں ہو۔ برکھا نا ہیں۔

پربھو : تو۔

پتنی : مٹئی رہا مٹئی۔ جب وا کو باگ دباے لاگا تو وا چلاّئے لاگا کہ مور ناؤ امیر تو پھان آہے۔ جو موہے باگ کے منھ سے بچائی۔ وہ مکھ مانگا روپیہ پائی...... کاہو ناتھ ہمری تمری رکسمتیا پھوٹ گیو جو روپین کی تھیلی ملت ملت چھوٹ گیو۔

پربھو : ارے چھوٹ گیو تو چھوٹ جائے دے۔ یہ دیکھ۔ دیکھ۔

پتنی : ارررر۔ یہ چھوری کہاں سے پایو۔

پربھو : ای جنگل ماں جانے کوں ادھری یا کو چھانڈ کے بھاگ گیو۔ جو مور بھاگ جاگ گیو۔

پتنی : اور ای جیور رکھہ کا؟

پربھو : اِہ کا اور رکھہ کا۔ اب کون سی بات کی کمی ہے۔ یہ پُتری جیتی کچھی ہے۔ اب تھوڑا دن ما ای سگرا گاوں ہمرا ہوئی ہے۔ گھریا کے بدلے باساہی کمرہ ہوئی ہے۔

پتنی : ارے مو واری بلبھاری۔ جب تو بادساہ بنہو تو موں وَجیر بنیو۔

پربھو : اے مو وارا بلبھارا۔ اب تور سواے کون ہے۔ موا میر تو میر۔ مو بادساہ تو پھکیر۔

پنچی : مکھیر ؟

پربھو : ارے نا ہی رے ناہی۔ وجیر وجیر۔

(گانا)

ہرے کھیت میں پنچھی............................

باب دوسرا — سین دوسرا

محل

(سکندر جاہ کا معہ اپنے درباریوں کے آنا)

سکندر جاہ : جاؤ لے آؤ .... دیکھ او سیہ کار ادھر دیکھ تم نے اپنے گناہوں کی تاریکی سے اپنے چہرے کی چمک کھودی۔ تمام دنیا کی عورتوں کی آبرو بے عزتی کے پانی میں ڈبو دی۔

حسن آرا : الٰہی یہ بہتان۔ الامان۔ الامان۔ ۔

دنیا کے آج کل یہ کیا طور ہو رہے ہیں
کیا ظلم ہو رہے ہیں، کیا جور ہو رہے ہیں
کیا حشر ہوگا برپا کیا آئے گی قیامت
کیوں رنگ اس جہاں کے کچھ اور ہو رہے ہیں

سکندر جاہ : او سخن ساز۔ حیلہ باز۔ اس دس ہاتھ کی زبان پر جیتنے آئی ہے کہ کچھ جواب بھی لائی ہے۔ کیا تو نے ہمایوں کے ہاتھ عصمت سی بیش قیمت چیز کو نہیں بیچ ڈالا؟ کیا تو نے میرے قتل کے لیے خنجر جفا نہیں سنبھالا؟

حسن آرا : ان سب الزاموں کا الگ الگ جواب دینے کے بدلے صرف ایک لفظ بے گناہ کہہ دینا کافی ہے۔ تاہم میں کہتی ہوں کہ میں جیسی پہلے تھی ویسی ہی اب بھی ہوں۔ آپ کے غم میں میری طبیعت ضرور بدل گئی ہے مگر طینت نہیں بدلی۔ قیدستم میں صورت بدل گئی ہے۔ مگر سیرت نہیں بدلی۔

گو درد و رنج و غم سے حالت میں فرق آیا
لیکن نہ یہ کہ میری عصمت میں فرق آیا

سکندرجاہ : ضرور۔ اگر عورتوں کو ایسے چلتر یاد نہ ہوتے تو ان کی بھولی طبیعت والے شوہر برباد نہ ہوتے۔

حسن آرا : شکی مزاج سلطان۔ اگر یہی گمان ہے۔ تو میں مکرتی نہیں۔ بے شک میں نے ہمایوں کو چاہا تھا اور اب بھی چاہتی ہوں۔

سب درباری : ہیں؟

سکندرجاہ : کیا اب بھی چاہتی ہے؟

حسن آرا : ہاں اب بھی چاہتی ہوں۔ مگر کیسے جیسے بہن اپنے بھائی کو چاہتی ہے۔ ویسے۔

سب درباری : آہا آہا آہا آہا۔

سکندرجاہ : چپ ....

نامہ بر : شہنشاہ کی عمر دراز ہو۔ غلام حضور کے سوالوں کا جواب لایا ہے۔ لیجیے یہ پیر روشن ضمیر نے خط عطا فرمایا ہے۔

سکندرجاہ : لے اوبدکار تیرے نامہ اعمال کا نوشتہ آگیا۔ تجھے جہنم میں لے جانے والا عذاب کا فرشتہ آگیا۔ اے وزیر خوش تدبیر۔ پڑھو یہ تحریر۔

وزیر : حسن آرا بیگم عصمت دار اور باایمان ہے۔

سب درباری : مبارک، مبارک، آہا ہا ہا۔ انصاف اس کا نام ہے۔

سکندرجاہ : خاموش۔

وزیر : ہمایوں پاک باز انسان ہے۔ کوشش نیکوں کا بادشاہ ہے۔ سکندرجاہ ظالم اور گمراہ ہے۔ کھوئی ہوئی چیز اگر ہاتھ نہ آئے گی تو یہ سلطنت لاوارث ہو کر غیر مخص کے حصے میں جائے گی۔

سب درباری : انصاف۔ انصاف۔ یہ انصاف کہلاتا ہے۔

سکندرجاہ : خاموش بے ادب خاموش، کیوں یہ صحیح پڑھا ہے؟

وزیر : بے شک صحیح، حرف بہ حرف صحیح۔

سکندرجاہ : غلط سراپا غلط۔ جھوٹ محض جھوٹ۔ وہ دغاباز منجم بھی تم لوگوں سے ملا ہوا ہے۔ بالکل غلط لکھا ہوا ہے۔ آج سے مجھے ان فقیرو ں کا بھی عقیدہ جاتا رہا۔ معلوم ہوا کہ میں اب تک ان کی پارسائی پر دھوکا کھاتا رہا ہوں۔

حیف یہ بھی اب ہیں دیتے جان زر کے واسطے
نیک بھی کھونے لگے ایمان زر کے واسطے

(حُسنیٰ کا آنا)

حُسنیٰ : ہائے۔ ہائے۔ دہائی۔ دہائی۔ کیا قیامت آئی۔
سکندر جاہ : خیر تو ہے۔
حُسنیٰ : ـ

لٹ گئی سلطان کی فرماں روائی لٹ گئی
دس برس کی آج دم بھر میں کمائی لٹ گئی
موت کا جھونکا بہار باغ لے کر چل بسا

حسن آرا :

ہائے کیا خورشید مجھ کو داغ دے کر چل بسا

(حسن آرا کا بے ہوش ہونا)

سکندر جاہ : الٰہی یہ کیا قہر ٹوٹا۔ جو میرا خورشید مجھ سے چھوٹا۔

(حمیدہ کا آنا)

حمیدہ : او سکندر جاہ۔ گمراہ۔ یہ خورشید نہیں چھوٹا۔ بلکہ تجھ پر خدا کا غضب ٹوٹا۔ افسوس یہ سنانی۔ ملکہ کو بھی جان سے مار ڈالے گی۔ نامراد خورشید کی طرح اس کی بھی نعش نکالے گی۔
وزیر : حمیدہ خاتون۔ گھبراؤ نہیں۔ صرف ملکہ کو اس صدمے سے غشی سی آگئی ہے۔ بے ہوشی سی چھا گئی ہے۔ جاؤ محل میں لے جاؤ اور ملکہ عالم کو ہوش میں لے آؤ۔

(حمیدہ کا حسن آرا کو لے کر جانا)

سکندر جاہ : ؎

عدو جان کا ہائے غم ہوگیا
الٰہی یہ کیسا ستم ہوگیا

ایک گہر نایاب کو تو طوفان کے ہاتھوں کھو ہی چکا تھا۔ اس کے نام کو تو رو ہی چکا تھا کہ خورشید نے بھی اپنی بہن کی محبت میں میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھ آفت رسید باپ کی کمر کو توڑ دیا۔ ؎

دے رہا ہے دل یہ سینے میں صدائیں ٹوٹ کر
ہر طرف سے آپڑیں مجھ پر بلائیں ٹوٹ کر

(حمیدہ کا آنا)

حمیدہ : اے قادر یزداں، الامان، الامان۔ یہ کیا واقعہ جاں سوز ہے کہ آج ہی قیامت کا روز ہے۔

سکندر جاہ : خیر تو ہے حمیدہ۔ یہ کیا ہوا؟

حمیدہ : ؎

افسوس ہے وہ بیگم باشرم و پاک باز
عصمت کو بھی تھا ذات پہ جس کی ہزار ناز
سہہ سہہ کے رنج جان سے آخر گذر گئی
ہائے بھری جوانی میں ناشاد مر گئی

سکندر جاہ : مر گئی۔ افسوس۔

(سکندر جاہ کا بے ہوش ہو جانا)

۔گت کا بجنا۔

باب دوسرا ——— سین تیسرا

جنگل۔ جھونپڑی

(سائن بورڈ۔ ''سولہ برس بعد''۔ گلنار کا پھولوں کی ٹوکری ہاتھ میں لے کر آنا)

گلنار : (گانا)

پپّا۔ چنّا ....

الٰہی میری پیدائش کے متعلق کون سا راز ہے جسے ابا جان چھپاتے ہیں۔ پوچھنے پر بھی نہیں بتاتے ہیں۔ آج میں نے ذکر نکالا۔ تو انھوں نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹالا۔ ؎

کہتے کہتے مطلب تقریر آدھا رہ گیا
کھلتے کھلتے عقدۂ تدبیر آدھا رہ گیا

(فیروز کا شکار کھیلتے ہوئے آنا)

فیروز : ؎

یا رب کدھر ہرن وہ چھلاوہ سا چھل گیا
افسوس چوٹ کھا کے بھی ظالم نکل گیا

لاحول ولا۔ یہ تو پربھو سنگھ کا مکان ہے۔ ؎

میں بھی واللہ کدھر کا ہوں کدھر آنکلا
بدحواسی میں زمین دار کے گھر آنکلا

ہیں۔ یہ کون پری زاد ہے۔ اللہ اللہ کیا حسن خداداد ہے۔ ؎

پھولے شفق تو زرد ہو گالوں کے سامنے
پانی بھرے گھٹا تیرے بالوں کے سامنے

گلنار : ہائیں یہ کون۔ سبحان اللہ۔ کیا حُسن کی پاک تصویر ہے۔ کیا شکل پر تنویر ہے کس آسماں کا بدر منیر ہے۔ ؎

گر بناتے دیکھتی اس حسن کی تصویر کو
چوم لیتی میں تو دست کاتب تقدیر کو

فیروز : اللہ اللہ۔ اگر یہی حجاب ہے تو بات چیت کی طرف سے جواب ہے۔ نہ ان کی شرم جائے گی اور نہ گفتگو کی نوبت آئے گی۔ ؎

اب کوئی چلتا ہوا فقرہ بنانا چاہیے
خود ہی یہ بولے کچھ ایسا رنگ لانا چاہیے

لینا۔ دوڑنا۔ پکڑنا۔ جانے نہ دینا۔ ہائے ہائے نکل گیا۔

گلنار : کیوں اے نیک قماش تمھیں کس کی ہے تلاش۔

فیروز : ؎

کیا کہے وہ تلاش ہے کس کی
نہ سنے کوئی بھی فغاں جس کی
دل چرا کر نظر چرائی ہے
ہائے لٹ لٹ گئے، دہائی ہے

گلنار : لٹ گئے۔ کیا جس کی تلاش ہے وہ کوئی چور ہے۔

فیروز : جی چور نہیں وہ سینہ زور ہے۔

گلنار : تو کیا کسی نے زبردستی آپ کا مال چھینا ہے۔

فیروز : ہاں جناب کچھ ایسا ہی قرینہ ہے۔

گلنار : ماشاء اللہ یہ اٹھتی جوانی اور کمزوری کی نشانی ؎

اک ذرا بھی چور کے آگے نہ مارے ہاتھ پاؤں
کیا فقط یہ دیکھنے ہی کے ہیں سارے ہاتھ پاؤں

فیروز : اے جناب اگر ہاتھ پاؤں ہی کے سہارے چور پر قابو پایا ہوتا۔ تو اپنا مال کیوں گنوایا ہوتا۔ ؎

کچھ نہ بس اپنا چلا سو چال چل کر رہ گئے
لوٹ کر وہ چل دیے ہم ہاتھ مل کر رہ گئے

گلنار : بھلا آپ ان چوروں کو جانتے بھی ہیں۔

فیروز : جناب جانتا کیسا بلکہ پہچانتے بھی ہیں

پوچھے کوئی ہم سے تو ہم سب کا پتا دیں گے
ایک ایک کو چن چن کے لاکھوں میں بتادیں گے

گلنار : جب آپ ان چوروں کو جانتے بھی ہیں، پہچانتے بھی ہیں تو عدالت میں فریاد کیجیے۔ان کو برباد کیجیے۔

فیروز : صاحب اگر عدالت ہی سے کام نکلتا تو کیوں شہر چھوڑ کر غلام نکلتا۔ ؎

ہوا نہ کوئی عدالت میں داد رس میرا
اب آپ ہی کریں کچھ انفعال بس میرا

گلنا : اچھا تو یہ کہیے۔ ؎

زباں پہ آپ کے جن چوروں کا فسانہ ہے
کچھ ان کا نام بھی ہے کچھ پتہ ٹھکانہ ہے

فیروز : ہاں ہاں۔ پتہ نشان لیجیے۔ مگر یہ تو بیان کیجیے کہ میں اگر اپنے دعوے میں سچ نکلا تو وہ چور میرے حوالے کیے جائیں گے یا پھر بھی عدالت کے بُتے بالے دیے جائیں گے۔

گلنار : نہیں صاحب ہرگز نہیں۔

فیروز : اور جو ان چوروں کا درپردہ مددگار ہوگا۔

گلنار : وہ بھی آپ کا خطاوار ہوگا۔

فیروز : اچھا تو اے گلفام۔ سنیے ان چوروں کے نام۔ ناز۔ انداز ...... ذرا گنتے چلیے۔

گلنار : بہت خوب۔

فیروز : ناز۔ انداز۔ کرشمہ۔ عشوہ۔ شوخی۔ رُکھائی۔ کج ادائی۔ انہی سبھوں نے میری برسوں کی کمائی ہاتھ سے گنوائی۔ ؎

متاع نقد دل لوٹی گئی ہے
دہائی بادشاہ حسن کی ہے

گلنار : کیوں صاحب۔ یہ ناز۔ انداز۔ عشوہ۔ شوخی۔ اور خدا جانے کیا کیا خاک بلا دھول۔ یہ کن ملک کے چوروں کے نام ہیں۔

فیروز : جی یہ ملک حسن کے چور ہیں جو اس قدر سینہ زور ہیں ؎

چلاتے ہیں غریب زار پر چھپ چھپ کے تیروں کو
یہی سب دن دہاڑے لوٹتے ہیں راہ گیروں کو

گلنار : کیوں حضرت۔ یہ ملک حسن کس شہر کا نام ہے؟

فیروز : یہ۔ یہ۔ یہ۔ ہاں یہ ایک شہر فرخندہ بنیاد ہے۔ جو عشق کے سمندر کے کنارے پر آباد ہے۔

گلنار : بھلا وہاں کا بادشاہ کون نیک سیرت ہے؟

فیروز : ایک پری زاد عورت ہے۔ ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

گلنار : خیر۔ مگر وہ چور ہیں کہاں؟

فیروز : ہم آپ جہاں کھڑے ہیں۔

گلنار : یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر وہ چور یہاں ہیں تو رعب سے کام لیجیے۔ بڑھ کر ہاتھ تھام لیجیے۔

فیروز : تو میں قسمت آزماتا ہوں۔ لیجیے ہاتھ تھام کر بتاتا ہوں ؎

لو سن لو مجھ کو جفاؤں نے جس کی لوٹ لیا
تمھیں ہو وہ کہ اداوں نے جس کی لوٹ لیا

(فیروز اور گلنار دونوں کا گانا)

چھانڈو۔ چھانڈو۔ چھانڈو ....

گلنار : جناب کا نام؟

فیروز : ۔

فرزند شاہ وقت کا اے لالہ فام ہوں
شہزادہ گرچہ ہوں پہ تمھارا غلام ہوں

گلنار : اخاہ۔ تو حضور ہمارے شہزادہ بلند اقبال ہیں۔

فیروز : شہزادہ کیسے۔ اب تو تمھارے بندہ حسن و جمال ہیں۔

گلنار : خیر اگر آپ کو یہ کنیز بدتمیز اس قدر ہے عزیز۔ تو کسی موقعے پہ میرے والد پربھو سنگھ سے اپنی خواہش بیان فرمایئے۔ میری خوش قسمتی کا امتحان فرمایئے۔

فیروز : ہیں تمھارے والد کا نام پربھو سنگھ ہے جو میرا زمین دار ہے۔

گلنار : جی ہاں۔

فیروز : بہتر ہے میں ان سے مل کر تمھارے لیے سوال کروں گا۔

گلنار : مگر مہربانی کر کے اپنا اصلی نام و نشان چھپایئے گا۔ خود کو کوئی معمولی زمین دار بتایئے گا۔

فیروز : ایسا ہی کروں گا۔

(گلنار کا فیروز کو ہار پہنانا)

(گانا۔ دونوں)

حافظ خدا تمھارا ....

باب دوسرا ——— سین چوتھا

(کامک)

مجسٹریٹ کا محل

شیرخاں : مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔ ارے کوئی ہے۔ مرتا۔ جیتا۔ سوتا۔ جاگتا۔ ناچتا۔ اونگھتا۔ کوئی تو بولو۔

(بخشو کا آنا)

بخشو : یہ کون گھن چکر۔ بالکل نئے ٹائپ کا جانگلو نظر آتا ہے۔

شیرخاں : کیوں بے تو مجھے پہچانتا ہے؟

بخشو : حضور آپ کو تو پہچانتا ہوں۔ مگر آپ کی صورت نہیں پہچانتا ہوں۔

شیرخاں : خیر جا اپنے آقا کو بلالا۔

بخشو : حضور میں جاؤں تو آپ کا نام کیا بتاؤں؟

شیرخاں : ہمارا نام شیرخاں۔ سوا سیر خاں کے بھتیجے۔ بھاگتوں کے آگے اور مارتوں کے پیچھے۔

بخشو : تو جناب مجسٹریٹ صاحب تو بارہ برس سے پیشتر نہیں مل سکتے۔

شیرخاں : کیا بارہ برس۔ جتنے دنوں میں میں ایک درجن لڑکوں کا باپ بن سکتا ہوں۔

بخشو : جناب بارہ برس نہیں، بارہ بجے سے بیشتر۔ سمجھے۔ اگر ضرورت ہو تو یہاں

قیام فرمایئے۔ نہیں تو سیدھے کوتوالی چلے جایئے۔

شیرخاں : کوتوالی کو گولی مارو۔ جاؤ گھر میں ہوں گے بلا لاؤ۔

بخشو : کیوں؟

شیرخاں : ہیں کیوں کیا۔

بخشو : چلا چلا۔ کم بخت آدمی ہے یا کوئی بلا۔

شیرخاں : کم بخت بڑبڑاتا ہے۔ مردود۔ میں نے خبر پائی ہے کہ میری بیوی روز کی چاند ماری سے گھبرا کر اس مجسٹریٹ کے پاس فریاد لائی ہے۔ مگر میں بھی ایک سیانا ہوں۔ کہ دن سے یہاں آکر مورچہ بندی کرلی تو سہی کہ باغی فتنہ کے ساتھ اس غنیم کی بھی خبر لی۔

بخشو : کپتان صاحب۔

شیرخاں : ہیں یہ کیا۔ مجھے کوئی فوجی شخص جانتا ہے۔ کیوں بے مردود۔ پہلے تو تو نے مجھے بالکل نہ پہچانا۔ اب میری کپتانی کا حال کیوں کر جانا۔

بخشو : حضور آپ کی جھاڑو نما مونچھوں سے پہچانا۔

شیرخاں : جھاڑو نما۔ مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔

بخشو : معاف کیجیے۔ مجھے اس وقت جھگڑو بھنگی کی یاد آگئی۔ اس لیے ذرا زبان لڑکھڑا گئی۔

شیرخاں : اچھا۔ اچھا۔ آگے بول۔ چل۔

بخشو : جناب میں کوئی سواری کا ٹٹو تو ہوں نہیں۔ جو چلا چلوں۔ ٹھہر کر بولتا ہوں۔

شیرخاں : بولتا ہے۔ کب تک بولے گا۔ کہاں تک بولے گا۔ ابے بول۔ ابے بول۔

بخشو : واہ بے بول بول۔ حضور مجسٹریٹ صاحب کی بیوی فرماتی ہیں کہ آپ اتنا کیوں گھبراتے ہیں۔ تشریف رکھیے ابھی آتے ہیں۔

شیرخاں : تو کیا کچہری میں بیٹھے ہوئے جورو سے دودھ بخشواتے ہیں۔ اچھا مابدولت جاتے ہیں۔ مگر دیکھ بارہ بجے تیرا آقا آئے تو اس کو کہہ دینا کہ مجھ سے ملے بغیر کہیں نہ جائے۔ سمجھا۔ مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔

(بخشو اور شیرخاں کا جانا۔ فتنہ اور نازنین کا آنا)

نازنین : تو بہن تمھارے میاں جیل کے داروغہ ہیں۔

فتنہ : جی ہیں۔

نازنیں : ان کا نام ؟

فتنہ : شیرخاں ابن سواسیر خاں۔

نازنیں : تو تم اس کی مار کٹائی۔ ہاتھا پائی سے تنگ آکر اس سے طلاق لینا چاہتی ہو۔

فتنہ : تب اور کیا کروں۔ خدا ایسا جانگلو، عقل کا بیل شوہر کسی کو نہ دے۔ موا نکھٹو۔ خواہ مخواہ مجھے جلاتا ستاتا ہے۔ باہر کا غصہ گھر میں آن کر نکالتا ہے۔

نازنیں : لیکن عورت کا سہارا شوہر ہوتا ہے۔ تم شوہر سے الگ ہوکر کیسے گذر کرسکوگی۔

فتنہ : خوب گذر ہوجائے گی۔

نازنیں : تو کیا دوسرا شخص تم سے شادی کرنے کو تیار ہے۔

فتنہ : جی ہاں۔ ظہور خاں نامی ایک شخص سے شادی کا قول و قرار ہے۔ لیکن میں آپ کے شوہر کے پاس فریاد لے کر اس لیے آئی ہوں کہ ان کے ذریعے سے اپنے ظالم شوہر کو دھمکاؤں۔ طلاق کی دھمکی دے کر اس کی خراب عادت کو چھڑاؤں۔

(بخشو اور شیدا کا آنا)

بخشو : اجی حضور۔ اپنے ہاتھ پیر کا صدقہ سمجھ کر ایک ہی روپیہ تنخواہ بڑھا دیجیے۔ دیکھیے میں آپ کی چھٹی کے دن سے اس گھر میں ملازم ہوں۔

شیدا : بک مت۔ دن بھر میں ڈھائی سیر آٹا۔ ڈیڑھ سیر دال۔ تین پاؤ نمک اور دو گھڑے پانی کے ڈکار جاتا ہے۔ پھر بھی تنخواہ بڑھانا چاہتا ہے۔

فتنہ : یہ کون ظہور؟
شیدا : کون فتنہ؟
نازنیں : کیا کہا ظہور؟ تم نے ظہور کہہ کر کس کو پکارا؟
فتنہ : اجی یہی تو ہیں جنھوں نے شادی کا قول ہارا۔
شیدا : ہائے۔ ہائے۔ اس نے تو اکھاڑے میں پاؤں رکھتے ہی چاروں خانے چت مارا۔
بخشو : کیا ہوا جناب آلو بخارا۔ کیوں ہو گیا منھ سوکھ کر چھوہارا۔
نازنیں : اجی تم انھیں پہچانتی بھی ہو۔ اس شہر کے مجسٹریٹ اور میرے شوہر ہیں۔
فتنہ : ان کا نام؟
نازنیں : شیدا خاں۔
فتنہ : ان کا نام ظہور خاں ہے۔ کیوں دل جانی۔ پہچانتے ہو یہ نشانی۔
شیدا : ارے کیسی شادی اور کہاں کی نشانی۔ میں نے تو تیری صورت بھی نہیں دیکھی میری نانی۔
فتنہ : جھوٹے پر۔
شیدا : دنیا کی لعنت۔
بخشو : اور سچے پر حقہ کا پانی۔
شیدا : عورت آنکھ میں ممیرے کا سرمہ لگا۔ کیا کھوپڑی میں سے عقل نابود ہے۔ میں تجھے شادی کا قول کیسے دے سکتا ہوں۔ میری تو ہنستی کھیلتی جاپانی گڑیا جیسی بیوی موجود ہے۔
فتنہ : کیا یہ تمھاری بیوی ہیں؟
بخشو : نہیں تو کیا ان کی منجھلی بہن ہیں۔
شیدا : تمھیں یقین آتا ہے۔ پیاری۔ کہ میں نے اس عورت سے شادی کی بات ہاری۔
نازنیں : بس منھ نہ کھلواؤ۔ میں سمجھ گئی تمھاری عیاری۔
شیدا : ہائے ہائے۔ میں نے عشق کے اسپتال میں جا کر کیوں خریدی محبت کی

بیماری۔ بخشو اب میں کیا کروں۔

بخشو : کیجیے گا کیا۔ میں پاؤں سے جوتا اتارے دیتا ہوں۔ کونے میں بیٹھ کر ادھوڑی استر سے منھ پیٹیے۔

شیدا : بس بس سمجھ گیا۔ بوجھ گیا پہیلی۔ بخشو میری عقل کی تعریف میں قصیدہ لکھ۔ بیوی ذرا ماں کی طرح پیار سے میری پیٹھ تھپتھپا دو۔

نازنیں : کیا سمجھ گئے۔

شیدا : بس سمجھ گیا۔ یہ کسی پاجی کی کارستانی ہے۔ حقیقت یہ ہے دل جانی کہ اس شہر میں کچھ دنوں سے ایک بدمعاش آیا ہوا ہے جو انتہا درجے کا کم عقل ہے۔ اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ میرا ہم شکل ہے۔

نازنیں : تمھارا ہم شکل۔

شیدا : ہاں۔ ایسا ہم شکل کہ تم تو میری بیوی ہو۔ اگر تم میری ماں ہوتیں تو بھی دھوکا کھا جاتیں۔ یقیناً اس عورت نے بھی اسی میری ہم شکل سے دھوکا کھایا اور بدنامی کا ٹوکرا میرے سر آیا۔

بخشو : حضور خوب جی بھر کر جھوٹ بول لیجیے کیونکہ جھوٹ بولنے کے لیے لیسنس لینا نہیں پڑتا۔

نازنیں : بہن سنا۔ تم کو ان کی ہم شکل نے دھوکا دیا۔ خدا اس موے سے سمجھے۔

شیدا : اجی خدا اس موے سے سمجھے یا نہ سمجھے مگر میں اس سے ضرور سمجھوں گا۔ پاجی میرا روپ بھر کر شریف عورتوں کو دھوکا دیتا پھرتا ہے۔ میرے بچے کی ماں۔ تم اس یتیم عورت کے آنسو پونچھو۔ میں جاتا ہوں اور ابھی اس کی گرفتاری کا بندوبست کرتا ہوں۔

(شیدا اور بخشو کا جانا)

نازنیں : بہن کیا سوچ رہی ہو۔

فتنہ : میں یہ سوچ رہی ہوں کہ عورتیں کتنی جلد مردوں کے دھوکے میں

آ جاتی ہیں۔

نازنیں : تو کیا میرے شوہر نے مجھے دھوکا دیا۔ اس کا ثبوت؟

فتنہ : ثبوت کی فکر بے سود ہے۔ ثبوت چاہتی ہو تو یہ لو دیکھو ان کی دی ہوئی انگوٹھی میری انگلی میں موجود ہے۔

نازنیں : بے شک یہ انھیں کی انگوٹھی ہے۔ اچھا آیئے۔ دھوکے کا جواب بھی دھوکے سے دیا جائے گا۔

جب خیال آئے تو دل آپ کا بھی شاد رہے
ایسا چکمہ دوں کہ شوہر کو مرے یاد رہے

(دونوں کا جانا)

(گانا)

اس درجہ لطف و رحم سے ....

باب دوسرا ـــــــ سین پانچواں

گاؤں

(ٹیون کا بجنا)

پربھو : کاہو۔ اب تو مور گلنار گسیاں کی دیا سے سولہ برس کی بھئی۔ اب یا کی لگن کی پھکر چاہی۔

چٹنی : ہاں ہو ٹھیک آہے۔ تور بچار نیک آہے۔

پربھو : مُدا اے کا پتی بھی کوئی ایسو ہوئے جیسو مور گلنار آہے۔ تب سادی کی بہار آئے۔

چٹنی : ہاں ہو۔ ـ

نول کسوری ناتھ بھی پائے نول کسور
لگن پریم مارس رہے جیسو چندر چکور

پربھو : یا چھوری کا جنگل میں ہاتھ آئیو کہ پچھی مور گھر ما ساتھ آئیو۔ اُس مور بھاگ جاگا کہ واہی دن سوں دھن ہی دھن برسن لاگا۔

(راما کو آواز دینا)

راما ہو راما۔ راما ہو راما

راما : کا ہے پربھو۔ کا ہے۔

پربھو : ارے سُنت ناہیں۔

راما : ارے سُنت تو رہا۔ مُدا ای کام رہا کہ تو بُلات ہے۔ موسمجھوں کہ بیل چلات ہے۔

پربھو : کا کہت رے گدھا۔

راما : کاہے باپ ہم گدھا۔

پربھو : اور کا۔

پتنی : گدھا نرا گدھا۔

راما : اوہ ہو۔ جب تو ٹھیک بھیو۔ بیٹو گدھا۔ ماں گدھی۔ باپ گدھیلا۔ واہ رے جھمیلا۔ میا ٹینی باپ کلنگ بچے نکلے رنگ برنگ۔

پربھو : راما کی مہتاری۔ یا تو بڑا واہیات ہوت جات ہے۔ سُنت ہو مورکھ ہم کا گدھا بنات ہے۔

پتنی : جا۔ جاتیئں گلنار کو بلا لا۔

راما : تو او ملی کہاں؟

پتنی : وہی پڑوس کے بڑے میاں کے یہاں۔

راما : باپ تو گلنار کا ای میاں جی کے یہاں کا ہے۔ بھیجت ہو۔

پربھو : اِلم پڑھے کا۔ اور کا ہے کا۔ مو اور تو تو گدھا رہ جائیں۔ اور او اِلم پڑھ کے آدمی ہوجائے۔

راما : باپ جب او آدمی ہوجائی تو ہم کا تو کا گدھا سمجھ کر کوؤ دھوبی کے ہاتھ بیچ ڈریے۔

پتنی : ارے تیئں جات ہے کہ نہیں۔

راما : جات ہوں۔ جات ہوں۔ دیکھ وہ آوت ہے۔

(راما کا پربھوکی ناک پکڑ کر کھینچنا۔ گلنار کا سامنے سے آتے ہوئے دیکھ کر رک جانا)

پربھو : کا بیٹا۔ میاں سیک سادی کا پڑھیو۔ بی بی خُلیکھا کا پڑھیو۔ سیک سکندر کا پڑھیو۔ کب لگ پڑھیو۔

گلنار : بابا علم کی کوئی حد ہے۔ یہ تو ایک دل پسند بوجھ ہے۔ ؎

جہاں تک زور ہمت آدمی اپنے میں پاتا ہے
وہاں تک شوق سے اس بوجھ کو سر پر اٹھاتا ہے

راما : بہن ای کا کہت ہو۔ اُس ہے تو باپ تو ایک بَدّل دوئی گدھوں کا بوجھ اٹھا سکت ہے۔ انھیں سے بوجھ اٹھائے کا کام لا۔ تنک ہاتھ بڑھائے نکیل تھام لا۔

پربھو : کا ہے ناہیں مانت۔

راما : ارے باپ وہ دیکھ سو بھاگ سنگھ آوت ہے۔

فیروز : کہیے ٹھاکر صاحب۔ آپ نے کیا فیصلہ کیا؟

پربھو : ارے جب لڑکی پہلے فیصلہ کر چکی تو مور فیصلہ کی کون جرورت آ ہے۔ جب میاں بی بی راجی تو کا کری پنڈت کاجی۔

(راما، پربھو اور پتنی تینوں کا جانا)

فیروز : لو پیاری گلنار خوش ہو ؎

دل میں جو ارمان تھے وہ پورے سارے ہوگئے
تم ہماری ہو گئیں اور ہم تمھارے ہوگئے

(گانا فیروز اور گلنار کا)

گورے گورے گالوں.............................

باب دوسرا ——— سین چھٹواں

(کامک)

محل

شیدا : (سائڈ میں) غلط۔ واہیات۔ جھوٹ۔ کون کہتا ہے کہ عورتیں عقل والی ہوتی ہیں۔ میں حکم لگاتا ہوں کہ گدھے سے زیادہ بھولی بھالی ہوتی ہیں۔ دور کیوں جایئے۔ میری بیوی پر غور فرمایئے۔ جس وقت میں نے ہم شکل والی بات سنائی تو کیسی چکر میں آئی۔ بس اب کیا ہے۔ چکلے کی ہوا کھاؤں گا۔ بازاروں میں دندناؤں گا۔ اور جب میری بےوقوف بیوی پوچھے گی تو اسے فرضی ہم شکل کا نام بتاؤں گا۔ چلو قصہ تمام۔ اپنا کام اور دوسرے پر الزام۔ واہ بیٹا شیدا۔ کیا تدبیر کی ہے پیدا۔

نازنیں : (سائڈ میں) واقعی وہ عورت سچ کہتی تھی کہ یہ تو بڑا دغاباز ہے۔ ٹھہرو میں اس کی دغابازی نکالتی ہوں۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے تو میں اسے دھوکے میں ڈالتی ہوں۔ (زور سے) چور۔ چور۔ بخشو۔ بخشو۔ چور۔ چور۔

شیدا : ہیں ہیں پیاری یہ کیسا شور۔

نازنیں : کیوں رے تجھے کس نے بلایا۔ جو بلا پوچھے گھر میں گھس آیا۔

شیدا : ارے نازنیں۔ تو بے وقوف ہوگئی ہے یا دیوانی۔ اپنے شوہر سے اور ایسی بدزبانی۔

نازنیں : چل موے۔ کل موئے۔ شوہر ہوگا اپنی بھاوج یا سالی کا۔ اپنی کسی چاہنے

والی کا۔

شیدا : پھر تیرا شوہر کون شریر ہے۔

نازنیں : شریر ہوگا تو۔ میرا شوہر تو اس شہر کا امیر ہے، مجسٹریٹ ہے۔

شیدا : تو پھر میں کون ہوں بداصل۔

نازنیں : میرے شوہر کا ہم شکل۔ دغاباز۔ تمام شہر لوٹ کھایا۔ تو مجھے بھی دھوکا دینے آیا۔

شیدا : (سائڈ میں) باپ رے۔ اس نے تو میری ہی بندوق سے مجھ ہی کو شکار بنایا ہے۔

نازنیں : ارے اب یہاں سے جاتا ہے یا نوکروں کو بلواؤں۔ گردن میں ہاتھ ڈلواؤں۔ بخشو۔ بخشو۔ ارے بخشو نابکار۔

بخشو : جی حاضر ہوا سرکار۔

نازنیں : دیکھ تو یہ کون ہے بدگوہر۔

بخشو : آپ کے شوہر۔

نازنیں : ارے شوہر نہیں ہے سودائی۔

بخشو : تو پھر کون ہے؟ آپ کا بھائی۔

نازنیں : ارے یہ تو وہی ہے کم عقل۔

بخشو : وہی کون؟

نازنیں : میرے شوہر کا ہم شکل۔

بخشو : ہم شکل۔ جس کا مجسٹریٹ صاحب نے حال سنایا۔

نازنیں : ہاں وہی۔ تمام شہر کو لوٹ کھایا۔ آج مجھے بھی دھوکا دینے آیا۔

بخشو : یہ بات ہے۔ اچھا تو آپ اندر تشریف لے جایئے۔ ذرا ٹھہرنا بھائی۔ کیوں بے تو کون ہے سودائی۔

شیدا : ارے کیا تو بھی مجھے پہچانتا نہیں۔

بخشو : ہاں ہاں، پہچانتا ہوں اسی سے تو پوچھتا ہوں۔ اب بتاؤ میاں بجر بٹو۔ گھوڑا بناؤں یا بھاڑے کا ٹٹو۔

(بخشو کا شیدا کو مارنا)

شیدا : بدذات۔ تو کس پر اٹھاتا ہے ہاتھ؟
بخشو : ایک آبنوس کے لٹھے پر۔ ایک الو کے پٹھے پر۔
شیدا : باپ رے۔ یہ تو مار مار کر بھوسا بنا دے گا۔
بخشو : چل نکل ناپ رستہ۔
شیدا : کیوں جائیں۔ اس گھر کے مالک ہم خود آپ ہیں۔
بخشو : مالک آپ ہیں۔ تو ہم مالک کے باپ ہیں۔
شیدا : ہاں۔
بخشو : بدمعاش۔ تو نے مجھے بھی کوئی احمق پایا۔ جو دھوکا دینے آیا۔

(شیدا کا جانا اور شیرخاں کا آنا)

شیرخاں : آیا۔ آیا۔ کون آیا۔ تیرا باپ آیا۔ دادا آیا۔ کون حرام زادہ آیا۔
بخشو : باپ رے یہ ملک الموت کہاں سے آن کودا؟
شیرخاں : ابے کون آیا۔ بولتا نہیں بے ہودہ۔
بخشو : اجی کون آیا۔ ہندوستان میں کال آیا۔ پلیگ کا وبال آیا۔ ٹیکس کا بھونچال آیا۔ روپیہ پر زوال آیا۔ اور بڑی بات تو یہ کہ تو بدخصال آیا۔
شیرخاں : ابے سب تو آیا۔ پر تیرا آقا بھی آیا۔
بخشو : ابھی نہیں آئے۔
شیرخاں : تو پھر کب آئے گا؟
بخشو : جتنی دیر میں بارہ کی سوئی ایک پر گھوم کر آتی ہے۔ یا جتنی دیر میں ایک انچ کے منہ میں چھ فٹ کی لمبی بوتل غائب ہوجاتی ہے۔
شیرخاں : تو غرض ابھی آدھا گھنٹہ درکار ہے۔ مگر اس دھوپ میں کہیں بار بار آنا جانا سخت دشوار ہے۔

بخشو : تو کیوں کہیں آیئے جایئے۔ جب تک وہ آئیں آپ دیوان خانے میں آرام فرمایئے۔

شیرخاں : اچھا چل رستہ بتا۔

بخشو : کہاں کا؟ جیل خانے کا ؟

شیرخاں : نہیں پاگل۔

بخشو : پاگل خانے کا؟

شیرخاں : ابے نہیں الو۔ دیوان خانے کا۔

(شیرخاں اور بخشو کا جانا اور شیدا کا آنا)

شیدا : (گاتا) پڑے گھونسہ پہ گھونسہ ....

شیدا : (سائڈ میں) جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ نہ بیوی کو ہم شکل کا جملہ پڑھاتا۔ نہ بخشو کے ہاتھ ہزاروں گھونسے کھاتا۔ مگر کیا پرواہ ہے۔ اب کی میں اتنا پیٹوں گا۔ سپاٹ سے کہ چھ مہینے تک اٹھ نہ سکے گا کھاٹ سے۔

(نازنیں کا آنا)

نازنیں : بخشو۔ ارے بخشو۔ کپڑے کیوں نہیں نکالے کپاٹ سے.......... اہو ہو ہو۔ تم ہو پیارے۔

شیدا : جی ہاں میں ہوں۔

نازنیں : پیارے کچھ اور بھی سننے میں آیا تمھارے۔

شیدا : کیاوہ......

نازنین : اجی آج یہاں بھی آیا تھا وہ مؤا۔

شیدا : کون وہ۔

نازنین : وہ تمھارا ہم شکل۔

شیدا : خوب خوب۔مگر تم نے دھوکا تو نہیں کھایا۔

نازنین : اجی دھوکا کیسا۔ میں نے تو اسے ایسا پٹوایا کہ اگر آپ بھی دیکھ پاتے تو ضرور تعریف فرماتے۔

شیدا : سنیے۔میں ہی جوتے کھاؤں اور میں ہی تعریف فرماؤں۔

نازنین : اور دلگی تو سنو۔جب میں نے پوچھا کہ تو بدگوہر ہے۔ تو کہتا کیا ہے خبیث کہ بندہ آپ کا شوہر ہے۔

شیدا : یہ بھی خوب۔اچھا کیا جو تم نے اسے پٹوایا۔

نازنین : اچھا کیا نا؟

شیدا : بے شک۔مگر افسوس یہ کہ تماشا میرے دیکھنے میں نہ آیا۔

نازنین : اجی میں تو تمھیں بھی دکھاتی مگر تم سو رہے تھے۔ اس لیے نہیں جگایا۔

شیدا : سو رہا تھا؟ کب؟ ہم تو ابھی باہر سے چلے آتے ہیں۔

نازنین : اجی جایئے بھی۔کیا آپ مجھے بناتے ہیں؟

شیدا : بنانا کیسا۔میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ابھی باہر سے چلا آتا ہوں۔

نازنین : کیا سچ ہے یہ بات۔

شیدا : بے شک۔

نازنین : تو ابھی پلنگ پر کون بیٹھا تھا میرے ساتھ۔

شیدا : باپ رے۔یہ کیا غضب ہویدا ہوگیا۔کہیں سچ مچ تو نہیں میرا ہم شکل پیدا ہوگیا۔ نازنین۔ نازنین۔یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔میں تو پاؤ گھنٹے سے گھر میں نہیں آیا۔

نازنیں : نہیں آیا۔ تو مجھے گلے سے کس نے لگایا؟

شیدا : ہیں گلے سے لگایا۔

نازنین : ہاں ہاں۔گلے سے لگایا۔بلکہ بغل میں دبایا۔

شیدا : او تباہی۔

نازنین : میرے بالوں کو تو دیکھو کہ نوچ نوچ کر کیا حال کر دیا۔

شیدا : او ستم۔

نازنین : میرے گالوں کو تو دیکھو۔چوم چوم کر کیسا لال کر دیا۔

شیدا : ار۔ررر۔غضب نازنین۔یہ تم کیا بک رہی ہو۔

نازنین : بک رہی ہوں ؟

شیدا : ہاں ہاں میں حلفیہ کہتا ہوں کہ نہ تو میں گھر میں آیا اور نہ میں نے تمھیں ہاتھ لگایا۔

نازنین : اجی بس رہنے دو دلگی بازی۔

شیدا : او غضب۔ستم۔ تباہی۔ ہائے ہائے شیدا۔یہ تیرا ہم شکل کہاں سے ہوگیا پیدا۔بخشو ......ارے بخشو نابخار۔

(بخشو کا آنا)

بخشو : حاضر ہوا سرکار۔ ارے اسے تو میں نے ابھی مار مار کر بھگایا۔ پھر یہ کیوں کر آیا۔

شیدا : کیوں یہاں کوئی میرا ہم شکل آیا تھا؟

بخشو : جی ہاں۔آیا تھا۔

شیدا : پھر تو نے کیا کیا؟

بخشو : میں نے مار مار کر الو بنادیا۔

شیدا : لاحول ولاقوت۔ اس نے تو میرا ہی حال بتایا —— اس کے بعد یہاں کوئی آیا تھا؟

بخشو : جی ہاں۔ ایک شخص اور آیا تھا۔

شیدا : بھلا کیسا تھا ؟

بخشو : ایک دم گولی مار دینے کے قابل۔

شیدا : ابے صورت کیسی تھی۔تو نے چہرے پر نظر ڈالی۔

بخشو : بس بلکل آپ کی طرح کالی۔

شیدا : وہی وہی منھ کیسا تھا ؟

بخشو : جیسے جگادری بندر۔

شیدا : ٹھیک وہی وہی۔اور کپڑے کیسے تھے۔

بخشو : جیسے لال چقندر۔

شیدا : وہی وہی۔اچھا چلا گیا یا ابھی تک وہ مردود ہے۔

بخشو : جی ہاں۔وہ دیوان خانے میں موجود ہے۔

شیدا : موجود ہے۔ اچھا جا بُلا۔ لا تو سہی نابکار کو جس طرح اس نے دھوکا دے کر میری عزت بگاڑی ہے۔اگر یوں ہی میں اس کی صورت نہ بگاڑوں تو اپنے ہاتھ سے اپنا سر اتار دوں۔ ہاں وہی آتا ہے۔ آ تو سہی نابکار۔

(بخشو کا جانا اور شیر خاں کا لانا)

بخشو : لیجیے بلا لایا سرکار۔

شیر خاں : مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔

شیدا : کیوں جی۔تم کیوں آئے یہاں۔

شیر خاں : اپنی طاقت دکھانے۔ایک عورت کو زبردستی گھر لے جانے۔

شیدا : زبردستی۔ تو کیا ایک عورت کو تم اپنے گھر لے جاسکتے ہو۔

شیر خاں : اور نہیں تو کیا تم اسے اپنے گھر میں بٹھا سکتے ہو۔

شیدا : کیوں نہیں بٹھاسکتے۔وہ ہماری بیوی ہے۔

شیر خاں : بیوی۔کبھی تمھارے باپ نے بھی بیوی کی تھی۔

شیدا : ابے بیوی نہیں کی تو میں کہاں سے پیدا ہوگیا۔

شیر خاں : یہ میں کچھ نہیں جانتا۔یہ محلے والوں سے پوچھو۔اونھ۔شادی کرکے ہم لائیں اور بیوی آپ بنائیں۔دیکھو جی یہ عورت کا معاملہ ہے۔ کہیں میری عزت نہ خراب کرنا جناب عالی۔

شیدا : اجی میں کروں یا نہ کروں۔ مگر تم نے تو میری عزت،خراب کر ڈالی۔ کیا تم اس پر کوئی حق رکھتے ہو؟

شیر خاں: اور نہیں تو کیا۔ تم حق رکھتے ہو؟

شیدا : میں تیرا سر پھوڑ دوں گا۔
شیر خاں : میں تیرا منہ توڑ دوں گا۔

(شیر خاں اور شیدا کا لڑنا اور بخشو کا بیچ میں آجانا)

بخشو : ارے دوڑو۔دوڑو......خون۔خون۔

(نازنیں اور فتنہ کا آنا)

نازنیں اور فتنہ : کیا ہوا۔ کیا ہوا؟
شیدا : حرام زادی یہ تیرا ہی تو فساد ہے۔
شیر خاں : حرام زادی یہ تیرا ہی تو بانی بیداد ہے۔
شیدا : بیٹھ بیٹھ۔ بولو جی یہ کیا تمھاری بیوی ہے۔
شیر خاں : بولو جی کیا یہ تمھاری بیوی ہے۔
شیدا : تو کیا تم اس عورت کے لیے لڑ رہے تھے۔
شیر خاں : اور کیا تم اس عورت کے لیے جھگڑ رہے تھے۔
بخشو : مردود ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہے۔

(شیر خاں۔ شیدا۔ فتنہ۔ نازنیں چاروں کا آپس میں ملنا۔ بخشو کا ہنسنا)

گانا

سانور یا تو پے ....

باب دوسرا ـــــــــ سین ساتواں

راستہ

(ہمایوں اور کوشش کا آنا۔ گت کا بجنا)

ہمایوں : کوشش اگر تو گھر جانے کے لیے بے قرار ہے۔ تو یقین کر کہ مجھے تجھ ایسے وفادار نیک کردار کی جدائی سخت ناگوار ہے۔

بچی ہے جان سی دولت ترے بچانے سے
تو پیارا ہے مجھے قاروں کے بھی خزانے سے
رہوں گا سخت میں نقصاں میں تیرے جانے سے

کوشش : میں حضور کی نوازش کا شکرگزار ہوں۔ مگر اپنے قدیم آقا سکندرجاہ کی ناشادی اور شاہی خاندان کی بربادی کا حال سن کر سخت بے قرار ہوں۔ اس لیے مجھے وطن جانے کی اجازت دیجیے۔

ہمایوں : خیر اگر یہی ارادہ ہے تو حجت بے فائدہ ہے۔ اچھا تو یہ بتا کہ فیروز کے بارے میں تجھے کیا معلوم ہے؟

کوشش : والا جاہ۔ میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ آج کل شہزادۂ عالم محل میں کم نظر آتے ہیں۔ شہر کے باہر سیر و شکار میں جی بہلاتے ہیں۔

ہمایوں : ہاں وہ کہاں جاتا ہے اور کیوں جاتا ہے اس بات کی خبر مجھے بھی جاسوسوں نے دی ہے۔

یہاں سے تو رہا کرتا ہے ہر دم غیر حاضر وہ
مگر پربھو کے گھر سے رہتا ہے کم غیر حاضر وہ

کوشش : حضور یہ پربھو کون شخص ہے؟

ہمایوں : یہ ہماری شکار گاہ کا ایک دیہاتی ہے۔ جس کی نسبت یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ بلا کسی آمدنی کے صاحب جاگیر ہو گیا ہے۔ فقیر سے امیر ہوگیا ہے۔

کوشش : حضور والا۔ اس کا نام سنتے ہی میں اسے پہچان گیا۔ اس کے گھر میں تو سونے چاندی سے بھی زیادہ ایک قیمتی چیز ہے۔ جو تمام گاؤں کو عزیز ہے۔

ہمایوں : وہ کیا؟

کوشش : وہ پربھو کی حسین لڑکی۔

نہیں اس جھونپڑی کے چاند سے کوئی حسیں بڑھ کر
محل کی لڑکیوں سے بھی ہے حسن اس کا کہیں بڑھ کر

ہمایوں : خیر آؤ۔ آج میرا ارادہ ہے کہ بھیس بدل کر پربھو کے گاؤں میں جاؤں اور فیروز کی ٹوہ لگاؤں۔

کوشش : حضور کی جیسی مرضی۔

(ہمایوں اور کوشش کا جانا)

باب دوسرا —— سین آٹھواں

(پربھو کا مکان)

(گلنار اور فیروز کا گاتے ہوئے دکھائی دینا)

دھت توری ....

(شادی کا سین۔ پربھو کا آنا)

پربھو : ارے ہُواں ٹھاری ہے۔ دیکھو یہ دوئی میاں جلسے کا ناوں سن کے آئے ہیں۔ ان کی آؤ بھگت کر۔ پھول پان دے کر خدمت کر۔

(بدلے ہوئے لباس میں ہمایوں اور کوشش کا آنا)

گلنار : میرے معزز مہمانو۔ میں آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ہمایوں : لڑکی۔ میں بھی تم کو اس جشن کی تہنیت دیتا ہوں۔ خدا مبارک کرے۔

کوشش : اور میں بھی خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ تم اپنے مینڈھوں اور خچروں میں مجھے بھی شامل کرو۔ گھر کے اور بے وقوفوں میں میرا نام بھی داخل کرلو۔

گلنار : خچروں میں۔ جناب شاید آپ کو مذاق سے زیادہ شوق ہے۔

کوشش : اگر تم مجھ اپنا خچر بناؤ گی۔ تو کچھ نقصان نہ اٹھاؤ گی۔

گلنار : معاف کیجیے گا۔ نقصان کیوں نہیں۔ آخر دانہ گھاس کہاں سے آئے گا۔ اس کا بوجھ کون اٹھائے گا۔ نہیں جناب میں خچر بنانے سے باز آئی۔ آپ میرے مہمان ہی رہیں تو بہتر ہے۔

راما : ارے بہن ای کا کہت ہو۔ اکیلا باپ ہی گدھے کی طرح بوجھ اٹھاوت ہے۔آج مفت کا خچر ملو جات ہے۔ اب کا بات ہے۔ دونوں کی جوڑی۔ ایک گدھا ایک گھوڑی۔

فیروز : آؤ پیاری گلنار۔ دیکھو اور مہمان آتے ہوں گے۔ ان کے استقبال کو چلیں۔

(گلنار اور فیروز کا جانا)

پربھو : ہاں ہو راما۔ چل اَسْتکبال کو چلی۔

راما : ہاں چلو اسپتال کو چلی۔

پربھو : ارے اسپتال کو ناہیں رے۔ استکبال۔

راما : ہاں ہو اسپاتالا۔

(راما اور پربھو کا جانا)

ہمایوں : کوشش دیکھتا ہے تو۔ کیا شائستہ تقریر ہے۔ گویا نیکی اور حسن کی تصویر ہے۔ آیئے ٹھاکر صاحب۔ کیوں صاحب۔ یہ تو آپ کی لڑکی ہے جو حسن و جوانی میں فرد ہے۔ مگر وہ کون خوبصورت سا مرد ہے۔

پربھو : صاحب یہ کو جمیدار کا چھورا ہے۔ اپنو ناؤں سو بھاگ سنگھ بتاوت ہے اور مور گلنار سے پریم جتاوت ہے۔

ہمایوں : کیوں ٹھاکر صاحب تم اپنی لڑکی کی شادی تو اس کے ساتھ کرتے ہو۔ مگر اس شادی سے تمھاری لڑکی بھی خوش ہے یا نہیں۔

پربھو : ہاں صاحب۔ واکی صورتیا اور بات چیت سے تو ای جان پڑت ہے کہ یو وا کا محبت کرت ہے_________ آؤ آؤ ہمرے مترو آؤ۔

(براتیوں کا اندر سے آواز دینا)

دیہاتی : کھیم کشل۔ کھیم کشل۔

(پنڈت کا آنا)

پربھو : پالاگی۔
سب : مہاراج پالاگی۔
پنڈت : آنند۔آنند سکھی رہو۔ جگ جگ جیو۔ سنکٹ سگرو کھوئے، کٹم کسیلا۔ دھن جماؤں۔ ون دن دونا ہوئے۔
پربھو : ہاں چلو ہو۔ گونا گاؤ۔

(لڑکیوں کا گانا)

مورے سر پر............
راما : ارے ای کا گڑبڑ سڑبڑ چلات ہے۔ دیکھ اب مو گاوت ہوں۔

(گانا)

اتنی بیچ موری............
پربھو : ہا ہو مہراج۔ ہمرا بٹوا گاوت ہے۔
راما : ہاں مہاراج نکھرا دیکھو۔
پنڈت : کا ہو ٹھاکر پر بھو سنگھ۔ اگر تھوڑے ہی کھرچ ما سگرو کام کی اِچھا ہے تو اپنو مَرن کریا بھی لگن ہی ما کر لو آج۔ایک پنتھ تو کاج۔
پربھو : ناہیں مہاراج تم تو لگن ہی کی مورت بچارو۔
راما : ہاں۔ ہاں۔ مور باپ کو نہ مارو۔
پنڈت : دھن۔ مکر اور مین۔
راما : سادی بنے دن تین۔
پنڈت : یہ جون جو ہو سادی تو کبھو نہ ہو بر بادی۔
راما : بادی۔ بادی ہو تو اجوائن کھاو۔

پنڈت : بادی نہیں ہٹوا۔ بربادی۔ بربادی۔

راما : ہاں بربادی مہاراج کی۔

پنڈت : یا جُون جُون سادی ہو جائے کوؤ بگن نہ آئے۔

کوشش : اور جو بگن آئے۔

پنڈت : ارے اپنو ناک کاٹ کر کے تور ٹانگ میں رکھوں۔ جیوتش ودیا آئے کہ ٹھٹھا آئے۔

پربھو : چلا مہاراج لگن بناؤ۔

پنڈت : آسن لاؤ۔

(ایک آدمی کا آسن اور آرتی کا سامان لاتا)

آدو رام تپو وَنا۔ دی گَمنَم۔ ہَت تواَ۔ بر گَہہ کا نُچَنم۔ وَے دیہی ہَرَنم۔جٹایو مَرَنم۔ سُگرِیوسمھا شَنم۔ بالی زردَلنم۔ سَمُدر تَرَنم۔ لنکا پُری دَاہَنم۔ پَشچات رَاوَن کُمبھ کَرَن ہَنَنم۔ اِے تد دیہی رَامانَم۔ شُبھ لگنَم۔ سَاؤدھان۔

راما : دلہن بھتنی۔ دولہا شیطان۔

پنڈت : ٹھاکر یہاں سونا دان چاہیے۔

پربھو : لو مہاراج۔

پنڈت : سُوَستی،سُوَستی

راما : ہاں مہاراج۔ سب سستی، سب سستی۔

پنڈت : سکھی رہو اور ـــ جے ججمان۔

راما : ایک مسان اور ایک کبرستان۔

پنڈت : ٹھاکر۔ یہاں چاندی دان چاہیے۔

پربھو : لو مہاراج۔

پنڈت : آنند بچہ آنند۔

راما : دھر گولک میں۔ رام نام سچا۔

پنڈت : ـ جے جے ٹھاکر پربھوسنگھ کی جے جے کار۔ سادی کی بہار۔ بیڑا پار۔

پربھو : راما کی مہتاری۔ ہے راما کی مہتاری۔

پتنی : ہو۔

پربھو : اِن سَمّن کا جوڑا باٹیو۔ جوڑا باٹیو۔

پنڈت : آو لگن کریا ہوت ہے۔

(پنڈت کا گلنار فیروز سے ہاتھ ملواتا اور ہمایوں کا روک دینا)

ہمایوں : ٹھہرو مہاراج۔ یہ شادی نہیں ہوسکتی۔

پنڈت : کیوں۔

ہمایوں : صاحبزادے تمھارے باپ تو زندہ ہوگا۔

فیروز : جی جناب عالی۔

خدا نے مجھ کو اس دنیا میں خوش قسمت بنایا ہے
مرے سر پر ابھی تک باپ ماں دونوں کا سایہ ہے

ہمایوں : میں سمجھتا ہوں۔ تمھارے باپ کو اس شادی کی تو ضرور خبر ہوگی۔

فیروز : جی نہیں۔

ہمایوں : سخت افسوس کی بات ہے۔ لڑکے کی شادی اور باپ کو خبر تک نہیں۔ شاید تمھارا باپ بد چلن، بدمعاش یا کوئی کمینہ آدمی ہے۔ اس لیے تم اسے شادی میں شریک کرنے سے شرماتے ہو۔ اس کی غیرحاضری میں بیاہ رچاتے ہو۔

فیروز : بس جناب بس۔

جواب اس سخت گوئی کا تو کچھ اس سے بھی بڑھ کر ہے
بڑے ہیں آپ اس سے میرا چپ رہنا ہی بہتر ہے
مرا باپ ان تمام عیبوں سے پاک اب تک سراسر ہے
کریم النفس، نیک اطوار، ذی عزت، خرد ور ہے

ہمایوں : جوشیلے جوان، بی بی پسند کرنے کا تو بے شک تمھیں اختیار ہے۔ مگر شادی
سے پہلے ماں باپ کی رضا مندی بھی ضرور درکار ہے۔ ؎

مبارک وہ ہے جو ان کی رضا سے کام ہوتا ہے
دعا سے باپ ماں ہی کے بخیر انجام ہوتا ہے

فیروز : بس جو ہونا تھا ہو چکا۔ پنڈت جی رسم شروع کیجیے۔ ؎

سدا دور دورہ دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

ہمایوں : ٹھہرنا شدنی لڑکے ٹھہر۔

فیروز : کیوں۔

ہمایوں : یوں۔

(ہمایوں کا منھ سے نقاب اٹھانا اور سب براتیوں کا بھاگ جانا)

پربھو : باپ رے باپ۔ کون۔ بادشاہ ؟

ہمایوں : او ناشاد۔ نامراد۔ میں ایسے ناخلف کو بیٹا کہتے ہوئے شرماتا ہوں۔ جو
باپ کو کسی شمار میں نہ لائے اور جو دل میں آئے کر جائے۔ ؎

مجھ کو یہ شرم ہو اور تجھ کو اثر تک بھی نہ ہو
تو تو شادی کرے اور مجھ کو خبر تک بھی نہ ہو

فیروز : رحم۔ رحم۔

ہمایوں : افسوس کہاں تو فوج اور لشکر کا شہریار اور کہاں یہ بھیڑ اور بکریوں کی سردار۔
کہاں گل اور کہاں خار۔ لعنت ہے نابکار۔ ؎

حیف کچھ بھی حیا نہیں تجھ کو
کیا جہاں میں قضا نہیں تجھ کو
تو جو ہے ایک سلطنت کا عصا
ایسی ناپاک شے پہ ہو شیدا

شکل صورت میں گو پری ہے یہ
ذلتوں سے مگر بھری ہے یہ
تو کہاں اور کہاں یہ نابکار
زوف ہے بدشعار بدکردار

فیروز : رحم رحم۔

ہمایوں : ؎

افسوس تو نے خاک جلا کر کیا مجھے
اب تیرا کالا منھ نہ دکھائے خدا مجھے

(ہمایوں کا غصے میں جانا)

فیروز : بچاؤ بچاؤ۔ کوشش۔ ان غریبوں کو بادشاہ کے غضب سے بچاؤ۔ اب ان کا کوئی سہارا نہیں ہے۔

کوشش : شہزادے۔ بادشاہ کبھی معاف نہ کریں گے۔ یہاں سے بھاگ چلنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے۔

فیروز : کہاں لے چلوگے۔ کسی جنگل یا بن میں۔

کوشش : نہیں اپنے وطن میں۔

فیروز : تو نکل چلو۔ دیر ہوئی تو پھر یہ ہیں اور بادشاہ کی تلوار ہے۔

کوشش : ہمت کیجیے۔ روانگی کے لیے جہاز تیار ہے۔

گلنار : (جاتے جاتے) ؎

گھرے ہیں آفتوں میں بندگانِ بے نوا تیرے
مدد کر اے مرے مالک نہیں کوئی سوا تیرے

(سب کا جانا۔ بادشاہ ہمایوں کا معہ چار سپاہیوں کے آنا)

ہمایوں : ذلیل ناخلف۔ تجھے کبھی نہیں معاف کروں گا۔ بڑھو۔ باندھو انھیں۔ یہ کیا۔ کوئی نہیں۔ کہاں گئے؟

مرید شک

(فلاٹ کا پھٹنا۔ جہاز پر کوشش، فیروز، پربھو، پتنی، راما، گلنار کا جانا)

وہ دیکھو۔ جہاز پر بیٹھ کر بھاگے جا رہے ہیں۔ ٹھہرو بدمعاشو ٹھہرو۔

(ہمایوں کا سپاہیوں کے ساتھ دریا کی طرف لپکنا۔ جہاز کا چلا جانا)

دُھن کا بجنا

ڈراپ سین

باب تیسرا ——— سین پہلا

جنگل

(گلزار، فیروز، کوشش، پربھو، پتنی، راما کا دکھائی دینا)

کوشش : (گاتا)

داتا سے بالے سکھ ....

ہزار ہزار شکر ہے اس رب دوجہاں کا کہ ہم یہاں تک آ پہنچے۔ اب میں بادشاہ کی خدمت میں جاتا ہوں اور تمھارے آنے کی اطلاع ان کو پہنچاتا ہوں۔

باب تیسرا ـــــ سین دوسرا

محل

(سکندر جاہ کا معہ درباریوں کے دکھائی دینا)

(گت کا بجنا)

سکندر جاہ : افسوس حمیدہ۔

تیری سنتا تو گرفتار بلا کیوں ہوتا
شہر بھر کی میں نگاہوں میں برا کیوں ہوتا

حمیدہ : عالی جاہ۔ جب خدا ہی انسانوں کے گناہ معاف کردیا کرتا ہے۔ تو آپ بھی اپنے قصور وار نفس کے گناہ معاف فرمایئے۔ اور دوسری شادی کر کے اپنا اجڑا ہوا گھر آباد کیجیے۔

سکندر جاہ : حمیدہ تو کیوں چرکے پر چرکے لگاتی ہے۔ اس بے گناہ کو ستا کر خدا کا گنہگار تو بن چکا۔ کیا اب بے وفا بھی بنانا چاہتی ہو۔

(ایک سپاہی کا اندر آنا)

عرض بیگی : جلالت مآب کی عمر و دولت زیادہ۔ اصفہان سے کوشش آیا ہے اور در دولت پر قدم بوسی کا منتظر ہے۔

سکندر جاہ : کون آیا ہے۔ کوشش۔

عرضی بیگی : جی جہاں پناہ۔

سکندر جاہ : جاؤ جاؤ۔ میرے وفادار جاں نثار کو لاؤ .... کون کوشش ...... اٹھ۔ تجھ پر خدا کی نوازش۔ ؎

کیا کہوں تجھ سے بیاں کا بھی نہیں یارا ہے
دیکھ کیسا مرا اُجڑا ہوا گھر سارا ہے
نہ تو پیاری ہے کہیں اور نہ وہ پیارا ہے
نہ تو خورشید ہی ہے اور نہ حسن آرا ہے
ہر طرف مجھ کو نظر شکل بلا آتی ہے
در و دیوار سے رونے کی صدا آتی ہے

کوشش : ؎
بشر کا حال حضور ایک ساں نہیں ہوتا
کہاں کہاں ستم آسماں نہیں ہوتا
غضب ہے میں نہ ہوں اور گھر یہ صاف ہوجائے
جہاں پناہ قصور اب معاف ہوجائے

سکندر جاہ : اچھا کوشش یہ تو بتاؤ کہ میرا روٹھا ہوا دوست صحیح سلامت ہے۔ کیا حالت ہے۔

کوشش : فضل خدا سے خوش و خرم ہیں .... عالی جاہ۔ شہنشاہ ہمایوں کے فرزند فیروز نامدار اور ان کی معشوقہ گلنار آپ کی زیارت کے مشتاق زیادہ ہیں۔ در دولت پر ایستادہ ہیں۔

سکندر جاہ : کون فیروز آیا ہے۔ جاو اسے عزت سے لاؤ۔

(فیروز، گلنار، پربھو، چتی اور راما۔ ان سب کا آنا اور بادشاہ کو سلام کرنا)

فیروز : چچا جان آداب۔

سکندر جاہ : زندہ باش۔ کیوں بیٹا تمھارے والد تو اچھی طرح ہیں۔

فیروز : اچھے ہیں اور حضور کے لیے رات دن دعا کرتے ہیں۔
پربھو : ہے بھگوان۔ ای کیسن مکان۔
راما : ارے پربھو یہ مکان نہیں جیل کھنوا ہے جیل کھنوا۔
پربھو : جیل کھنوا کیسا رے۔
راما : ارے ہاں رے۔ والال کُرتی والا دروگا ہے اور یہ سب چودہ چودہ برس کے قیدی ہیں۔
سکندرجاہ : کیوں فرزند۔ یہ کون ہیں؟
فیروز : حضور یہ بھی آپ کی کنیز ہے۔
سکندرجاہ : کنیز نہیں دختر عزیز ہے۔ مگر میرے سامنے جو چہرے پر نقاب ڈالی ہے۔ اس میں کیا مصلحت نکالی ہے۔
راما : حضور کالی ناہیں۔ کالی ناہیں۔ گوری ہے۔ بڑو خوبصورت چھوری ہے۔
فیروز : پیاری گلنار نقاب اٹھاؤ۔ اور چچا جان کو آداب بجا لاؤ۔

(گلنار کا منھ پر سے نقاب اٹھانا۔ سکندرجاہ و حمیدہ کا پہچاننا)

سکندرجاہ : الٰہی یہ کیا راز ہے۔ یہ شکل کیسی دلنواز ہے۔ عجب حیرت اس گھڑی ہے۔ کیا پیاری حسن آرا میرے سامنے کھڑی ہے۔
حمیدہ : یا ربّ قدیر۔ یہ ملکہ ہے۔ یا ملکہ کی جیتی جاگتی تصویر۔
سکندرجاہ : اس نور نظر کو دیکھ کر مجھے پچھلا زمانہ یاد آتا ہے۔ جتنا سوچتا ہوں، دماغ چکراتا ہے۔سولہ برس کی بات ہے کہ میرے گھر میں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ مگر افسوس صد افسوس۔ ؎

لقمہ شیر اجل کر دیا اک پل میں اسے
غیر کے ہاتھوں ہی پھنکوا دیا جنگل میں اسے
کب کسی کو بھی کسی سخت جگر نے مارا
اور کو موت نے اور اس کو پدر نے مارا

اس گھڑی زندہ جو وہ مورد آفت ہوتی
تو یہی شکل، یہی سن، یہی صورت ہوتی

پربھو : کاہو۔ اتنا ہی تو وا بات کو بھئے۔ جب یا چھوری کو جنگل میں پایو رہا۔ ٹھہرو میں ابھی کھلاسا کرت ہوں۔

راما : ارے پربھوا کا کرت ہے۔ وا چھوری والی بات نہ کہیو۔ نہیں تو پھانسی پیسے پھانسی۔

پربھو : چپ مارے۔

راما : مار تو اُس پڑی کہ بُھرکس نکل جائی۔

پربھو : حجور۔

راما : ارے حجور ناہیں کھجور۔

پربھو : کھجور۔

راما : کھجور ناہیں حجور۔

سکندرجاہ : نور نظر یہ کون ہے؟

راما : حجور مور یا کا باپ۔ ارے ناہیں مور باپ۔

فیروز : چچا جان یہ میری پیاری گلنار کا باپ اور میرے ملک کا ایک مشہور زمین دار ہے۔

پربھو : ہاں حجور۔ لے اب کھلاسا کر بتاوا کہ چھوری والی بات کا کتنو دن بھیو۔

سکندرجاہ : سولہ برس۔

پربھو : سولہ۔ سولہ۔ جب وا چھوری کا جنگل میں پھنکوایو رہا۔ تو کچھ گہنا جیور پہنایو رہا۔

حمیدہ : ہاں پہنایا تھا۔ یوں تو سب قیمتی بڑے تھے۔ مگر ہاتھوں میں دو سونے کی چوڑی اور دو یاقوت کے کڑے تھے۔

راما : مرگوا۔ سسُر۔ ایک تو چھوری کا چھپائے راکھا۔ تس پر جیور چرائے راکھا۔ اب سسُر کو ڈبل پھانسی ملیہے ڈبل۔

پربھو : اور کچھ کپڑے کی رکسم ماں۔

حمیدہ : ہاں حریر کا کرتا اور ہرے رنگ کا دوشالہ۔

پربھو : ہاں۔ ہاں۔ دوسالہ۔ دو سالہ۔

راما : ارے سالا نا ہیں تو تو پھیروج کا سسُر ہے۔

پربھو : ہاں لے حجور، تنک دیکھا۔ یا جیور رکھہ کا؟

(پربھو کا بادشاہ کو زیور کی تھیلی دینا)

راما : چھوری کا اور رکھہ کا۔

حمیدہ : ہیں۔ یہ زیور تو نے کہاں سے پایا؟

راما : لے سسُر اور دکھاوا۔

(پربھو کا بادشاہ کو کاغذ دینا)

پربھو : حجور یو تو میں پاچھے تبھوں۔ تنک یا کاگج بانچو۔

سکندر جاہ : کاغذ کیسا؟

راما : حجور بانچو۔ یہ یا کی چوری کی سارٹی فکیس ہے۔

سکندر جاہ : (کاغذ پڑھنا) اے بادشاہ بلند ارادہ۔ دن دن اقبال ہو زیادہ۔

اس وقت جو شے یہاں پڑی ہے
پیروں پر جو بے زباں پڑی ہے
ملکہ کے جگر کا داغ ہے یہ
آپ ہی کا لگایا باغ ہے یہ

ارے جس کے بدن سے یہ زیور اور کاغذ پایا اسے کہاں چھوڑ آیا؟

پربھو : ہے حجور اب کیا دشواری ہے۔ جاکا ای جیور مینا کاری ہے۔ وہ بھی ناری ٹھاری ہے۔

سکندر جاہ : (گلنار کو پہچانتے ہوئے) کون۔ میری پیاری راج دُلاری۔

گلنار : کون ابا جان۔ آہ ہا۔ میں پہلے ہی کہتی تھی کہ میری پیدائش میں کوئی

راز ہے۔

کم اوقات جو تھی خوش اوقات نکلی
چھپاتے تھے جس کو وہی بات نکلی

سکندر جاہ : میری بیٹی۔

راما : میرا بٹوا۔

حمیدہ : اے نیک شخص۔ تمھیں طوفان نامی شخص کی بھی کچھ خبر ہے جو سولہ برس سے بے نام و نشان ہے۔ خدا جانے کہاں ہے۔

چنی : ارے کا طوپھان تو رمئی رہا۔ واکو تو سیر کھا گوا۔

حمیدہ : شیر کھا گیا۔ کس دن۔ آہ۔

چنی : یا گلنار کا جنگل میں پایو رہے وا دن۔

حمیدہ : آہ۔ آہ۔

(حمیدہ کا بے ہوش ہو کر گرنا۔ سکندر جاہ کا اٹھانا)

سکندر جاہ : صبر کر حمیدہ صبر کر۔ آج تک تو مجھے صبر دیتی تھی۔ اب میں تجھے صبر دیتا ہوں۔

حمیدہ : عالی جاہ۔ صبر نہ کروں گی تو اور کیا کروں گی۔ صبر تو سولہ برس سے کر چکی ہوں۔ جیتے جی مر چکی ہوں۔

سکندر جاہ : اٹھ حمیدہ اٹھ۔

راما : ارے گھڑی وا کا بٹھاوت رہی۔ اب یا کا اٹھاوت ہے۔ ان چمیلی کا کھیل دکھاوت ہے۔

سکندر جاہ : اے نیک دیہاتی، مجھ سے تیری تعریف اور نہیں کی جاتی۔ چونکہ اس نورنظر نے تیری گود میں پرورش پائی ہے۔ اس لئے تو آج سے میرا بھائی ہے۔

راما : ارے واہ۔ یا ہو ٹھیک بھیو۔ ٹھہرو مو بھی کھلاسا کرت ہوں۔ پھر یاد۔ بیداد۔ جُلّم۔

سکندرجاہ : کیا ہے لڑکے۔ کیا ہے؟

راما : حجور پربھوا تو آپ کا بھائی ہے۔

سکندرجاہ : ٹھیک۔

راما : پھریاد۔ اور گلنار پھیروج کی لگائی ہے۔

سکندرجاہ : یہ بھی ٹھیک۔

راما : بے داد۔ اب مو رکھہ کا جمائی جُلّم

سکندرجاہ : بچہ ہے۔ نادان ہے۔

راما : بچہ ہے نادان ہے۔

سکندر جاہ : آہ حمیدہ اگر آج غریب حسن آرا زندہ ہوتی تو کلیجے کے ٹکڑے کو دوبارہ زندہ پاکر کتنا خوش ہوتی۔

حمیدہ : حضور مردے کو زندہ کرنا خدا کا کام ہے۔ مگر اس شہر میں کچھ دنوں سے اک ایسا کاریگر آیا ہے جس نے ہو بہو ملکہ عالم کی شکل کا ایک طلسمی پتلا بنایاہے۔ آپ چاہیں تو اسے دیکھ کر تھوڑا بہت رنج دور کر سکتے ہیں۔ مغموم طبیعت کو تھوڑی دیر مسرور کرسکتے ہیں۔

سکندرجاہ : کیا سچ مچ کوئی ایسا کاریگر آیا ہے۔ اگر اس میں واقعی یہ کرامات ہے تو چومنے کے لائق اس کا ہاتھ ہے۔

حمیدہ : یقین کیجیے کہ آپ اس پتلے کو دیکھتے ہی حیران ہوجائیں گے۔ اس میں اور ملکہ عالم میں بال برابر فرق نہ پائیں گے۔

سکندرجاہ : تو پھر وقت کیوں گنوائیں۔ آج ہی دیکھنے کیوں نہ جائیں۔

حمیدہ : حضور کی جیسی مرضی۔

(ایک سپاہی کا آکر سفیر کے آنے کی خبر دینا)

عرض بیگی : والاجاہ۔ اصفہان سے ایک سفیر آیا ہے اور شہنشاہ ہمایوں کی طرف سے کوئی پیغام لایا ہے۔

سکندر جاہ : حاضر کرو۔

(سفیر کا آکر جھک کر سلام کرنا)

سفیر : خانہ زاد آداب بجا لاتا ہے۔
سکندر جاہ : کیوں خیریت تو ہے۔
سفیر : عالی جاہ۔ شہنشاہ نے آپ کی خیریت دریافت فرمائی ہے اور اپنے یہاں تک آنے کی اطلاع بھجوائی ہے۔
فیروز : کیا ابا جان آگئے۔
سفیر : ہیں آپ یہاں ہیں۔ آپ ہی کے لیے تو شہنشاہ نے یہاں تک آنے کی تکلیف اٹھائی ہے اور وہ پربھوا کہاں ہے۔ اس کے لیے تو بہت برائی ہے۔

(پربھو کا درباریوں کے پیچھے چھپ جانا)

فیروز : کیا بہت ہی خفا ہیں ؟
سفیر حضور اگر پھانسی کا حکم دے دیں تو سمجھیے کہ جان بخشی کی ہے۔

(راما کا پربھو کو ڈھونڈھ کر پکڑ لانا)

پربھو : مرگوا رے مرگوا۔
راما : تو کا ہرج تو مرجائے۔ مو تو زندہ ہوں۔ دھوم دھام سے تور کریا کروں۔ برہمن دیوتا کو لڈو کھلا کے تو ہے سَرَگ بھجواؤں۔
گلنار : ابا جان، میرے اس محترم بزرگ کی مدد فرمایئے۔ شہنشاہ ہمایوں کے قہر و غضب سے بچایئے۔
سکندر جاہ : نہیں بیٹا گھبراو نہیں۔ ابھی تک ان کو یہ معلوم ہے کہ فیروز نے ایک دیہاتی لڑکی پر طبیعت شیدا کی۔ مگر یہ نہیں خبر ہے کہ اس نے میری نور

مرید شک

نظر سے محبت پیدا کی ہے۔ جب اصلی حقیقت جان جائیں گے تو خود ہی مان جائیں گے۔

لو آؤ چلو بڑھ کے ملاقات کریں گے
تم سب کے عوض ان سے ہمیں بات کریں گے

(سب کا جانا)

گانا

دن کی آہیں نہ گئیں رات کے نالے نہ گئے............

باب تیسرا ـــــــ سین تیسرا

دربار

سکندر جاہ : پیارے بھائی میں اپنی غلطی نادانی اور جلد بازی پر تہ دل سے شرمسار ہوں۔ اور اس قصور کے لیے جس کی کوئی تلافی نہیں ہوسکتی، معافی کا خواستگار ہوں۔

ہمایوں : جانِ برادر۔گزشتہ واقعات کو یاد کر کے رنج اور افسوس کرنا فضول ہے۔ کیوں کہ انسان کی سرشت ہی میں غفلت اور بھول ہے۔

سکندر جاہ : اچھا حمیدہ۔اب کیا دیر ہے وہ طلسمی پتلا کب دکھائی دے گا ؟

حمیدہ . ابھی مگر دیکھیے کہیں اسے دیکھ کر دھوکا نہ کھایئے گا۔پتھر کے بے جان پتلے کو زندہ تصور نہ فرمایئے گا۔

سکندر جاہ : حمیدہ۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ ایک آنکھوں والا آدمی پتھر کے بے جان پتلے کو زندہ انسان سمجھ سکتا ہے۔

حمیدہ : اچھا تو تیار ہوجایئے۔ میں پردہ اٹھاتی ہوں۔ اور آپ کو محوِ حیرت بناتی ہوں۔

(حمیدہ کا پردہ کھینچنا۔حسن آرا کا پتلے کی شکل میں دکھائی دینا)

سکندر جاہ : ـــ

کسے آج جلوہ نما دیکھتا ہوں
الہٰی میں اس وقت کیا دیکھتا ہوں

گلنار : اے مادرِ مہربان۔ اے پاک مورتی اپنا ہاتھ بڑھا کہ میں اسے بوسہ دے کر دل شاد کروں۔ مہرِ مادری کو یاد کروں۔ ؎

دل شاد کر کے میں عوض بخت شوم لوں
جی چاہتا ہے بڑھ کے تیرا ہاتھ چوم لوں

حمیدہ : ٹھہریے ابھی یہ پتلا تازہ بن کر آیا ہے۔اگر کوئی ہاتھ لگائے گا تو اس کا رنگ و روغن اڑجائے گا۔ بس اب میں پردہ کھینچتی ہوں۔

سکندرجاہ : ٹھہر حمیدہ ٹھہر ؎

میری آنکھوں کی طرح پردہ کھلا رہنے دے تو
اب یوں ہی اس شکل کو جلوہ نما رہنے دے تو
آنکھیں پتھرائی ہیں یہ پتھر کی مورت دیکھ کر
زندگی کاٹیں گے بس ہم اب یہ صورت دیکھ کر

ہمایوں : بھائی یہ تو اور کرشمہ دکھاتی ہے۔ آپ کو دیکھ کر مسکراتی ہے۔

سکندرجاہ : واقعی عجیب بات ہے۔تصویر ہے کہ کرامات ہے۔ ؎

کیا شرط ہے یہی کہ وفا کر کے تم ہنسو
رو رو کے ہم تو حال کہیں اور تم ہنسو
رونا ہمارا دیکھو تو کس بے کسی کا تھا
تم ہنس پڑیں یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا
اتنے رونے پہ یہ آنکھ اور بھری آتی ہے
ہائے پتھر کو بھی اب مجھ پہ ہنسی آتی ہے

گلنار : اباجان۔دیکھیے دیکھیے۔ اس پتلے کا بدن ہلتا اور سانسیں چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

سکندر جاہ : ہاں بیٹی گلنار تو سچ کہتی ہے۔ اس کا سانس لینے سے بدن بھی ہل رہا ہے۔ ؎

ظاہر نہ راز تا ہو اس سے جھگڑ رہی ہے
دِل اس سے لڑ رہاہے یہ دل سے لڑرہی ہے

حمیدہ : بس جہاں پناہ بس۔ ابھی تو آپ اس کی سانس چلتی اور بدن ہلتا ہتا

رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں کہیں گے کہ بالکل زندہ ہے۔بس اب میں پردہ کھینچتی ہوں۔

سکندر جاہ: نہیں حمیدہ نہیں۔ اگر جھوٹ تو سمجھتی ہے مگر واقعی یہ پتلا ہلتا اور مسکراتا ہے۔ حیرت پر حیرت بڑھاتا ہے۔

حمیدہ : تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔یہ سب اس پتلے کو بنانے والے کاریگر کی کرامات ہے۔ آپ فرمائیں تو کچھ اور لطف ہو۔آنکھوں میں اشاروں کا طور ہو۔

سکندر جاہ :کیا اشارہ ؟

حمیدہ . جی سریر آرا۔ ؎

ہاں دیکھیے اُدھر وہ اشارے شروع ہوے
مشتاق جن کے تھے وہ نظارے شروع ہوے

سکندرجاہ : آہ ہا ہا۔ کس محبت سے تاکتی ہے۔ بس معلوم ہوتاہے کہ بالکل جیتی جاگتی ہے۔

حمیدہ : عالی جاہ اس پتلے میں اس سے بھی زیادہ کرامات موجود ہے۔

سکندرجاہ : وہ کیا کرامات ہے۔اسے جلا سکتی ہے زندہ بناسکتی ہے۔

حمیدہ : زندہ تو نہیں البتہ اتنا کر سکتی ہے کہ یہ تصویر آپ کو لپٹالے گی۔نیچے اتر کر گلے لگالے گی۔

سکندرجاہ : جس کے پاس ایسا ہنر ہے۔وہ کاریگر نہیں بلکہ جادوگر ہے۔

حمیدہ : ؎ اتر کر او طلسمی شکل والے
گلے عاشق کو اب اپنے لگا لے

سکندرجاہ : آ۔ آ۔ میری دل آرا۔ میری مظلوم حسن آرا۔

حسن آرا : اے آسمان کے رہنے والو۔ اوپر سے نیچے نظر ڈالو ؎

آؤ اس بزمِ طرب میں آج سچے دل کے ساتھ
دختر و شوہر کو میرے دو دعائیں دل کے ساتھ

آؤ میرے پیارے شوہر۔ تمھاری حسن آرا مری نہیں زندہ ہے۔

سکندر جاہ : زندہ ہے میری جان۔

گلنار : اے مادر مہربان۔

حسن آرا : آ۔ میرے دل کا سرور۔ میری آنکھوں کا نور۔ ؎

آگیا بھولا ہوا قصہ مجھے پھر یاد آج
پھر مری اجڑی ہوئی دنیا ہوئی آباد آج

حمیدہ : عالی جاہ۔ اب میں اپنے قصوروں کی معافی چاہتی ہوں کہ میں نے آپ کے غیظ و غضب سے بچانے کے لیے موت کی خبر مشہور کر کے ملکہ عالم کو اپنے گھر میں چھپا رکھا اور سولہ برس تک آپ کو مبتلائے رنج و بلا رکھا۔ ؎

سکندر جاہ : تو حمیدہ تو نے مجھے بے وقوف بنایا۔ کیوں؟ مگر ایسا بے وقوف بننا کون نہ چاہے گا۔

ہوں شگفتہ جس سے کلیاں دل کی کمھلائی ہوئی
ایسی نادانی پہ صدقے لاکھ دانائی ہوئی

پیاری۔ یہ ہمایوں کا جگر بند اور تمھاری گلنار کی قسمت کا مالک ہے۔ اس لیے آگے آؤ اور اپنے ہاتھ سے ان دونوں کا ہاتھ ملاؤ۔

(حسن آرا کا گلنار اور فیروز کا ہاتھ ملانا)

حسن آرا : ؎

حقیقت میں وہی ہر بات کی ہے ابتدا اچھی
کہ جس کی ہو عنایات خدا سے انتہا اچھی
مزہ شربت کا دے تو زہر کا بھی جام اچھا ہے
سب اچھا ہے اگر اس بات کا انجام اچھا ہے

(سہیلیوں کا گانا)

ڈراپ سین

تمام شد

مار آستین

مار آستین (1899)

یہ آغا حشر کا پہلا معاشرتی ڈراما ہے جو مرید شک لکھنے کے پانچ ماہ بعد کاوس جی پالن جی کی الفریڈ کمپنی کے لیے لکھا گیا۔ شاید اس ڈرامے کو عوام نے زیادہ پسند نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلکش مناظر اور بھڑک دار لباس دیکھنے کے عادی عوام ابھی سماجی مسائل پر کوئی سنجیدہ ڈراما دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے نزدیک راجاؤں اور رانیوں اور دیووں اور پریوں کی داستانیں ڈرامے کی اصل روح تھیں اور اس کا سارا حسن حیرت خیز اور جاذب نظر مناظر کی پیش کش میں مضمر تھا۔ ان تصورات میں کسی انقلابی تبدیلی کو قبول کرنے کی صلاحیت کے لیے ابھی کچھ اور وقت درکار تھا۔ اسی لیے شاید ڈرامے کے ناقدین نے بھی اس کا تذکرہ بہت کم کیا ہے۔

آغا حشر کے ذخیرے میں اس ڈرامے کا صرف ایک ہی مسودہ دستیاب ہے۔ غالباً یہ اس ڈرامے کی پہلا اور آخری مسودہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے شو کم ہوئے ہوں گے۔ کوئی مطبوعہ نسخہ بھی نہیں ملا۔ یہ مسودہ پورے کا پورا پنسل سے لکھا ہوا ہے۔ اس پر سرورق نہیں ہے لیکن ڈراما مکمل ہے جو پہلے صفحے سے شروع ہو کر 93 صفحے تک گیا ہے۔ اس میں نہ تو کاتب کا نام درج ہے اور نہ کوئی تاریخ۔ بہ ظاہر یہ مسودہ خود آغا حشر کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے (آغا حشر کچھ بھی لکھنے کے لیے ہمیشہ پنسل کا استعمال کیا کرتے تھے)۔ اس میں محض کرداروں کے نام اور مکالمے ہیں، ہدایات نہیں ہیں، کیونکہ کسی ڈرامے کو اسٹیج کرنے کے لیے آغا حشر کو بذات خود ان ہدایات کی ضرورت نہ تھی اور ڈراما کمپنیوں سے معاہدے، کاپی رائٹ کی خلاف ورزی اور دوسری کمپنیوں کے ذریعے نقل کر کے انھیں

اسٹیج کیے جانے کے ڈر سے ان کی اشاعت کے بارے میں سوچنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پیش نظر مسودے میں گانوں کے ٹکڑے تو لکھے ہوئے ہیں لیکن مکمل گانے موجود نہیں ہیں۔ اس ڈرامے کی یہ خصوصیت بہ طور خاص قابل ذکر ہے کہ اس میں استعمال ہونے والے کامک کو اس کے پلاٹ سے مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ پہلی بار ہوا ہے، ورنہ عام طور پر کامک ایک علاحدہ کہانی ہوتی ہے جس کا اصل ڈرامے سے نہ پلاٹ کی سطح پر کوئی رشتہ ہوتا ہے اور نہ زمانے کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی مماثلت پائی جاتی ہے۔

مشمولہ ڈراما اسی مسودے پر مبنی ہے۔ اس میں ہدایات کا اضافہ مرتبین نے کیاہے، تاکہ قارئین کو اسے سمجھنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

کردار

1۔ امیر مرزا بیگ	ایک امیر
2۔ اشرف	امیر کا بیٹا
3۔ مستان	مصاحبین
4۔ ظالم	
5۔ کلن	ظالم کے ساتھی
6۔ جھمن	
7۔ دمڑی بیگ	ایک کنجوس رئیس
8۔ باقر	ایک قرض خواہ
9۔ روپا	دودھ والا
10۔ حولدار	
11۔ کوتوال	
12۔ سپاہی	
13۔ نواب	فرماں روا
14۔ پروین	اشرف کی محبوبہ
15۔ بجلی	دمڑی بیگ کی ملازمہ
16۔ سلیمہ	باقر کی بیوی
17۔ سہیلیاں	

باب پہلا ——— تمہیدی سین

اشرف اور مستان کا بیٹھے ہوئے نظر آنا

گانا سہیلیوں کا

لاثانی نورانی توری شان.....

اشرف: مستان، خدا کے لیے کان نہ پریشان کر۔ ان سبوں کو دفعان کر۔ ؎

عیش و خوشی کا لطف و مدارات کا مزا
ملتا ہے وقت سے ہر بات کا مزا

مستان: سرکار اس وقت کے سوا اور کون سا وقت نشاط ہوگا۔ جو قابل انبساط ہوگا۔ ؎

دن عید کا ہے حکم مئے جام دیجیے
دل کو سرور قلب کو آرام دیجیے
بھر بھر کے مٹھیاں ہمیں انعام دیجیے

سہیلیاں: (گانا) رنگ میں بجوئی میری چنریاں.........

اشرف: ؎

تو بجز عیش مرا رنج و الم کیا جانے
سچ ہے جو غم کبھی دیکھے نہ وہ غم کیا جانے
غیر کے درد کو بے درد نہیں جانتا ہے
جس پر گزری ہے کبھی کچھ یہ وہی جانتا ہے

مستان: اب ان بھوتنیوں پر بھی کچھ بھینٹ چڑھاؤں۔ یا کورا ہی ٹرکاؤں۔ خیر اب حضور نے ان کا ناچ نہیں دیکھا تو پھر میں ہی ان کو بندریا کا ناچ نچاؤں۔ ذرا دگی مچاؤں (لڑکیوں سے) کیوں اب کس فکر میں پڑی ہو۔ جو ابھی تک اڑی ہو۔ چلو چلتا دھندا بناؤ۔ کسی اور دروازے پر صدا لگاؤ۔

سہیلی : مگر ہمارا انعام تو دلواؤ۔

مستان: اجی دینے دلانے پر خاک ڈالو۔ محبت سے کام نکالو۔ کسی دن فرصت سے آنا۔ انعام کیسا دل و جان لے جانا۔

سہیلی: تو کتنے دن میں آئیں۔

مستان: جتنے دن میں ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

سہیلی: مگر یہ تو کہو انعام میں کیا ملے گا۔

مستان: ادھوڑی استر کی جوتیاں۔

سہیلی: کیا بکتا ہے سودائی۔ کچھ شامت تو نہیں آئی۔

مستان: ارے میری جورو کی لگائی۔شامت تو نہیں البتہ طبیعت ہے آئی۔ ؎

چشم وحشی کی محبت میں پہاڑی ہو گئے
عشق کے انجن میں جت کر ریل گاڑی ہوگئے
اب شراب وصل دو ہم کو کہ تاڑی ہوگئے

سہیلی: یا وحشت یا حواس۔

مستان: اجی اب تو ہو گئے مفلس بے آس۔ دمڑی نہیں پاس۔ ؎

ی چلت تیغ ستم برگرد نم بیداد سے
ہم نے بھی اک لٹھ منگایا ہے مرادآباد سے

سہیلی: دم دار دبلی لٹکے میاں پڑی بجوری۔ تو پکا کفن چور ہے اور پکا فتوری۔ کیوں کیسی کہی۔

مستان: چوٹی کٹی۔ ناک کٹی ہوگئی پوری۔ دم جھڑ گئی پر گر گئے پھرتی ہے لنڈوری۔ اری کیسی کہی۔

سہیلی: ارے موے مستان کے مردے۔ اس پھٹکار جڑی صورت پہ محبت کے دل گردے۔ کہاں ہماری رضائی زبائی اور کہاں تو مواخاصا نانوائی۔

مستان: واہ کیا الٹا زمانہ ہے۔ ان بھتنیوں نے بھی اپنے کو خوبصورت جانا ہے۔ چڑیلوں کی شکل اور پریوں کا مزاج۔ وہی مثل ہے۔ گنجا سر اور موتیوں کا تاج۔ ؎

عجب تیری قدرت، عجب تیرا کھیل
چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل

سہیلی: ارے دیوانے تو اپنے ہتھکنڈوں سے باز آئے گا۔ یا لات کھائے گا۔

مستان: اجی لاتیں کھلاؤ۔ یاسوغاتی کھلاؤ۔ مگر کچھ تھان کی ٹری معلوم ہوتی ہو۔ عورت کا ہے کو عربی گھوڑی ہو۔ ؎

محبت جس نے کی ہے لات جوتی بھی وہ کھائے گا
مزا تو ہم اٹھاتے ہیں معیبت کون اٹھائے گا

سہیلی: ؎

بس سمجھ رکھ وقت آخر لا محالا ہو گیا
مسخراپن کیا ہوا منہ کا نوالہ ہو گیا

مستان: ؎

نقد جاں کب کا تمھارے نذر خالا ہو گیا
پوچھتی کیا ہو ہمارا تو دیوالا ہو گیا

(سہیلیوں اور مستان کا گانا)

چل چل ناکار......

(اشرف اور ظالم کا آنا)

اشرف:

(گانا)

جگ پتی مورا......
یا الٰہی۔ یہ کیسی ہے تباہی۔ ؎

دو دن کی زندگی میں رہے ہم مرے ہوئے
جوشِ الم نہ زرد کیا جب ہرے ہوئے

آہ۔ ایک والدہ کی کیا موت ہوئی۔ جو عیش و آرام کی امید فوت ہوئی۔ افسوس مجھ سافرماں بردار بیٹا۔ اور باپ سے دل ہٹیا۔ اگر چہ منھ پر وہ صاف ہیں مگر دل میں گرہ ہے۔ باطن میں افسردہ ہیں مگر ظاہر میں ہرے ہیں۔ ؎

ایک طوفان ہے غم و رنج میں رونا کیا ہے
نہیں معلوم کہ انجام میں ہونا کیا ہے

ظالم: (سائڈ میں) انجام۔ انجام میں ناشادی ہے۔ اس دولت مند خاندان کی بربادی ہے۔ او بے وقوف باپ کی اولاد۔ ؎

ابتدائے حال میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھ اب ہوتا ہے کیا

میری لگائی ہوئی آگ ایسی نہیں جو تیرے ان آنسوؤں کے پانی سے سرد ہو۔ یہ وہ درخت نہیں ہے جو تیری آہوں کے جھونکوں سے زرد ہو ؎

نمو اس اشک سے لیل و نہار ہے اس کی
تری خزاں سے ہمیشہ بہار ہے اس کی

(اشرف سے) کون میاں اشرف۔ میرے آقا کے نونہال۔ (سائڈ میں) میرے جی کے کال۔ (مخاطب) کیوں حضور کیا ہے حال۔

اشرف: حال۔۔ اچھا ہے۔

ظالم: آمین۔ آمین۔ خدا ایسا ہی رکھے، مگر ؎

حضور لاکھ چھپائیں مزاج دانوں سے
ٹپک رہا ہے ملال آپ کے بیانوں سے

اشرف۔ ظالم ؎

ہو اگر ایک مصیبت تو سنائے کوئی
لاکھ آفت ہو تو کیا تم کو بتائے کوئی

چمن کی بنیاد جس نے ڈالی
شجر سے گل، گل سے بو نکالی
ہوا ہے گلچیں وہی جو مالی
تو اب ہے گل بن کا کون والی

ظالم: واقعی حضور۔ عجب زمانے کا حال ہے۔ باپ کو بیٹے سے دشمنی بد زنی۔ توبہ توبہ یہ کیا جی میں ٹھانی۔ ؎

کیا قیامت ہے کہ ہو باپ پسر کا دشمن
جسم ہو جان کا اور دل ہو جگر کا دشمن

اشرف: نہیں ظالم۔ ابا جان کی کوئی خطا نہیں۔ یہ بھی میرے مقدر کا کھیل ہے۔ خدا جانے کیوں موت میں دیر ہے۔

ظالم: مگر حضور آپ نے کسی مارواڑی سے بیس ہزار روپے ادھار لیے ہیں۔

اشرف: نہیں بھائی ادھار تو نہیں بلکہ مجھ سے ان سنہری ٹوپی والوں نے پھنسا کر بیس ہزار کی دستاویز لکھوا لی۔ مجھے دھمکا کر اپنی گوڑی جما لی۔

ظالم: تو یہ بات ہے۔ تبھی کل آپ کی شان میں بڑے حضور نے وہ وہ باتیں کہیں کہ میرا تو دل جل گیا۔ سفارش کا ارمان خاک میں مل گیا۔

اشرف: ؎

کیا ہوا گر پھیر لی والد نے الفت کی نظر
دیکھنے والا ہے میرے حال کا وہ داد گر
دو گھڑی بھی دل نہیں لگتا ہے میرا آج کل
دیکھیے کیا رنگ لاتا ہے مقدر آج کل

(اشرف کا جانا)

ظالم: آہا۔ میرے فریب کے ڈھب کو کوئی پہچان سکتا ہے۔ مجھ کو شیطان بھی نہیں جان سکتا ہے۔ دیکھیے۔ ؎

بیٹے کو میں نے باپ سے بدظن بنا دیا

اور باپ کو بھی بیٹے کا دشمن بنا دیا
جو رہنما تھا اس کو تو رہزن بنا دیا
گلشن کو آگ پھونک کر گلخن بنا دیا
لاتا نہیں ہوں خوف و خطر کچھ نظر میں میں
کیوں کیسا ہوشیار ہوں اپنے ہنر میں میں

گانا

فطرت والا......

(جھمن اور کلن کا آنا)

کلن: اے جے گوپال شاہ جی۔ جے گوپال۔
جھمن: السلام وا علیکم۔
ظالم: کون کلن جھمن۔ واہ بھئی واہ خوب بنے ہو۔ واہ۔ ـــ
بنایا بھیس وہ تم نے جسے استاد سب مانیں
اگر بابا تمہارے دیکھیں تو وہ بھی نہ پہچانیں

کلن: ـــ
آپ ہی کے فیض سے یہ چالیں ہم کو یاد ہیں
ہم تو ہیں شاگرد حضرت آپ ہی استاد ہیں

جھمن: ـــ
واہ جی استاد کیسے آپ کے یہ پیر ہیں
آپ کیا شیطان کے بھی باپ کے یہ پیر ہیں

ظالم: چلو تیار ہو جاؤ۔ اڑا لاتا ہوں چڑیا کو۔ بچھاؤ دام تم اور میں پھنسا لاتا ہوں چڑیا کو۔

(گانا)

آؤ جی کس کے کریا............

کلن: اگر یہ مردہ پھنسا تو بڑی مرد ہاتھ لگی۔

چھمن: بے شک۔جاتا کہاں ہے خبیث۔

امیر: ظالم۔تو اس ناشدنی کی سفارش نہ کر۔ بتا بتا وہ لوگ ہیں کدھر۔

ظالم: حضور جانے دیجیے۔ ان لوگوں سے مل کر میاں اشرف کی کرتوتن پر اور بھی افسوس فرمایئے گا۔ کوئلے کو جتنا دھویئے گا۔ کالا ہی پایئے گا۔

کلن: اے جالم خاں جی لو اب نکال کر دیئو۔ حساب چکا دیو۔ نہ تو نہ کر ہم عدالت میں جاتو ہے اور کڑکی لاتو ہے۔

ظالم: سیٹھ جی کڑکی کڑکی کیا دھمکاتے ہو۔ کچھ حساب بھی دکھاتے ہو۔

کلن: حشاب۔ حشاب۔ دیکھو اے سمبت ۱۹۵۴ کے ماگھ شریش کے دن دو آنی جانی نائیکنی کے گھر میں منگوائے شات ہزار روکڑے۔ بمبئ گری کلدار۔

امیر: ارے ارے ظالم سنتا ہے اس مارواڑی کی گفتار۔رنڈی اور سات ہزار۔

کلن: اے شنو شنو میاں صاحب۔ سمبت ۱۹۵۴ کے پوس دو اماس اندھیری رات کو کھڑک سنگھ کے جوے خانے میں منگوائے بارہ ہزار۔ ہستک پوتے دستک جاتے روپیہ روکڑا بارہ ہزار۔

امیر: اف بارہ ہزار اور جوے کی ہار۔ اوننگِ خاندان تو کیوں نہ پیدا ہوتے ہی مرگیا۔ جان سے گذر گیا۔

کلن: ابے گڑ بڑ شو بڑ نہیں۔ شنو شنو میاں صاحب سمبت ۱۹۵۴کے پھاگن دو پونم کے دن جس وقت ہولی جلتی ہے اس وقت چونی لعل مدن لعل کلال کو چکا ے ایک ہزار۔ اب بیاج کی بات سنو۔ روکڑے بیس ٹکا۔

امیر: کیا کہا۔ بیس ٹکا۔

کلن: اے کیا کاؤں۔ باپ مرے گا پیسا چکے گا۔ ایسا تو روز کہتا ہے۔ پھر اس کو پیسہ کون دیتا ہے۔

ظالم: اچھا بیٹھو سیٹھ جی بیٹھو۔ ان صاحب سے بھی بات کرلیں تو تمھارا حساب صاف کردیں۔ کیوں حضرت آپ سے اور اشرف سے کہاں کی جان پہچان ہے۔

جھمن: سنو میرا نام جھمن خاں اٹھائی گیر ہے۔ بندہ اس شہر کے سب ڈاموں کا پیر ہے۔

امیر: یا الٰہی۔ اور شغل۔

جھمن: شغل چوری کرنا۔ ٹھگ کے کھانا مال حرام۔ زر ملے تو خون تک کرڈالنا ہے اپنا کام۔ ایسوں کاموں سے میرے دل میں نہیں اندیشہ چلے۔ کیوں کہ میرے باپ دادے کا یہ خاص پیشہ ہے۔

امیر: کیا آپ خون بھی کریں۔

جھمن: ہاں۔ ہاں خون بھی کریں اور آپ بھی مریں پر نہ ڈریں۔ یہاں تو پیسہ درکار ہے۔ خون کرنا کیا دشوار ہے۔جبھی تو اشرف مجھے پانچ ہزار دینے پر تیار ہے۔

امیر: اشرف۔ کس واسطے۔

جھمن: اسے ورثہ چاہیے اس واسطے۔ سنیے کل وہ میرے پاس آئے اور بولے کہ تم اگر کسی ترکیب سے میرے باپ کو بستر مرگ پر سلاؤ۔ مجھے کل جائداد کا مالک بناؤ تو پانچ ہزار پاؤ۔

امیر: یا خدا۔

ظالم: نہ گھبرایئے۔ ذرا ٹھیر جایئے۔

جھمن: اس نے تو کہا۔مگر ہم کو کب منظور ہوا۔ہمیں یقین تھا کہ آپ ہمیں نہال کرسکتے ہیں۔ پھر ہم کب آپ سے یہ چال کرسکتے ہیں۔

ظالم: ہاں بندہ پرور۔ میں ضامن ہوا کہ گر اس سے زیادہ نہ دلاؤں زر۔ کاٹنا میرا سر۔ مگر میرے آقا کو نہ پہنچانا ضرر۔

امیر: افسوس او نابکار۔ تجھ پر خدا کی مار۔ او بدسیر بدسگال۔ حقیقی باپ اور اس سے یہ چال۔ ظالم تو اس شخص کو تو کچھ دے دلاکر راستہ بتا۔ مگر

مارواڑی کو یہاں ٹھیرا۔ میں پولس کو بلاتا ہوں اور اس بدمعاش کو گرفتار کراتا ہوں۔

ظالم: اجی حضور یہ آپ کیا غضب کررہے ہیں۔ ابھی کچھ گھٹ بڑھ پر راضی ہونے کا ہو تو وہ بھی نہ ہو۔ پولس آکے اور سو دو سولے مرے گی۔ کیا آپ کے بیٹے کے دستخط جھوٹے ثابت کرے گی۔

امیر: یا خدا وندا۔ یہ کیسا پھندا۔ ہائے ظالم تو کیا اتنے روپے دینے ہوں گے۔

ظالم: نہیں آپ ٹھیریے۔ لاو سیٹھ جی حساب لاؤ۔

کلن: اے لو شاب آنک رولکھو ہے۔ آپ پڑھیے۔

جھمن: (سائڈ میں) کوئیں میں۔

کلن: (سائڈ میں) اے نہیں نالی میں۔

ظالم: تمھیں سناؤ۔

کلن: کاؤں لگاو۔ اے روکڑے بیس ہزار——وار نقد لیے ہیں اور فقط ایک ہزار اس پر بیاج کے چڑھ گئے ہیں۔ بدھوار ناگ پنچم سہی دستخط گو ماجی اماجی مارواڑی ہوتے۔

امیر: یا کرد گار اکیس ہزار۔

ظالم: خیر سیٹھ جی اکیس ہزار پر تو نہ مرو۔ جو حضور دیتے ہیں اس پر فیصلہ کرو۔

کلن: اے خان صاحب۔ اُدھر کو آو۔ اے اے ہشو کہ تم اے ہشو کے ہم۔

ظالم: ارے جا بھائی جا۔ مجھے کوئی دلال سمجھتا ہے۔ سنو پندرہ ہزار لو اور رسید لکھ دو۔

کلن: اے رام رام کرو۔ سیٹھ جی کیا سرکار ہم کو کڑی کی نہیں دیتو ہے۔

ظالم: اور جو اشرف کو گھر سے باہر کردیں۔ تو کیا لوگے۔

کلن: اس کی جان۔ یہ تم کو ڈبانے کا ہوے تو غریب بنیے کو مارو شاب۔ تمرے من آوے شو دیو۔ کاونگ تود دھوں۔

ظالم: جاو جاو۔ بس زیادہ لالچ میں نہ آؤ۔ ابھی ہم کوٹھی پر آتے ہیں تو تمھارا حساب صاف کرتے ہیں۔

کلن: ارے شائب تم غریب بیے کو مار ڈالا۔

(کلن کا جانا)

ظالم: (جھمن سے) جناب آپ کو بڑے حضور اس خدمت کے شکریے میں پانسو روپے نذر کرتے ہیں۔

جھمن: اچھا صاحب تو اب بندہ آداب عرض کرتا ہے ۔ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی ۔

(جھمن کا جانا)

امیر: اف باپ کی جان۔ اس کے لینے کا دھیان۔ الاماں۔ الاماں۔ بس ایسے ناخلف کو پاس رکھنا برائی ہے۔ اسے گھر سے نکال دینے میں بھلائی ہے۔

(امیر کا جانا)

ظالم: (امیر کے جانے کے بعد) تو کیا نکالے گا۔ او منذ کے گدھے میں تجھے اور اسے ہستی کے قلعے سے نکال کر نیستی کے ہولناک جنگل تک پہنچا دوں گا۔ عدم آباد کی سیدھی راہ بتاؤں گا۔ چند مدت میں میں نے وہ گل کھلایا کہ سنہری ٹولی والوں کو اپنا مددگار بنایا۔ اشرف کو ان کے جال میں پھنسایا۔ بیس ہزار کا تمسک لکھوایا اور اسی حیلے سے باپ اور بیٹے کی عداوت کا رنگ جمایا۔ ؎

نہ مجھ سا ایک جس میں ہے
نہ سو میں ہے نہ دس میں ہے
بشر جی میرے بس میں ہے
پھنسا ہوا قفس میں ہے

(امیر کا اشرف کی تلاش میں آنا)

امیر: کہاں ہے، کدھر ہے۔

مستان: (اشرف سے) وہ آتے ہیں نام ور۔

ظالم: (سائڈ میں) آگ اور گندھک کا سامنا ہوا۔ اب مکاری کی بندوق میں فریب کا بارود بھر کر ایسا دھناتا رسید کروں کہ باپ بیٹے دونوں مع بوریا بدنا غائب۔

اشرف: ابا جان تسلیم کرتا ہے یہ غلام۔

امیر: اے نافرجام۔ رہنے دے اپنا سلام وپیام۔

ظالم: (سائڈ میں) واہ رے میرے فن فریب کے بنائے ہوئے کل دار پتلے۔ کیا بات ہے۔ اچھی شروعات ہے۔

امیر: ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں چال سے تیری جگر۔

اشرف: ؎

ہو کسی ٹکڑے میں بھی گر میری الفت کا اثر
تو سنو کچھ عرض میری گوش دل سے اے پدر

امیر: بے حیا منھ زور کیا زانی شرابی تو نہیں۔

اشرف: جی نہیں ایسی حرام عادت کی مجھ میں بو نہیں۔

ظالم: (سائڈ میں) ؎ سیکھتا تو کیوں مرے مکتب میں اے الو نہیں۔

امیر: کیا جواری تو نہیں۔ وجہ خرابی تو نہیں۔

اشرف: لعنت ایسے کام پر مجھ میں تو ایسی خو نہیں۔

ظالم: اجی اس میں کیا جھمیلا ہے۔ کہہ دیجیے نا کہ بھول سے دیوالی کے دن کھیلا تھا۔

امیر: او بدذات۔ ؎ ساری عزت تو نے میری کھودی۔موذی بے حیا۔

اشرف: ؎ مجھ کو یہ سنتے ہوئے افسوس آتی ہے حیا۔

امیر: حیا آئی جسے اس نے ہے کب ایسا چلن سیکھا۔

اشرف: سکھایا آپ نے جو کچھ وہی میں نے تو فن سیکھا۔

امیر: میں نے سکھایا۔

اشرف: جی ہاں آپ نے ہی سکھایا۔

امیر: بدکاری۔ زناکاری۔

اشرف: جی نہیں برخورداری۔ فرماں برداری۔

امیر: فرماں برداری۔ بیسوا کی۔ مارواڑی کی۔

اشرف: اف مارواڑی۔

امیر: کیوں اے بے شرم۔ اب زمین میں نظر کیوں گاڑی۔

ظالم: جی ہاں حضور ایک دن دوستوں کی دعوت ہوئی تھی۔ اس لیے کچھ مارواڑی سے قرض لینے کی ضرورت ہوئی تھی۔

اشرف: نہیں نہیں یہ بات نہیں۔

ظالم: آپ ٹھہریے میں سمجھا دیتا ہوں۔

اشرف: جی ہاں ابا جان۔ مارواڑی مانگتا ہے مگر۔

امیر: بس۔ نہ کر اگر مگر۔ دور ہو میرے گھر سے بدگوہر۔ مجھے ہے سب کچھ خبر۔ او نابکار اکیس ہزار۔ رنڈی اور جوے پر نثار۔ لعنت ہے بدکار۔ رنڈی بازی میں ہوا نادار۔ لگا لوگوں سے لینے قرض ادھار۔ قرض خواہوں نے جب کیا حیران۔ تب لگا مارنے کو میری جان۔ بس نکل جا ہمارے گھر سے تو۔ اب نہ آنا ادھر سے تو۔ مستان۔ مستان...... مستان۔ کدھر گیا ہے بے ایمان۔

مستان: (سائڈ میں) ہائے ہائے رے جانا پڑا اس آن۔ ورنہ چھپ کے سب سنتا ظالم کی داستان۔

(امیر اور مستان کا جانا)

ظالم: صبر کیجیے حضور صبر کیجیے ۔میں تو لاکھ چاہا کہ کوئی اور ذکر نکالوں۔ بات ٹالوں۔ آگ پر پانی ڈالوں۔ مگر سرکار نے ایک نہ مانی۔ مجھے بھی

آپ کا شریک جانا ۔ میں بس یہی کہوں گا۔ جس نے آپ کی طرف سے بڑے حضور کے کان بھرے بس خدا اس کا بھلا کرے۔

اشرف: بس اب میں کسی اور جگہ کی ٹھوکر کھاتا ہوں۔ جاتا ہوں۔

ظالم: تو حضور میں بھی آپ کے سنگ آتا ہوں۔

اشرف: نہیں ظالم تو اس خدمت کے بدلے ایک اور خدمت بجالا۔

ظالم: فرمایئے جناب والا۔

اشرف: تو قسم کھائے گا۔

ظالم: حضور غلام جان سے جائے گا۔ مگر آپ کا حکم بجالائے گا۔ ۔

در وفا سے قسم ہے کہ بال بھر نہ ہٹے
گلا بھی کاٹ لے کوئی تو اپنا سر نہ ہٹے

اشرف: اچھا تو سنو۔ تم ایسے نیک آدمی سے چھپانا خیال خام ہے۔ میری ایک دل آرام پروین نام ہے۔

ظالم: مجھے سب خبر ہے عالی مقام۔

اشرف: خبر ذرا اس دکھیاری کی گاہے لینا تم۔ میری طرف سے اسے تسلی ہر صورت کی دینا تم۔

ظالم: اجی خبر تو وہ لوں کہ آپ بھی یاد کیجیے ۔تسلی تو وہ دوں کہ آفریں ارشاد کیجیے۔ مجھے کچھ آپ کا پاس تھوڑا ہے۔ یہ تو میرا فرض ہے۔ ہاں مگر یہ عرض ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے رقعہ لکھ دیں تو اور بھی اچھا ہوگا۔ انھیں یقین پورا پورا ہوگا۔

اشرف: ظالم۔ اس وقت ہجوم فکر سے میرے حواس ٹھکانے نہیں۔ تو ہی کچھ لکھ لا۔ میں دستخط کیے دیتا ہوں۔

ظالم: بہت خوب جناب ابھی لایا۔ (سائڈ میں) جیسا مریض کو چاہیے ویسا ہی طبیب نے فرمادیا۔

(ظالم کا جانا)

اشرف: (گانا)

ہار رہا کر لاکھ جتن............

(ظالم کا واپس آنا)

ظالم: لیجیے حضور اس پر دستخط کیجیے۔ (سائڈ میں) اپنے ہی ہاتھ اپنے پاؤں پر کلھاڑی دیجیے۔ دو گھنٹے میں جہاز عدن کو جائے گا۔ اس پر سوار ہو جایئے۔

اشرف: (دستخط کر کے) خیر میں چلا۔

ظالم: جاؤ خدا کو سونپا۔

اشرف: بندگی بھول نہ جانا۔

ظالم: پیٹھ دکھائے جاتے ہو، جلد منہ دکھانا (سائڈ میں) آنا بھی تو مر کر آنا۔

اشرف: ؎

خزاں کا دور ہوا اور صبا چمن سے چلی
ستم کی صبح ہوئی شمع انجمن سے چلی
ہزار حیف کہ چھوڑا وطن کو حسرت سے
نہ جاتے جاتے میری جان کیوں بدن سے چلی

(اشرف کا جانا)

ظالم: (سائڈ میں) تو عدن کو جاتا ہے۔ نہیں نہیں سیدھا ملک عدم کو جاتا ہے۔ اگر میری چالوں کا ناخدا تیرے ہم رکاب ہوگا، تو تیری زندگی کا جہاز موت کے سمندر میں غرق آب ہوگا ؎

پھانسا ہے اپنے کام سے، اپنے کلام سے
چھٹ کے کہاں پہ جائے گا اب میرے دام سے

باب پہلا ـــــــ سین دوسرا

جنگل

(پروین کا داخل ہونا)

پروین: (گاتا) کیسا جادو کیا......

ظالم: اوہو۔ یہی وہ حور ہے۔ جس کے عشق میں اشرف سا حسین جوان چور ہے۔

پروین: (گانا)

مے کو چھانڈے کون مندروا چھائے......

ظالم: (سائڈ میں) ہاں اب اس کے زخمی جگر پر ایک نیا وار کروں۔ دل فگار کروں۔ ہائے ہائے ادھر جاوں یا ادھر جاوں ۔کس سے پوچھوں کدھر جاوں۔ (پروین سے مخاطب ہو کر) کیوں نیک بخت یہاں کوئی پروین رہتی ہے۔ اگر جانتی ہو تو بتاو۔ مجھ پر رحم کھاو۔

پروین: خیر تو ہے ۔کس ضرورت سے آئے ہو۔ جو اتنا گھبرائے ہو۔

ظالم: خیر ہو یا شر۔ تم پروین کو پہچانتی ہو اگر۔ تو جلد بتاؤ۔ وقت نہ گنواؤ۔

پروین : پروین تو میرا ہی نام ہے۔ کہیے کیا کام ہے؟

ظالم : تو کیا میاں اشرف کی دل دار پروین گل عذار کیا آپ ہی ہیں؟

پروین: اشرف کون اشرف۔

ظالم: مرزا بیگ کے فرزند نیک نام۔

پروین: کیا میرا دل آرام۔ او خضر ثانی۔ تم پر خدا کی مہربانی۔ بتاؤ کہاں ہے

میرا جانی۔

ظالم : ہائے بی بی کیا بتاؤں۔ کہاں ہے۔ کدھر ہے۔ بڑی مصیبت کی خبر ہے۔

پروین: مصیبت ۔ کیا دشمنوں کا حال تو دیگر ہے۔

ظالم: اب تو خدا پر نظر ہے۔ ہائے اشرف تمھاری بربادی۔ یہ دن اور یہ نامرادی۔

پروین: اے نیک انسان۔ صاف صاف کرو بیان۔ میرا سن سن کے دم گھبرا رہا ہے۔ کلیجہ منھ کو الٹا آرہا ہے۔

ظالم: ہائے اشرف۔ اب بوڑھے باپ کو کفن دفن کون دے گا۔ اس کی دولت کون لے گا۔ (سائڈ میں) بندہ۔

دل ضعیفی میں ان کا توڑ چلے
بیٹا بابا کو کس پہ چھوڑ چلے

پروین: میرا پیارا۔ جان سے سدھارا۔

ظالم: جان سے تو ابھی نہیں۔ مگر ارمان سے سدھارا۔ اشرف خون کے جرم میں گرفتار ہوا۔ پھانسی کا سزاوار ہوا۔

پروین: ہیں پھانسی۔ کیا اشرف سے کوئی کار جنون ہوا۔

ظالم: ہاں بیگم۔ ان سے خون ہوا خون۔

پروین: خون۔ کیا تم نے سچ بات کہی۔ وہی اشرف وہی۔

ظالم: وہی بانو وہی۔ کیا جھوٹ کہہ کے تم سے کچھ لینا ہے۔ پاپ میں پاؤں دینا ہے۔

پروین: ہائے اشرف جانی۔ یہ کیا دل میں ٹھانی۔

ہائے کوئی آج ایسا بھی نہیں تقدیر سے
کام میں اشرف کے آوے کچھ زر و تدبیر سے

ظالم : ابی کوئی کام آئے یا نہ آئے۔ خود میں کیا کم ہوں۔ ان کے بدلے میں خود پھانسی پہ چڑھ جاتا۔ وفاداری دکھاتا۔ (سائڈ میں) اس کے باپ دادا کو پھانسی لگاتا۔ (مخاطب ہوکر) مگر افسوس سرکار کی عدالت میں یہ دستور

نہیں۔ ایک کے بدلے دوسرے کی جان منظور نہیں۔ افسوس آج میرے پاس پچیس ہزار ہوتے تو۔

پروین: کیا ہوتا۔

ظالم: تمھارا پیارا رہا ہوتا۔

پروین: رہا۔

ظالم: بے شک۔ اگر اس قدر روپے بطور جرمانہ عدالت کو دیا جاے تو وہ پھانسی نہ پاے۔ دیس پار کیا جائے گا۔ (سائڈ میں) مار توپ کا بچہ اللہ کا نام سچا۔

پروین: تب تو ان کے والد ہی ہیں اور سے کیوں یہ کام لو۔

ظالم: اجی اللہ کا نام لو۔

پروین: باپ بیٹے کے کام نہ آئے۔ کیسا خیال خام۔

ظالم: باپ اپنی شان و شوکت پر مغرور۔ بیٹا تمھارے عشق میں چور۔ باپ چاہتا تھا بیٹا رہے تم سے دور۔ بیٹے کو یہ نہیں منظور۔ بیٹا ایک نافرمان تو تھا ہی تس پر خونی بنا۔ ایک تو کریلا دوسرے نیم چڑھا۔ اب باپ بیٹے کے کام آتے شرماتا ہے۔ بیٹے کے مرجانے ہی میں اپنی نیک نامی بتاتا ہے۔

پروین: باپ کو بیٹے سے بیر۔ الٰہی خیر۔ ؎

گل و بلبل میں ہو نہ پیار افسوس
تجھ پہ اے باغ روزگار افسوس

ظالم: اجی ایک بار کیا ہزار بار افسوس۔ لاکھ بار افسوس۔ ارے ہاں۔ ہمت تیری بھول کی آنکھ میں دھول۔ لو بیگم یہ تمھیں جیل میں جاتے ہوے رقعہ لکھ دیا ہے۔

پروین: رقعہ۔ (پڑھ کر) پیاری پروین خدا حافظ میں جاتا ہوں۔

ظالم: جاتا ہوں۔ سمجھیں؟

پروین: جی نہیں۔

ظالم: یعنی دنیا سے جاتا ہوں۔

پروین: آہ (پھر پڑھنا) گھبرانا نہیں۔

ظالم: گھبرانے کی کون سی بات ہے۔

پروین: (پھر پڑھنا) ہم تم پھر ایک دن ملیں گے۔

ظالم: پھر ایک دن ملیں گے۔ یہ سمجھیں کس دن۔

پروین: نہیں کچھ نہیں۔

ظالم: یعنی قیامت کے دن۔

پروین: افسوس۔ (پھر پڑھنا) ظالم میرا بڑا خیر خواہ نوکر ہے۔

ظالم: خیر خواہ کیسا۔ میں میاں کی جوتیوں کی پھٹ پھٹ ہوں۔

پروین: (پھر پڑھتی ہے) میں امید کرتا ہوں کہ اس کے مشورے سے ہمیشہ فائدہ اٹھاوگی ۔ تمھارا جاں نثار اشرف دل فگار۔ اف کیا حسرت بھری تحریر ہے۔ خدایا خدایا مجھے موت دے کہ میں پیارے اشرف سے پہلے ؎

سرائے دہر میں جانے کا اہتمام کروں
وفا پہ مر کے تمام عاشقوں میں نام کروں

ظالم: خوب اگر تم مر جاوگی ۔ تو کیا پاوگی۔

پروین: غم سے رہائی۔

ظالم: واہ رے تمھاری دانائی۔ اجی وہ کام کرو کہ تم بھی جیتی رہو اور اشرف بھی قید سے چھوٹے۔ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

پروین: ؎

زر دے جو کوئی اس مرے جانی کے واسطے
بک جاؤں اپنے یوسف ثانی کے واسطے

ظالم: اجی بکے تمھارا دشمن۔ بک جاو کیوں۔ تم آپ ہزاروں کو مول لو۔ اپنے کو ہیرے موتی کے پلڑے میں تول لو۔

پروین : ؎

ہے اس طرح کی کہیے تو تدبیر کون سی
حکمت کرے گی آپ کی تاثیر کون سی

ظالم: تدبیر۔ ایک تدبیر اور بہت نیک تدبیر۔

پروین: کیا میری جان کی بربادی۔
ظالم: نہیں شادی خانہ آبادی۔
پروین: شادی اپنے پیارے وفادار سے۔
ظالم: نہیں ان کے پدر بزرگوار سے۔
پروین: ہیں۔ اشرف کے باپ سے۔
ظالم: اشرف کے باپ سے اور آپ سے۔
پروین: بس زیادہ نہ بے شعور ہو۔ میرے سامنے سے دور ہو۔

تجھ کو اشرف بنے ہے بھیجا غم گھٹانے کے لیے
یا کہ مجھ کو غم میں بے عصمت بنانے کے لیے

(گانا)

جاو جاو موہے۔ دانائی۔ چترائی......

ظالم: اچھا نہیں تو نہیں سہی۔ ہائے اشرف ہائے تیرا کوئی نہیں۔ جس پر تیری جان قربان ہے۔ اسے بھی تیرا نہیں دھیان ہے۔ تو میں جاتا ہوں۔
پروین: خدایا۔ خدایا میں کیا کروں۔ ایک طرف اپنی عصمت کا خیال ہے۔ دوسری طرف اشرف کی جان کا ملال ہے۔ بس اب یہی ترکیب ٹھیک ہے کہ اس کے ساتھ جاؤں۔ شادی کر کے اشرف کو چھڑاؤں۔ قید سے نجات دلاؤں اور پھر خود زہر کھا کر مر جاؤں۔ اپنی عصمت بچاؤں۔ چلو بھائی میں چلنے کو تیار ہوں۔

خدایا تو نگہباں ہے ہر اک بے کس کی حرمت کا
خداوندا تو حافظ ہے ہر ایک عورت کی عزت کا
خیال روح اشرف لے چلا ہے باغ عصیاں میں
نہ کھلائے ہو اے بد سے غنچہ میری عصمت کا
او دل دار۔ پیارا دل دار۔

ظالم: (سائڈ میں) ہاں ملا شکار۔ مفت کا شکار۔

باب پہلا —— سین تیسرا

محل

(ظالم، کلن اور جھمن کا آنا)

ظالم: واہ بھئی کلن جھمن واہ وا۔ یہ نوابی سوانگ بھی خاصا رچا۔

کلن: ابی بہت خاصا۔ اس مرتبہ مارواڑی بن کر آئے تو پندرہ ہزار پائے۔ اب کی تو نوابی شان ہے۔ پوبارہ کا سامان ہے۔

جھمن: یار یہ مرزا بیگ بھی عجب انوکھا ہے کہ ہم لوگوں کی جان نہ پہچان ایک دن کی علیک سلیک میں اتنا یارانہ۔

ظالم: تم بھی محض انگل کے واہی ہو۔ اگر دنیا میں ایسے بیوقوف امیر نہ ملیں تو ہم ایسے کا کام کیوں کر چلے۔

کلن: ہاں ظالم پروین شادی پر راضی تھی۔

ظالم: ابی تھی تو نہیں۔ مگر بتانا تو میرے ہی جوڑ توڑ کا کام تھا۔ جب بات میں بات گڑھی ہے۔ تب ہتھے پر چڑھی ہے۔

کلن: مگر اب دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ کھوسٹ بھی ہمارے تال پر آتا ہے کہ کچھ راگ گاتا ہے۔

ظالم: ابی آئے اور سو جان سے آئے۔ بھیا خدا نے حسینوں کو گوری رنگت میں کچھ عجب تاثیر بخشی ہے۔جسے دیکھ کر بڑے بڑے مولویوں کے دل سینے سے نکل پڑتے ہیں۔ اچھے اچھے لوگ پھسل پڑتے ہیں۔

جھمن: بس بس۔

یوں مارلیں تو کا ہے کو تیرو تفنگ آئے
چونا لگے نہ پھٹکری اور چوکھا رنگ آئے

ظالم: اچھا اب تم اندر جاؤ۔ جب میں مرزا بیگ کو لاؤں۔ تب تم بھی آنا۔ دولت مند بن کے گلا دبانا۔

(تینوں کا جانا)

مستان: واہ رے زمانہ اور واہ رے زمانہ کا حال۔ دوستی میں دشمنی کا خیال۔ شربت میں نیم کی چھال۔ ؎

ایماں کی جگہ ہے نہ یہ منزل ہے وفا کی
سچ پوچھیے تو آج یہ دنیا ہے دغا کی

یہ بھی کیا لطف ہے کہ ہم خیر خواہوں کی ایک نہ چلنے پائی۔ اور یہ دو مفلس گھر کے نواب اور ظالم خانہ خراب تین پاجیوں کا پواج کاوا دوا کر کے ماوا اور ملیدہ کھائے۔ مرزا بیگ سے گانٹھ کے پورے اور آنکھ کے اندھے دیکھنے میں تو کیا سننے میں بھی نہ آئے۔ ؎

دیکھ کر اندھیر یہ دل کیوں نہ رہ رہ کر جلے
واے بیدردی کوئی تاپے کسی کا گھر جلے

ظالم عجب ہے۔ یہ ایسا قہر ڈھائے۔

(ظالم اور مرزا کا داخل ہونا)

مرزا: ؎

اچھے ظالم دل بشر کا شیشہ ہے پتھر نہیں
جب پڑے سنگ ستم تو چور ہو کیوں کر نہیں
اس طرف بیوی کا غم اور اس طرف اولاد کا
دو بلائیں اور اکیلا دم ہے مجھ ناشاد کا

ظالم: یہ تو سچ ہے حضور۔ مگر پھر کیا کیجیے گا۔ پسر ہے جگر ہے۔ نہ غیر ہے نہ دگر ہے۔ خدایا تو ہی اس خاندان کی لاج بچانا۔ تو ہی اس گھرانے کو ٹھکانے لگانا۔

مستان: (سائڈ میں) سنیے کہتا ہے ٹھکانے لگانا۔ سر سہلانا، بھیجا کھانا اور فرانا۔ بدھو تیرا کسب میں نے جانا۔

مرزا: کیا کہوں ظالم ایسے نابکار لڑکے کے ہونے سے تو۔

ظالم: نہ ہونا بہتر۔ نہ ہونا بہتر۔ لو آتے ہیں نواب دونوں نام نامور۔ اچھا ہوا۔

مستان: (سائڈ میں) نان خطائی کے نواب اٹھائی گیرے چھٹے چور کے بھائی گل کٹے۔

کلن: تسلیم بجالاتا ہوں جناب بندہ۔

جھمن: کورنش گزارش کرتا ہوں قبلہ۔

مرزا: آہا ہا۔ آداب۔ آداب۔

ظالم: غلام بھی مجرا عرض کرتا ہے جناب۔

مستان: (سائڈ میں) لیجیے بی چپاتی جان مجرا کرتی ہیں۔ اور یہ دو ڈفالچی مطلب کے طبلہ پر فطرت کی تھاپ لگائیں گے۔

کلن: کہیے حضرت مزاج تو اچھے ہیں۔

مرزا: اچھے ہیں۔

کلن: کیوں کیوں خیر تو ہے۔ ظالم آخر بات کیا ہے۔ جب میں آتا ہوں، ان کو اداس ہی پاتا ہوں۔

ظالم: جناب کیا کہوں۔ عجب ناگفتہ بہ حال ہے۔ آپ کی اداسی کا باعث میاں اشرف کی بری چال اور جناب عالیہ کا انتقال ہے۔

کلن: اجی توبہ ایسی نالائق اولاد کا غم ہی کیا جو باپ سے دشمنی کرے۔ خضر کے بھیس میں رہزنی کرے۔ہاں بھابھی جان کی موت کا ضرور خیال ہے۔ جس سے واقعی ہم کو بھی ملال ہے۔

جھمن: مگر بھائی مرنا جینا تو زمانے کا معمول ہے۔ میرے خیال سے اب یہ غم بھی فضول ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے۔

ظالم: آج ان کی ہے کل تمھاری باری ہے۔

مستان: (سائڈ میں) اور اس کم بخت کو تو مرنا ہی نہیں۔

کلن: ہاں دوست تم بھی ناحق غم کھاتے ہو۔نئی شادی کر کے چاند سی بیوی کیوں نہیں لاتے ہو۔

آپ کا غم ٹال دے تدبیر اچھی ہے بہت
سر سلامت آپ کا گر ہے تو پگڑی ہے بہت

مستان: (سائڈ میں) لو سنو جو قبر میں پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے اسے بیاہنا ہے۔ چراغ گل پگڑی غائب۔ کیا چاہتا ہے۔

مرزا: دوسری شادی بڑھاپے میں۔

کلن: تو پھر ہرج کیا ہے۔ شادی میں تکرار۔ نئی بیوی سے انکار۔ تو یہ پھٹکار۔ مجھے کہو تو روز شادی کروں دو چار۔

مستان: (سائڈ میں) دو چار کیا۔ دو سو۔ دو ہزار۔ جو عورتوں کے لشکر ہے چکلے دار وہی تو ہے پرانا نواب نامدار۔

مرزا: اماں جاو بھی ۔ تم بھی کیا کہتے ہو۔

جب ضعیفی آگئی شادی کی رغبت ہے عبث
دانت جب منھ میں نہ ہوں تو ہے ہر اک نعمت عبث
بال جب پکنے لگیں ہوشیار ہونا چاہیے
صبح جب ہونے لگے بیدار ہونا چاہیے

کلن: ہُش۔ بال پکنے لگے۔ اماں یہ تو نزلے سے سفیدی چھاگئی ہے۔ ورنہ کیا تمھاری عمر اتنی آگئی ہے۔

ظالم: سرکار مجھے جب لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے بال بھی تو رستم کے باپ زال کی طرح سفید تھے۔ کیا وہ بوڑھا ہو گیا تھا۔

مستان: (سائڈ میں) ہاں میرا باپ بھئی پیدا ہوا تھا تو منھ میں دانت نہ تھے۔ تو کیا بوڑھا ہو گیا تھا۔

کلن: بھلا حضرت آپ کی عمر کیا ہوگی۔ بھئی واللہ ذرا سچ کہیے گا۔

مرزا: یہی کوئی برس ساٹھ ایک۔

ظالم: یہ لیجیے حضور مثل ہے کہ ساٹھا تو پاٹھا۔

چھمن: جب اسی تو لسی۔

مرزا: یار کیوں بناتے ہو۔ مل مل کے چھپاتے ہو۔

کلن: چھپاتے ہیں خوب بھائی۔ تمھیں اپنی قدر ہی نہیں ہے۔

ظالم: بے شک حضور خدا رکھے ابھی تو آپ کی عمر ہی کیا ہے۔ یہ تو پرانے زمانے کی ہڈیاں ہیں۔ آج کل کے جوان تھوڑے ہیں جو پچیس سے تیس برس ہوے کہ دنیا کے مزے کھو بیٹھے۔ جوانی کے نام کو رو بیٹھے۔ برانڈی اور وسکی پی پی کے جسم کو گلا دیا۔ چرٹ اور سگریٹ پھونک پھونک کے جگر کو جلا دیا۔

چھمن: اور کیا۔ ابھی تو واللہ تمھارے دانت بھی نہ ٹوٹے ہوں گے۔

مستان: (سائڈ میں) دانت تو نہیں ٹوٹے مگر آنت گلے میں پڑا چاہتی ہے۔

کلن: بس یاروں کی خاطر تمھیں شادی تو کرنی ہوگی۔

چھمن: کرنی اور ضرور کرنی ہوگی۔

مستان: (سائڈ میں) کفن کی تیاری۔

مرزا: ارے بھائی یہ تو تم سمجھو کہ مجھ بوڑھے آدمی کو اپنی لڑکی کون دے گا۔

ظالم: حضور یہ کیا دشوار ہے۔ صرف روپیہ درکار ہے۔ آج کل کے بعضے بعضے گھر والے جب روپوں کے توڑے پاتے ہیں تو ساٹھ کیا سو برس کے بوڑھے کو اپنی لڑکی دینے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔

کلن: ارے تو صرف باتیں بناتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کہیں اپنے آقا کی شادی کیوں نہیں ٹھیراتا ہے۔

چھمن: سچ تو ہے ظالم ۔ تجھ ایسا خیر خواہ ہو کے اپنے مالک کے گھر بسانے کی نہ پرواہ ہو۔ وحت نالائق کہیں کا۔

کلن: بے وقوف کہیں کا۔

مستان: گدھا کہیں کا۔

ظالم: اجی بندہ پرور۔اگر حضور کومنظور خاطر ہو تو ابھی ایک چندے آفتاب حاضر ہو۔

مرزا: کیا چندے آفتاب۔

ظالم: جی ہاں جناب ۔

عجب ہے حسن کا عالم ملی ہے نور کی صورت
بنائی ہے خدا نے سر سے پا تک حور کی صورت

کلن: اور اگر وہ خاندانی نہ ہو۔

ظالم: تو رسم نکاح خوانی نہ ہو۔ ہاں صرف غریبی سے لاچار ہے۔ جس سے نکاح کرنے پر تیار ہے۔

کلن: ارے تو دولت کی کسے پرواہ ہے۔ یہاں اچھی صورت کی چاہ ہے۔ بھلے مانس اب دیر کا ہے کی۔ لے جا۔ اس پری زاد کو لا۔ اپنے مالک کا گھر بسا۔ غم سے انھیں چھڑا اور جلد ٹھکانے لگا۔

مستان: (سائڈ میں) ہاں ہاں ٹھکانے لگا۔ غم سے نہیں تو دم سے چھڑا۔ بوڑھے کی قضا بلا۔ جا۔

کلن: یار ہم تو ہاتھی پر چڑھ کر چلیں گے بیاہنے۔

مستان: (سائڈ میں) دولھا کے جنازے کو دفنانے۔

جھمن: اور بھائی ہم تو اپنی جاگیر قلندر پور ریت میں دلہن کو دیں گے۔

مستان: (سائڈ میں) قلندر پور کون سا جھنیدر پور کے پاس والا تین سو زمین کی مارا مار اور قلندر پور کے جاگیر دار۔

مرزا: نہیں بھائی اس کی کیا ضرورت ہے۔ میرے اجڑے ہوے گھر کو بساتے ہو۔ یہ کیا کم عنایت فرماتے ہو۔

کلن: بھائی سنیے تو اب ظالم بھی انھیں نصیبوں سے ملا ہے ۔

مستان: (سائڈ میں) ہوں نصیبوں سے ملا ہے۔ کم بخت جیتی بلا ہے۔

کلن: میرے قریب پونے دو سو نوکر ہیں مگر وفاداری میں سب ظالم سے کم تر ہیں۔

مستان: (سائڈ میں) کانا ٹٹو اور بدھو نفر۔ گھر میں چوہے لوٹیں اور پونے دو سو نوکر۔

مرزا: مجھے امید ہے کہ ظالم میرا نمک ضرور حلال کرے گا۔

دونوں: ضرور حلال کرے گا۔ ضرور حلال کرے گا۔

مستان: (سائڈ میں) ضرور حلال کرے گا۔

(ظالم پروین کو لینے جاتا ہے)

ظالم: دیکھو پروین وہ مرزا بیگ ہیں۔ بس اگر اشرف کو چھڑانے کا خیال ہو تو وہی میری بتائی ہوئی چال ہو۔ لیجیے حضور آپ آگئیں۔

مرزا: آیئے بیگم آیئے۔ یوں بیٹھیے نا۔

پروین: (سائڈ میں) ؎

لگی کٹاری جگر میں کاری خدا کرے دل میں تیر بیٹھے
جوان عورت کے ساتھ یا رب مگر نہ خاوند پیر بیٹھے

کلن: (سائڈ میں) تال تو اچھی جمائی۔

ظالم: (سائڈ میں) چوکھٹا کیسا رچا۔

جھمن: (سائڈ میں) بس اب اس کا کام ہو تو آرام ہو۔

ظالم: (سائڈ میں) ؎

تو نہ گھبرا آج ہی انجام بھی لاتا ہوں میں
راہ قبرستان کی بوڑھے کو دکھلاتا ہوں میں

مستان: (سائڈ میں) ؎

کانا پھوسی کر کے تینوں کرتے ہیں یہ گھات کیا
کچھ سمجھ پڑتی نہیں یہ ہو رہی ہے بات کیا

مرزا: منہ بولا بھائی اور پھانسی سے رہائی۔ پچیس ہزار۔ بہت اچھا۔

مجھے منظور دل تو لے چکی چاہو تو جی لے لو
تمھیں درکار ہو جو آج ہی لے لو ابھی لے لو

کلن: (سائڈ میں) یہ سنا۔ پچیس ہزار تو اپنے باپ کے ہو چکے۔

ظالم: (سائڈ میں) باپ کے۔ دادا کے۔ پردادا کے۔

مرزا: کل نکاح ہوجائے تو خوب رشک حور ہے۔

پروین: میں خوش ہوں اس میں جو اللہ کو منظور ہے۔

کلن: (سائڈ میں) یہ کل ہی شادی کر لینے کا کرتا ہے خیال۔

ظالم: (سائڈ میں) پرسوں تک جیتا ہے کب نادان کل اس کا ہے کال۔ ؎

عاشق بنا کے اس کو بزن اور بکٹ ملے
لٹ پٹ چکے تو ملک عدم کا ٹکٹ ملے

مرزا:

خیر آؤ چل کے دوں میں زر تمھیں پچیس ہزار
بھائی بھی چھوٹے تمھارا اور تمھیں بھی ہو قرار
زر تمھارا گھر تمھارا غم نہ اب کوئی کرو
میں تمھارا دم بھروں، تم میری دلجوئی کرو

مستان: (سائڈ میں) ہائے ہائے بوڑھا تو موم بتی کی طرح پگھل چلا۔

مرزا: ؎

آؤ اے دوستو کہ دل انکار میں ہوا
زلفوں میں اس صنم کی گرفتار میں ہوا

ظالم: رہے جوڑا سلامت خانہ آبادی مبارک ہو۔

دونوں: دلہن و دولہا کو یا اللہ یہ شادی مبارک ہو۔

ظالم: (سائڈ میں) قبرستان میں۔

پروین: (سائڈ میں) انھیں شادی مجھے دم بھر میں بربادی مبارک ہو۔

جھمن: مگر یہ تو کہو بھائی کہ شادی کس دن ٹھیرائی۔

مرزا: شادی۔ بس آج منگنی کل برات۔

کلن: لانا پلاؤ کا ہاتھ۔ ظالم اب اس وقت بھی منہ دیکھتا ہے۔ جاجا۔ ذرا شربت کے پیالے لا۔ اپنے دوست جام شادی نوش کریں۔ غم دین و دنیا فراموش کریں۔

ظالم: بہت مناسب حضور میں خود شربت بنالاتا ہوں (سائڈ میں) اپنے ہاتھ سے

جام اجل پلاتا ہوں۔

کلن: اب ذرا ان ڈومنیوں کو بلانا چاہیے۔ دو گھڑے کے واسطے گانا بجانا چاہیے۔

ظالم: بہت خوب حضور۔ کون ہے مستان۔ آ میرے ساتھ شربت کے پیالے اٹھالا۔

مستان: بہت خوب۔ چلیے جناب والا۔

(گانا ڈومنیوں کا)

دلھنیاں بنارہے ہیں تورا راج..........

ظالم:

لو صاحبو، خوش وقت میں اب جام شادی کا پیو
دولھا دلھن کی مل کے شادی کی مبارک باد ہو
جوڑا سلامت تا ابد با عزت و تمکین ہو

سب :

آمین ہو، آمین ہو، آمین ہو، آمین ہو

کلن: (سائڈ میں) جوان بیوی سے بوڑھا چونچلا کیا رنگ لاتا ہے۔

چھمن: (سائڈ میں) یہ بوڑھا ریشہ خطمی ہو گیا۔ لپٹا ہی جاتا ہے۔

ظالم: (سائڈ میں) اف

دو گھڑی اس نے جو دل کو خوش کیا تو کیا کیا
زیر خنجر گر کسی نے دم لیا تو کیا لیا

کلن: زیر خنجر۔

ظالم: ہاں جو پیالہ شربت کا امیر کے لیے بنا لایا ہے۔ اس میں ایک قسم کا زہر ملایا ہے۔ پورے چوبیس گھنٹے میں اپنا کام کرے گا۔ امیر کو تمام کرے گا۔

مرزا: ظالم۔

ظالم: حضور حاضر ہوا۔ ارشاد۔

مرزا: جا کر جلد تر۔ پوشاک بیگم کے لیے سلوا کے تو تیار کر۔ بات سن۔ پچیس ہزار۔ اس بدھ کو ہے درکار زر۔ ہنڈی لے۔ لا زر ابھی لادے یہاں انبار کر۔

ظالم: بہت خوب۔

مرزا: وہ جو وصیت نامہ بدگوہر اشرف کے نام ہے۔ اسے میرے وکیل ممتاز خاں کے پاس لے جا اور اشرف کا نام خارج کرا کے اس کا نام لکھالا۔ آج سے اشرف باطل ۔ساری ملکیت پر پروین داخل۔

کلن: سبحان اللہ ۔ آپ کی سخاوت دیکھ کر مجھے اس وقت حاتم یاد آتا ہے۔

چھمن: اجی یہ فیض حاتم کو بھی شرماتا ہے۔

مرزا: او پیاری۔ اب کل کے لیے عروسی کا سامان کرو۔ اپنے چاہنے والوں کا پورا ارمان کرو۔

(سب کا جانا)

مستان: واہ

ضعیفی آگئی پھر بھی ہوس کی بو نہ گئی
سیاہی منھ کی گئی دل کی آرزو نہ گئی۔

(گانا)

دھرم شرم کھوئے نیک ڈھنگ کی سب بتیاں ......

(ظالم کا داخلہ)

ظالم: (خود کلامی) گھی کھانا شکر سے اور دنیا کمانا کر سے۔ تھوڑے داو پیچ میں پچیس ہزار کی رقم ہاتھ آئی اور آئندہ کی امید نے راہ پائی۔ اشرف عدن

میں دفن ہوگا۔ بوڑھا کل قبر میں زیر کفن ہوگا۔ بندہ بے کھٹکے مگن ہوگا۔ وکیل کے پاس جانا اور وصیت نامہ پروین کے نام لکھانا۔ یہ کس استاد نے سکھایا۔ کس بیوقوف کو بھایا۔ کیوں وکیل کو کچھ دے دلا کر ملالوں اور اپنا نام وصیت نامہ پر داخل کرا لوں۔ بیشک یہ تدبیر نشانہ پر تیر ہے۔ آتی بھی نہ لے وہ بے وقوفوں کا پیر ہے۔ شادی کی دوڑ دھوپ میں امیر سے وصیت نامہ پر دستخط کراوں۔خود مالک بن جاوں اور ان دونوں کا ٹھ کے پتلے حرام خور کلفن جھمن کو بھی بُتا بتاوں تو سچا ظالم کہاوں۔

(گانا)

چلتا پرزہ ہوں عیار..........

باب پہلا ـــــــــ سین چوتھا

دمڑی بیگ کا مکان

دمڑی: یا اللہ وہ نوٹ گئی کہاں۔ ہاے ہاے میری نوٹ۔ میری نوٹ۔ یہاں بھی نہیں۔ وہاں بھی نہیں۔ تو کیا آسمان نے چرا لی۔ زمین نے دبا لی یا کتیا بجلی نے چھپالی۔

(گانا)

ہاے ہاے نوٹ میں کھوٹ پڑی۔
قسمت لو پھوٹ گئی ....

دنیا میں سگے باپ کا بھی بھروسا نہیں۔ کوئی صاف سچا نہیں۔ حقیقت میں بڑھاپا برا ہے۔ مگر مجھ کو تو اس میں بڑا نفع ہے۔ بڑھاپے میں خرچ کم ہوتا ہے اور جوانی میں خرچ کے مارے ناک میں دم ہوتاہے۔ مگر میں نے بڑی بیوقوفی کی ۔ پہلے سے میں ایسا جانتا تو بوڑھا ہی پیدا ہوتا۔ جب تک میری جو رو زندہ تھی۔ تب تک میرا خرچ کے مارے برا حال تھا۔ ٹاٹ الٹ جانے کا خیال تھا۔ خیر شکر ہے اس کا کہ وہ کمبخت مری۔ مگر مر کر بھی خرچ میں نہ کوتاہی کی۔ کفن دفن میں ناحق دو سوا دو روپے کی تباہی کی۔ بجلی او بجلی۔ دیکھیے پکارتے پکارتے ہارا۔ مگر کوئی نہ ڈکارا۔ کھانے کو چھ چھ بار تیار۔ مگر کام کے نام سے بخار۔ بجلی ارے او بجلی کی بچی۔

(بجلی کا آنا)

بجلی: آئی۔ کیا آپ نے بلایا۔

دمڑی: نہیں۔ تمھارے باپ نے بلایا۔ منھ کیوں چھپاتی آئی۔ کیا کوئی چیز چرا کے کھائی۔ وہ نوٹ تو نہیں چبائی۔

بجلی: اوئی۔ بندی کیا کوئی چٹوری ہے۔ اپنی گانٹھ کا کھاؤں۔ اس میں بھی کوئی چوری ہے۔ آپ کے گھر تو ٹنڈی کا تلا پکتا ہے۔ کتا بھی روٹی کو تکتا ہے۔ دو وقت کھانا پاتی ہوں۔ مگر پیٹ بھر کھانے کی قسم کھاتی ہوں۔

دمڑی: تو کیا سو سو وقت کھائے گی۔ کھاتے کھاتے مرجائے گی۔

بجلی: جی ہاں۔ گھر کا کام دھندا بھی کریں اور بھوکے بھی مریں۔

دمڑی: ہم تو سچ کہیں۔ ہمارا بس چلے تو نہ کھائیں نہ پئیں۔ سونگھ سونگھ کے جئیں۔

بجلی: تو آسمان سے فرشتے آئیں گے ۔ جو آپ کی ماما گیری بجائیں گے ۔

(گانا)

اے جی کھاؤ کھلاؤ............

دمڑی: ۔

تو دیوانی ہے۔ کیا جانے کہ پیسہ کیسے آیا ہے
مہینوں روزے رکھے۔ صبح کا کھانا بچایا ہے
بہت فاقے کیے یاروں کے گھر جا جا کے کھایا ہے
گرا پیسہ جو کیچڑ میں تو دانتوں سے اٹھایا ہے
پھٹے کپڑوں میں دن کاٹے مروت سب سے توڑی ہے
کہ کوڑی کوڑی کر کے اتنی مایا میں نے جوڑی ہے

بجلی: نوج دولت یہاں کام نہ آئی تو کیا عاقبت میں کام آئے گی۔

دمڑی: تو کیا اپنا گھر لٹا دوں۔ محلے والوں کو کھلا دوں۔ بس دور میرے سامنے سے چلی جا۔

بجلی: یہ میری نمک حلالی کا نتیجہ۔

دمڑی: نمک حلالی۔ لوٹ کھانے والی غلامڑی۔ نمک حلال نوکر دنیا میں ہیں

کہاں۔ بس نوکر چاکر کچھ نہ رکھوں گا۔ خود کھاؤں گا۔ خود پکاؤں گا۔ خود جھاڑو دوں گا۔ خود برتن مانجوں گا۔ خود جہنم میں جاؤں گا۔

بجلی: یا وحشت تیرا آسرا۔

(بجلی کا جانا)

دمڑی: ہائے ہائے خدا نے کیوں مجھے انسان بنایا۔ کیوں نہ شیطان بنایا۔ کہ ان موذی لٹیروں کو ہنکاتا۔ کان پکڑ پکڑ کر جہنم میں پہنچاتا۔

(باقر کا آنا)

باقر: بندگی عرض ہے مرزا صاحب۔ کہیے مزاج شریف ۔ طبیعت تو درست ہے۔

دمڑی: جناب کیا عرض کروں بہت ہی ست ہے۔

باقر: خدا نہ کرے یہ کب سے۔

دمڑی: (سائڈ میں) تو آیا ہے جب سے۔ (مخاطب ہو کر) جناب کل شب سے۔

باقر: خدا رحم کرے۔ کل میری بیوی نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ کے دشمنوں کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔

دمڑی: اوہو۔ تمھاری بیوی نے مجھے خواب میں دیکھ پایا۔ تمھیں رشک نہ آیا۔

باقر: آپ بھی دل لگی کرتے ہیں۔ رشک کس بات کا۔ اگر میری بیوی میں پارسائی ہے تو خواب میں کیا برائی ہے۔

دمڑی: ٹھیک پارسائی ہے۔ جب ہی پرائے مردوں کو خواب میں دیکھا کرتی ہے۔

باقر: پرائے کیسے۔ آپ تو اپنے عزیز ہیں۔ سارے دوستوں میں ایک چیز ہیں۔

دمڑی: (سائڈ میں) شاید کچھ مانگنے آیا ہے۔ جبھی یہ لمبی چوڑی گاتا ہے۔

باقر: آپ جانتے ہیں میں کیوں آیا ہوں۔

دمڑی: جی نہیں۔ (سائڈ میں) کہیں جلد دفعان ہو خدایا۔

باقر: مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔

دمڑی: (سائڈ میں) اب کاٹا۔ قینچی نکالی لا کلام۔

باقر: مجھے ایک پچاس روپے کی سخت ضرورت ہے۔ اس وقت لطف ہو تو عین عنایت ہے۔

دمڑی: بھائی اب کہوں گا تو آپ کہیں گے کہ روپیہ رکھ کر مکرتا ہے۔ میرا منھ خالی کرتا ہے۔ اگر اس وقت کفن کو بھی ایک کوڑی ہو تو آپ کے کفن کو لگے۔ سامنے کی آنکھ پھوٹے۔

باقر: تو کیا مضائقہ ہے۔ اس وقت نہیں تو صبح تک کسی سے لے کر میرا کام چلادینا۔ پھر ہفتہ دو ہفتہ میں واپس لے لینا۔

دمڑی: کیوں نہیں ضرور۔

باقر: تو بس میں پھر آؤں گا۔ آپ کو گھر پہنچانے کی تکلیف نہ ہوگی۔ خود لے جاؤں گا۔

(باقر کا جانا)

دمڑی: بڑی.....بڑی مہربانی۔ (باقر کے جانے کے بعد) کیا اچھا بنانے آیا۔ جھوٹا خوشامدی۔ چھوٹے بڑے جتنے اکٹھے ہیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ بجلی۔ بجلی۔ اب باقر آئے تو ہرگز نہ آنے پائے۔ کہہ دینا کہ میں کہیں گیا ہوں۔

بجلی: کہاں۔

دمڑی: کہیں۔ ڈھاکہ۔ بنگالہ۔ لنکا۔ پلنکا۔ چولھے میں۔ جہنم میں۔اب جو اسے دیکھوں گا تو تیرا سر توڑ ڈالوں گا۔

(دمڑی کا جانا)

بجلی: آج یہ بوڑھا بیل کہیں گھاس تو نہیں چر آیا ہے۔ بات کرتے کاٹنے دوڑتا ہے۔ باقر کا تو غصہ اور سر میرا توڑتا ہے۔ جب سنیے تب وہی بے تکی ہانکتا ہے۔ وہی مثل ہے مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

(گانا)

دیکھو بوڑھا۔ بجو کی طرح آنکھیں دکھائے......

(روپا کا آنا)

روپا: دود لے دود۔

بجلی: روپا۔ ابھی تو دودھ دے کے گیا۔ پھر کیوں آیا۔

بجلی: لے دود۔ کوئی آے کہ نائے۔ دروازہ کھلا۔ سناٹا ۔ لے دود۔

بجلی: روپا۔ روپا۔ بے پوچھے کچھے گھر میں گھس آئے ۔ باہر چلو باہر۔

روپا: کاہے۔ کوؤ چور چمار آئی۔ جو باہر جائی۔ بجوری رانی مجاج تو سرپا ہے۔ دود لے دود۔

بجلی: بے بلائے گھر میں گھس آئے۔ جو میاں دیکھ لیں تو۔

روپا: کون میاں۔ تمرو خاوند۔

بجلی: کیا بکتا ہے نگوڑے۔ ہمارے آقا۔ ہمارے مالک۔

روپا: او بڑے میاں۔ بڑے میاں کِت آئے۔ ہم کا اُو ے کام آئے۔ تنک جا کے پٹھائی دیا ،کھوا آیا۔بلادیا۔

بجلی: بُلا کہاں دوں۔ میاں تو سو رہے ہیں۔

روپا: سووت آئے۔ ساڑھے دو بجے لاگے۔ اور اجوں تک ناہیں جاگے۔ جگاو۔ جگاو ۔ آنسو نہ بہاو۔ ارے دمڑی۔ دمڑی ہوت۔

بجلی: اجی توبہ توبہ باز نہیں آتے ہو۔ کیا غل مچاتے ہو۔

(گانا)

تہار مندر راما۔ دیپک جرے...........

(دمڑی کا آنا)

دھڑی: کون ہے۔ کیوں شور مچاتا ہے۔

روپا: شور ناہیں مچاتا ہے۔ دیپک راگ گاتا ہے۔ تو ساڑھے دو بجے بھی ناہیں جاگت آئے۔ ہم کا سرم لاگت آئے۔

دھڑی: تو ہے کون رذالا۔

روپا: روپا۔ مکھنیا دود والا۔

دھڑی: تو چاہتا ہے کیا۔ کیوں آیا ہے یہاں ۔

روپا: سنی آپنا دھام جاکے دیکھیو تو۔ اری ناہیں مو بھولت ہو۔ تہار کچھو گم گوا آئے۔

دھڑی: ہاں ہاں ایک تھیلی۔

روپا: تھیلی ؟

دھڑی: ارے بھائی کیا تو نے پائی۔

روپا: ٹھیرو میاں جی تنک دھیر راکھو۔ کون جانے او تھیلی تمہری آے کہ دو سجے کو کی۔ بھلا تور تھیلی کا رنگ کا رہا۔

دھڑی: کالا۔

روپا: کالا۔ اور او میں کا رہا۔

دھڑی: نوٹ۔

روپا: کتنے کا۔

دھڑی: پچاس کا۔ اس پر میرا نام بھی لکھا تھا۔

روپا: چلگا۔ ٹھیرو۔ یہ لے اب سے جتن سے راکھو۔ تئیں پھر چرا جاوے۔ کہیں گنوائی دیوے۔ لے جات ہوں رام رام۔ دود لے دوو۔

دھڑی: ہیں ہیں چلے۔کہاں۔

روپا: اپنو گھر اور کت۔

دھڑی: آو۔ آو۔ادھر آو۔ لو یہ دو پیسے اپنی ایمانداری کا انعام لیتے جاو۔

روپا: بس بس۔ اپنا ! نام و نام کھیسے میں دھر۔ کا ہمیں ایمان بیچت آئے۔ واہ جی واہ۔ غریب جان کے ایمان کے دام چکاوت ہو۔ بے آبرو بناوت ہو۔

دمڑی: نہیں۔ یہ دو پیسے میری خاطر سے لے لو۔

روپا: لے لئی کا ہے خیرات۔

دمڑی: تو نہ لوگے۔

روپا: کاہے لئی۔ کاہے۔

دمڑی: کیا سبب۔ شاید کم ہو۔ اچھا لو چار پیسے لو۔

روپا: واہ میاں تو ہے کئی جون کہا کہ اے ہم نہ لیوے۔ پھر کا لالچ دلاوت ہیں۔بھکاری جانت ہو جو چار پیسے دکھاوت ہو۔ مور دھرم ناس بناوت ہو۔

دمڑی: چلو اچھا ہوا چار پیسے بچ گئے۔ ورنہ مفت میں نقصان ہوتا۔ بھلا اس پیشہ میں تمھیں کیا نفع ہے۔ مہینے میں کیا مل جاتا ہے۔

روپا: تم کا ٹکس کے منشی ہو یا کلکٹر ہو۔ جو پوچھت ہو۔ خیر سنے۔ اے ہی کچھ دس بیس روپیہ مہینہ اور تھوڑا سا دود پیتا کلجگ جمانے دانے چار کو کال۔ ڈھور ڈنگر پر وبال۔تس پر کال۔ بچاری پیٹ بھر کھانے کو نہ پائے تو دود کہاں سے لائے۔ ہاں دود میں پانی ملاؤں۔ ایک ایک کے دوئی دوئی پاؤں۔پرمو اس کام پر نالت کرت ہوں۔ تھوڑے ہی میں پیٹ بھرت ہوں۔ بے جیان گئوا تو نخالس دے اور انسان بے ایمان بن کر پانی کا میل کرے۔ بڑی سرم کی بات آئے۔

دمڑی: شاباش بھائی شاباش۔ بھلا تم نوکری کرسکتے ہو۔

روپا: نوکری کون بات کی۔

دمڑی: اس بات کی کہ سچ بولو۔ جھوٹ پر زبان کھولو۔

روپا: یاماں کون بڑی بات آئے۔یہ تو اپنو دھندو دن رات آے ۔ بھلا کا دیئو۔

دمڑی: خوراک اور پچیس روپے۔ ارے ارے۔ پندرہ نہ بیس ایک دم پچیس اور پھر خوراک۔ اس کے منھ میں خاک۔ خیر۔ چوتھے چوتھے روز جمال گوٹہ کھلایا کروں گا۔ یوں خوراک بچایا کروں گا۔ نوکری مل گئی بھائی تو اب سنبھالو۔ مجھے اس لومڑی بجلی سے بچالو۔ گھر کا کام دیکھو بھالو۔

روپا: ٹھارو۔ پچیس روپیہ دوگنا تو بھئیو۔ پرنتو میاں جی کہیں اُس نہ ہو کہ لالچ

کا آدھار روپیہ کو مار مور لگا ہوا بے پار چھڑائے اور جو چار روز میں تو دھتا بتائے تو یا ہو جائے وا ہو جائے۔

دمڑی: نہیں نہیں اگر تو سچ بولے گا۔ میں تجھے جان سے زیادہ چاہوں گا۔ اپنا قول نباہوں گا۔

روپا: اور پچیس روپے پگار۔

دمڑی: خوشی سے لاکھ بار۔

روپا: اچھا تو حُجور لاو کام بتاو۔ اے دود آپ پی جاو۔ ناہیں تو بجوری کا پلاؤ۔

دمڑی: پینے پلانے سے کیا کام۔ اندر رکھ آؤ۔

(روپا کا جانا)

شکر ہے کہ ایمان دار نوکر ہاتھ آیا۔ سچا پچیس ہی میں پایا۔ مگر میرا نام بھی دمڑی بیگ ہے۔ فضول خرچی حرام ہے۔ پچیس کے بدلے بائیس کم پچیس بھڑاؤں گا۔ کچھ دوں گا۔ کچھ دلاوں گا۔

باب پہلا ——— سین پانچواں

مرزا بیگ کا مکان

(گانا)

مورا بالا جو بنوا............

(لوگوں کا آنا)

کلن: دلھن بھی آگئی لو صاحبو تیار بن ٹھن کے۔
پروین: (سائڈ میں) کفن کے واسطے میں آئی ہوں یاں پر دلھن بن کے۔
ظالم: ہے مبارک وقت پھر اب عقد میں ہے دیر کیا۔
قاضی: لیجیے یہ مہرنامہ بھی ہے میں نے لکھ رکھا۔
ظالم: اور وصیت نامہ بھی لایا ہوں میں جا کر لکھا۔
مرزا: سامنے اپنے لکھایا۔
ظالم: اور خود بھی پڑھ لیا۔ لیجیے حاضر ہے یہ ہو آپ کو پڑھنا اگر۔
مرزا: میں نہیں اس وقت پڑھ سکتا۔ ذرا پھرتا ہے سر۔
کلن: کیا ہوا ہے۔ خیر تو ہے۔
مرزا: کچھ ہے گرمی کا اثر۔
ظالم: دستخط کیجیے۔

(دستخط کردیتا ہے)

دونوں: جلد باندھو عقد صاحب۔

قاضی: مہر کیا باندھوں بھلا۔

مرزا: یہ وصیت نامہ ان کے مہر میں میں نے دیا۔ صاحبو بس اب سے اس گھر بھر کی یہ حق دار ہے۔ جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے مختار ہے۔ اور آج میرا وفادار ظالم اور میرے یار غار متو نواب اور ننھے نواب میری عدم موجودگی میں ان کے سرپرست ہوں گے۔ میری ریاست کے مہتمم بندوبست ہوں گے۔

قاضی: یا الٰہی خوش رہیں دولھا دلھن آٹھوں گھڑی۔

مرزا: اُف کلیجہ کٹ گیا۔اک دل پہ برچھی سی پڑی۔

کلن: یہ کیا ہے غضب۔ ہائے کیسا ستم۔

جھمن: گئی جان ان کی چلا ان کا دم۔

مرزا: اُف پھولا نہ پھلا۔ پروین۔ میں دنیا سے چلا۔

پروین: خدایا۔ خدایا۔ یہ کیا ہوا۔ ہائے یہ تو موا۔

ظالم: ہائے ہائے یہ کیا ستم ہوا جو آقا بے دم ہوا۔ کس ظالم کی نظر کھا گئی جو جوان دولھا کی قضا آگئی۔

پروین: یا خدا۔ بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہوگیا۔

کلن: ہائے دم جاتا رہا۔

جھمن: بس یہ تو ٹھنڈا ہوگیا۔

ظالم: اے کوئی دوڑو۔ کوئی آؤ۔ کسی کو دکھاؤ۔ کسی کو بلاؤ۔

جھمن: صبر کرو بھائی صبر کرو۔ نہ رو اے میرے یار کے جاں نثار۔ قضا پر کسی کا نہیں اختیار۔

ظالم: مجھے مرنے دو صاحبو۔ مجھے مرنے دو۔ تم سے جو ہو سکے تو تم بھی مرو۔ آقا تو چل بسے۔ پھر ظالم روئے نہیں تو کیا ہنسے۔

کلن: ارے بھائی رونے دھونے کو آگ لگاؤ۔ انھیں یہاں سے اٹھاؤ۔ کسی حکیم کو دکھاؤ۔ شاید کچھ جان ہو تو دوا کا سامان ہو۔

(سب کا جانا)

پروین: افسوس جس کے لیے میں نے یہ رسوائی اٹھائی۔ جان تک دینے آئی۔ اس کی نہ ہوسکی رہائی۔ نہ امیر سے بیاہی نہ میری موت آئی۔ اب کیسے ہو اشرف کی رہائی۔ یا الٰہی دہائی ہے دہائی۔

(اشرف کا داخل ہونا)

اشرف: اللہ رے مقدر اور مقدر کی نارسائی۔ آوارہ وطنی چاہی وہ بھی بن نہ آئی۔ جب تک میں پہنچوں جہاز عدن کو روانہ ہو گیا۔ قسمت کو برائی کا بہانہ ہو گیا۔ پیاری پروین کے گھر آیا تو اسے بھی نہ پایا۔ خدا جانے کہاں سدھار گئی۔ جو مجھے بے موت مار گئی۔ خیر۔ ؎

ملوں ظالم سے پوچھوں حال وہ سب جانتا ہوگا
کہ اس نے خط دیا ہوگا زبانی بھی کہا ہوگا
مگر ظالم کو بلواتا کسی سے یاں برا ہوگا
خبر والد کو گر ہوگی تو پھر فتنہ کھڑا ہوگا

پروین: ہوچکیں اشرف بلائیں سب تمام۔ ایک مرگ ناگہانی اور ہے۔

اشرف: کیا کہا کوئی میری جان پہچان۔ باتوں باتوں......

پروین: ؎

تم تو آفت میں پھنسے چھوڑ کے غم گیں مجھ کو
کون اب ہائے کہے گا مری پروین مجھ کو

اشرف: کون۔ پروین۔ دل آرا۔

پروین: کون میرا اشرف پیارا۔

اشرف: پروین اور یہ مکان۔ میرا غم افسانۂ سامان ہے۔

پروین: شاید ظالم نے جلد رہا کرایا۔ آہ پیارے میں نے تمھارے لیے کیا حال بنایا۔

اشرف: ہاں تمھارا حال ہی تو میں دیکھ رہا ہوں۔

پروین: افسوس اگر میں اپنا یہ حال نہ بناتی۔ تو یہ چاند سی صورت کیوں دیکھنے میں آتی۔

اشرف: الٰہی میں کیا کہتا ہوں اور کیا بک رہی ہے۔ پروین۔ پروین یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔

پروین: میری قسمت کے تماشے۔

اشرف: قسمت کے تماشے۔ یعنی۔

پروین: یعنی میرے ارمانوں کے لاشے۔

اشرف: کیا بکتی ہے لایعنی۔ یہ شادی کا ٹھاٹھ کیا معنی۔

پروین: آہ پیارے یہ نہ پوچھو دِل ناکام کے ہیں کام خراب۔ کر لیا عاشقی میں نام خراب۔

اشرف: ہیں تو کیا دیکھتا ہوں میں یہ۔ تیرے بیاہ کا سامان ہے۔

پروین: اپنی تقدیر سے مجبور ہر انسان ہے۔

اشرف: اف غضب کیا تیری شادی..........

پروین: ہاں میری شادی۔

اشرف: ہیں۔ ارے ناپاک عورت۔ نامبارک ناسزا کہتی ہے تو ہاں ۔نہیں آئی تجھے غیرت ذرا۔ میں تو جیتا تھا۔ ابھی کیا مرگیا تھا بے حیا۔ میرے ہوتے دوسرے سے بیاہ تونے کرلیا۔ دل دیا تھا میں تجھے کیا بے وفائی کے لیے۔میں برا سب سے بنا تھا اس برائی کے لیے۔

پروین: کی برائی میں نے جو تیری بھلائی کے لیے۔ میں پھنسی اس دام میں تیری رہائی کے لیے۔

اشرف: میری رہائی۔ کیا ہو گئی ہے سودائی۔ گیا دو روز کو میں اور تونے بیاہ کرڈالا۔ تجھے میں حور سمجھا نکلی تو شیطان کی خالہ۔

پروین: دو روز۔

اشرف: ہاں دو روز فقط دو روز۔ جس میں تو زمانہ کی طرح مجھ سے بدل گئی۔

بے وفائی کی چال چل گئی۔افسوس میں تیرے لیے جگ سے برا بنا۔ باپ کی نافرمانی کا پاپ لیا۔ ذلیل وخوار ہوا۔ اور تو نے یہ بدلہ دیا۔ سچ ہے اصل سے خطا نہیں۔ مگر کم اصل سے کبھی وفا نہیں۔

پروین: او بے مروت اگر میں بے وفائی پر مرتی تو ایک بوڑھے سے شادی کر کے جوانی کیوں غارت کرتی۔

اشرف: بوڑھا کون بوڑھا۔

پروین: تمھارا باپ۔

اشرف: ہیں میرا باپ۔ او جہنمی یہ پاپ۔ او مردار۔پھٹکا ر پھٹکار۔

(پردہ)

باب دوسرا—سین پہلا

دمڑی بیگ کا گھر

(گاتا)

یارو سب ہے سردار......

دمڑی: ۔

دو منھ کا ایک سانپ ہے دنیا ے ناسپاس
دونوں طرف سے ڈسنے کے ہیں دانت اس کے پاس
چھٹی کسی طرف نہ کسی طور سے نکاس
اچھا کرو تو خوف برائی میں بھی ہراس

کیا غضب ہے۔ جس طرف جاتا ہوں لوگ پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ مجھے ان چیتھڑوں میں دیکھ کر بناتے ہیں۔ کوئی جگادری بندر اوکھیاتا ہے۔ کوئی کفن گھسوٹ بتاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے قارون کی روح قبر سے نکل بھاگی تو کوئی کہتا ہے کہ مچھندر پور کا بیراگی ہے۔ یہ بھی کیا لاگا لاگی ہے۔

بجلی: اے میاں۔ باقر خاں کی بیوی سلمہ آئی ہیں۔ آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہیں۔

دمڑی: ہیں سلیمہ بی۔ تنہائی میں۔ بھیج دے اسی جگہ بھیج دے۔ باقر کی بیوی کیوں آئی اس گھڑی۔ میں نے اس کی تعریف سنی بڑی۔ اگر پہلے سے میں جانتا تو حجامت بنوا لیتا۔ بن ٹھن کے بیٹھ جاتا۔

(سلیمہ کا داخل ہونا)

سلیمہ: مرزا صاحب بندگی۔
دمڑی: بندگی۔ بندگی۔
سلیمہ: ہمارے شوہر کچھ غرض لے کر تمھارے گھر آئے تھے۔
دمڑی : جی ہاں۔
سلیمہ: کچھ روپیہ قرض مانگنے آئے تھے۔
دمڑی: جی۔ (سائڈ میں) سمجھ گیا۔ جب میاں کی دال نہ گلی تو بی بی نے چال چلی۔ (مخاطب ہو کر) انھوں نے مانگا تو تھا۔ مگر آپ جانیے کہ آج کل میں......
سلیمہ: ہاں میں سمجھی۔ اسی لیے تو میں بھی آپ کے پاس ایک غرض لائی ہوں۔
دمڑی: ہاں(سائڈ میں) ارے وہ تو میں پہلے ہی تاڑ گیا تھا۔
سلیمہ: میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ ان کو ایک پیسہ بھی نہ دیں۔
دمڑی: نہ دیں۔ بہت اچھا۔ بہت اچھا۔ آپ آرام سے بیٹھیے۔ اپنا ہی گھر سمجھیے۔ روپا۔ روپا۔ چوکی لا چوکی۔
سلیمہ: صاحب آج کل ان کے برے ڈھنگ ہیں۔ وہ تو بالکل مت بھنگ ہیں۔
دمڑی : کیا شراب۔
سلیمہ: نہیں اس سے بھی خراب۔
دمڑی: کیا جوا۔
سلیمہ : جی ہاں یہی آزار ہوا۔

(گانا)

جاکو پیو اناڑی جوا کھیلے رے......

لو میں جاتی ہوں۔ اگر وہ سن پائیں گے تو زمین آسمان ء

اٹھائیں گے۔

بجلی: آقا۔ آقا۔ باقر میاں آتے ہیں۔

سلیمہ: کون میرا خاوند۔ غضب مجھے یہاں پالیں گے تو جان سے مار ڈالیں گے۔

دمڑی: روپا ـ روپا۔ یہاں آو۔ وہ خاں صاحب آتے ہیں۔ انھیں کہہ دو کہ میں گھر میں نہیں ہوں۔

روپا: واہ۔ کا موکو جھوٹ بلاوت ہو۔ اپنے ساتھ موکو بھی دگاباج بناوت ہو۔ آو آو خاں صاحب دمڑی میاں گھر میں ہیں۔

دمڑی: موذی شیطان۔ بند کر زبان۔

سلیمہ: ہائے ہائے اب کیسے بچے گی جان۔

بجلی: بانو مت ہو حیران۔ چلو پچھلے دروازے سے نکل جانا، میں دوں گی امان۔

دمڑی: شاباش۔ بڑی دانا ہے خوش بیان۔

(دونوں کا جانا اور باقر کا آنا)

روپا: گھر مارہ کے ای کہنا کہ گھر ماں کو ناہی۔ وا مہرا روکت گئی۔

باقر: مرزا صاحب آداب۔ معاف کیجیے گا۔ آپ کام میں تھے میں خلل انداز ہوا۔

دمڑی: جی نہیں۔ کچھ نہیں۔

باقر: بندہ ان پچاس روپوں کے لیے آیا ہے۔

دمڑی: (سائڈ میں) اور میں نے نہ دینے کا ڈھب جمایا ہے۔ (مخاطب ہو کر) اے یار میں شرمسار ہوں کہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور میرے لیے کیا ہو سکتا ہے کہیے۔

روپا: جھوٹ ایکتر جھوٹ۔ روپیہ پاس آئے دور نہیں۔ پرنتو دینا منجور نہیں۔

باقر: کیوں جناب والا۔ پاس رکھ کے دوستوں سے بتا بالا۔

دمڑی: اے برادر میرے پاس ہوتا اگر۔

روپا: ہوتا کا اے۔ کل سکارے جو پچاس روپے کا نوٹ پائے کے دیو رہا۔ وہ

کیوا گوا۔ کیسا ٹٹولو۔ کمر کھولو۔ (دمڑی کی جیب سے نوٹ نکالتے ہوئے) خاں صاحب لو روپے۔

دمڑی: (آہستہ سے) بہت ترا منھ کالا۔ کمبخت دودھ والا ۔ (زور سے) سچ ہے میں بالکل بھول گیا۔ یاد ہی نہ رہا۔ (آہستہ سے) ستیا ناس یہ سچ بولنے والے رذالے کا۔ (زور سے) صاحب نوٹ ہے مگر سچ کہوں ذرا میرے دل میں کھوٹ ہے۔

باقر: اجی کھوٹ کو نکالو۔ صاف صاف کہہ ڈالو۔

دمڑی: تو پھر ان روپوں کا سود۔

باقر: ہاں ہاں وہ بھی کر دوں گا موجود۔

دمڑی: اچھا لیجیے۔ مگر پانچ روپے بیاج پہلے دے دیجیے۔

باقر: جناب اس وقت توجیب میں ایک پائی نہیں پاتا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں گھر جا کر بھجوا تا ہوں۔ (سلیمہ کا برقعہ کیل پر ٹنگا دیکھ کر) ہیں یہ کیا سلیمہ کا برقعہ۔ کیا وہ یہاں آئی ہے؟

دمڑی: کیا ہے خیر ہے۔

باقر: یہ کس کا ہے۔

دمڑی: یہ۔ یہ۔ یہ برقعہ۔

باقر: مگرکس کا ہے جلد بولو۔

دمڑی: یہ۔ یہ میری بھتیجی کا ہے۔

روپا: پھر وہی جھوٹ بکھانت آے۔ مونہ جانت رہا کہ اُس کھوٹا کرم بھی تو جانت آہے۔

دمڑی: نکل جا کمرے سے بے حیا۔

روپا: ارے جاہیوں رکت ۔ اپنی چاکری نہ بجایوں۔ کچی بات نہ کہیوں۔ تو پچیس روپیہ کون بات کا پائیوں۔صاحب یا برقعہ میں ایک مہرارو مکھ چھپاے رہی۔ بہرے سے بڑو لنک مٹک سے آئے رہی۔ بسنتی چادر بھناٹے دار۔وا پر لچکا کانٹے دار۔

باقر: بسنتی چادر اور اس پر گوٹا کناری۔

روپا: ہاں اور لال ساری۔ نگ ماں جوتا بھاری بھاری۔ جر گری۔

باقر: دمڑی بیگ۔

دمڑی: باقر بھائی۔ دوست ذرا دھیرے ہو۔ میں تمھارا شک مٹاتا ہوں۔ تمھیں سب سمجھاتا ہوں۔

باقر: نہیں نہیں چپ رہو۔ روپا مجھے تمھارا یقین ہے۔ ذرا بتاؤ مجھے وہ کہاں گئی۔

روپا: یا تو ہم کو کھبر ناہیں۔ مو جانت ہوں۔ لکاے گئو کہوں۔

دمڑی: (دھیرے سے) شکر ذرا جان بچی۔

بجلی: پچھلا دروازہ بند اور چابی باورچی خانہ میں۔ کیا کروں کیسے پاؤں۔

روپا: (دیکھ کر) دیکھو دیکھو او اندر آہے۔

باقر: ہاں بیشک کھول دروازہ نکل باہر۔ نہیں تو توڑ ڈالتا ہوں در۔

دمڑی: باقر۔ باقر۔ کیوں گھبراتے ہو۔ ہمارے گھر میں کیا اودھم مچاتے ہو۔

باقر: گھر در کس کا ہو مجھے دھیان آئے گا نہیں۔ جب تک نہ دیکھ لوں گا یہ شک جائے گا نہیں۔ دروازہ جلد کھول نہیں توڑتا ہوں در۔

دمڑی: ناشدنی دور گھر سے میرے جانکل کر مر۔

روپا: واہ بھولے بھالے نکالنے والے۔ اقرار نامہ بھلا ے دیو۔ لکھت وکھت بسراے دیو۔

دمڑی: کمبخت ۔بیوقوفی۔ ارے باقر میاں سنو تو سہی۔

باقر: چپ وہ آتی ہے رہ جا۔ آتو سہی قحبہ۔

روپا: ارے یا کی سکلیا بکھل گئو۔ او نار بدل گئو۔

بجلی: چچان آداب۔

دمڑی: (آہستہ سے) بجلی واہ وا۔ کیسی چال کی۔ کل ہی اس کی تنخواہ بڑھاوں گا۔ ارے آتے سال ضرور بڑھاوں گا۔ (زور سے) جیتی رہو بھتیجی۔

بجلی: (باقر سے) صاحب وہ برقعہ میرا ہے جو آپ نے ہاتھ میں دبا رکھا ہے۔

باقر: آپ کا۔

دمڑی: نہیں تیرے باپ کا۔

باقر: لیجیے۔

بجلی: تسلیم۔ (سائڈ میں) اب باورچی خانے سے چابی لاوں بے چاری سلیمہ کو قید سے چھڑاوں۔

باقر: حیرت۔ برقعہ ۔ساڑی۔ چادری سب ہو بہو میری بیوی جیسی۔

روپا: ارے کا جی۔ کون بچار ماں ہو۔ ای نار ناہیں۔او دو جی راہی دو جی۔

باقر: دوسری۔

روپا: آن جی آں۔ بھگوان تو ہے بنائے رکھے۔

دمڑی: کمبخت اب کیا آگ لگارہا ہے۔ کیوں صاحب اب آپ کا شک دور ہوا۔

باقر: بالکل بھائی جان بالکل۔ (سائڈ میں) اگر چہ برقعہ دمڑی بیگ کی بھتیجی کا نکلا مگر پھر بھی مجھے کچھ دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔مگر یہ مخص ایمان والا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو اگر راہ پر لاوں گا تو کل بات کا پتہ پاوں گا۔(روپا سے)کل صبح مجھے اکیلے میں ملوگے۔

روپا: کاہے۔

باقر: انعام لوگے۔

روپا: کاہے کا۔

باقر: کچھ سچا حال بتانے کا۔

روپا: ٹھیک۔ کاجانت رہا کہ سچائی کا دھندا ماں اُس گہنی آمدنی آئے۔ اب تو اپنو چڑھ بنی آئے۔

باقر: (دمڑی سے) رخصت ہوتا ہوں حضور۔

(باقر کا جانا)

دمڑی: بس۔اے بد اصل ۔ ابھی میرے گھر سے نکل۔

روپا: جب لئی تین برس نہ بیتے۔ نہ نکلیوں جیتے جیتے۔

دمڑی: یا اللہ۔ اچھا میرے سامنے سے تو دور ہو۔

روپا: بہت نیک۔ جو تم کا منجور ہو۔ سامنے رہ کے موہو دق ہوت ہوں۔ جا کے اب سوت ہوں ۔کیوں صاحب۔ ہم سچا کہی نا۔ ہمرے کام سے تو راضی ہونا۔

دمڑی: راضی بابا راضی جا۔

(روپا کا جانا)

ارے ارے یہ میں نے کیا کیا۔ کس موذی کو نوکر رکھ لیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ ایک صاف سچا، ایمان دار بچہ ملا۔ میرا گھر سنبھالے گا۔ بجلی کی چالوں میں عیب نکالے گا۔ فضول خرچی سے میری دولت بچالے گا۔ مگر یہ تو۔ آؤ پیر گھر سے لے جاؤ۔ والا مضمون ہوگیا۔ بیوقوف نالائق ۔ الو کا پٹھا سمجھتا ہے نہ بوجھتا ہے۔ موقعہ بے موقعہ ضرورت بے ضرورت اگر ایسی سچی ہانک لگائے گا تو میرا تو دیوالہ نکل جائے گا۔ یہ کون بجلی۔ کھانے والی مگر وقت پر کام آنے والی۔ کہو خیریت تو ہے۔

بجلی: سب خیریت ہے۔ برقعہ ، ساڑی، اوڑھنی سب حوالے کیا۔ پچھلے دروازے سے نکال دیا۔ اب خاوند کے ہاتھ نہ آئے گی۔ اس کے پہلے گھر پہنچ جائے گی۔

دمڑی: بجلی دیکھو یہ روپا کی خوفناک سچائی مجھے ہلاک کر ڈالے گی۔ تم اس کی سچائی چھڑاو۔ چلاک فطوری ۔ جھوٹا بے ایمان بناؤ۔

بجلی: اجی حضور ضد پر آجاو تو جھوٹ بولنا بلانا کیا مشکل بات ہے۔ مجھے تو آج تک کوئی ایسا مرد نہیں نظر آتا۔ جو عورتوں سے پانچ باتوں میں پچاس جھوٹ نہں ملتا۔ خوب وہی آتا ہے۔ اب کہاں جانے پاتا ہے۔

(دمڑی بیگ کا جانا اور روپا کا آنا)

روپا: ھری رانی نکری جاتر بڑی آئے۔ ارے یہیں کھڑی آئے۔ کیسی سندر پری آئے۔ مورجی یا موہنیا پہ لوٹ آئے یا کہ انوٹ کی من پر چوٹ آئے۔ کیوں بجری بی۔رسوئی و سوئی سے فراغت بھئی۔

بجلی: نہیں پیارے روپا۔ ابھی کہاں رسوئی۔ دو گھنٹہ دیر ہے کوئی۔ کیا بھوک لگی ہے۔

روپا: ہاں اور کا۔ بھورکا سوکھی روٹی کھائے ہوں۔ واہو پرائے جون تک بھوک دبائے ہوں۔

بجلی: ایں سوکھی روٹی۔ واہ کیا میں مر گئی جو تم روکھی روٹی کھاتے ہو۔ مجھ نگوڑی کے ہوتے تکلیف اٹھاتے ہو۔بندی تو اپنا کپڑا لتا تک بیچ کر تمھیں پوری کچوڑی۔ لڈو کھلائے گی۔

روپا: اوئی اوئی بھگوان۔ اب تو جیوں یا مرجاؤں۔

(گانا)

اے بجری تو پہ چمک چمک......

بجلی: چلو میرے گلفام ۔ کھاو پیو کرو آرام۔

روپا: آہا۔ مور نام گلفام۔ رام دہائی۔ بجری تہار اُس پری دھرتی پر نظر ناہیں پڑی۔

بجلی: اوہو روپا۔ تم سچ مچ مجھے پری سمجھتے ہو۔

روپا: (آہستہ سے) اے جون پیارے نہ کہا تو سب گوا۔ پری سے کمری ہو بجری۔ کارے ہمیں توہار ماسوک آئے تو پر تو ہنجارن چاہیں ہارے آسِک آئے۔

بجلی: چاہنے والے۔ چاہنے والوں سے میں حیران ہوں۔ ہاں فقط ایک پر قربان ہوں۔

روپا: ایک۔ (سائڈ میں) سائڈ موپر لو بھئی۔ آسِک ہو کر چپر گٹو بھئی۔

بجلی: اے پیارے۔تمھارے نظارے۔ قاتل ہوے ہمارے۔

روپا: نہ رو مور جنیاں نہ رو۔

(گانا)

گورے مکھ پر تن من دھن بلہا کیو......

بجلی: (سائڈ میں) اب ایک نئی تدبیر لڑاؤں اسے پھنساؤں۔ (مخاطب ہو کر) سنو تو کوئی سیٹی بجاتا ہے۔

روپا: نہیں تو۔

بجلی: ہاں۔ تم نے نہیں سنا۔ وہ سنو پھر سیٹی بجی ۔میں جاتی ہوں۔

روپا: کہاں۔

بجلی: صاحب ہمارا بھرم نہ پھوڑنا۔ میرا ایک عاشق ہے وہ روز چپکے سے یہاں آتا ہے۔ سیٹی بجا کر مجھے بلاتا ہے۔

روپا: عاشق۔ ابھی کو کہت آئی۔ کہ موکا کاو سے لگا سکانا ہیں۔ اے آسک کہواں سے آگوا۔

بجلی: کیا کروں ایک تو وہ خوب صورت جوان ہے۔ دوسرے اس کے پاس بڑی بڑی کپڑے کی دوکان ہے۔

روپا: ارے او کی دوکان کی ایسی تیسی۔ کا ہم سے بھی سوا جوان آئے۔ سن پچیس روپیہ میں سے دو لوگیہ کو دینوں اور دوئی ہم لیوں اور باقی سب تو ہے دیئوں اور پردیس جاوے تو ہنڈی بھجوائے۔

بجلی:

(گانا)

پران دوں پردیس نہ جانے دوں......

اور وہ مجھ سے شادی کرنے والا ہے۔

روپا: وہ کبھی۔ نہیں۔ میں تو سے بیاہ کریوں۔مہرارو بنایوں۔

بجلی: تم۔ کبھی نہیں۔

روپا: کا ہے ناہیں۔

بجلی: تم تو بالکل سیدھے سادے ہو۔ ہمارا خاوند تو جیسی میں چھبیلی رسیلی شوخ ترار فرار ہوں۔ ایسا ہی کوئی چاتر کھلاڑی دانا سیانا ہونا چاہیے۔

روپا: ارے ہم ہوں چلاک چاتر بنیوں۔ مدا تو سے لگن ٹھیریو۔

بجلی: تو زبان درازی کروگے۔

روپا: بیاسک۔

بجلی: جعلسازی کروگے، جھوٹ بولوگے۔

روپا: بیاسک۔ ارے یہ کیا بکت ہوں۔ بھلا رانی تو کے سچا خاوند کا ہے ناپسند آئے۔

بجلی: کیوں نہ ہو۔ ابھی تم کہتے ہو کہ میں بڑی خوبصورت ہو۔

روپا: یا میں کچھو جھوٹ......

بجلی: مگر میں ایسی نہ رہوں گی۔ بوڑھی ہو کر بدشکل بنوں گی اور تم مجھے بوڑھی گھوڑی کہو تو کیا میں ایسے سچ سے نہ جلوں گی۔

روپا: ناہیں ناہیں مور جان۔ بڑھاپے میں توہے سمجھوں گا حسین جوان۔

بجلی: بڑھاپے میں کہو گے جوان۔

روپا: ہاں مور پران۔

بجلی: کیا سچ نہ بولوگے میں قربان۔

روپا: ارے سچ جہنم میں جاے کاری۔ موہے تو چاہیے پیاری۔

بجلی: جب تو ٹھیک۔

روپا: اب رسوئی بنانے جات ہوں۔ پر جا کے تو من ہی نہیں ہوت آ ہے۔

بجلی: چلو میں بھی چلتی ہوں۔ دیکھو تمھیں گھی چرا کے دیتی ہوں۔ تم اس کی روغنی روٹی بنانا۔ خوب تن تن کے کھانا۔

روپا: نابجری چوری ناں۔ ناہیں مور سچائی چھین لئی۔

بجلی: اجی جاو بھی۔ گھی نگوڑے کے لالچ میں صنم سے بھی گئی۔ یار کے کارن خصم سے بھی گئی۔

روپا: خفا بھئی۔ خفا بھئی۔

بجلی: تمھاری باتوں میں بچارے دوکاندار کو بھی بھول بیٹھی۔

روپا: دوکاندار ارے وا پر بھگوان کی مار۔ کپڑے والے کو دیکھ پاوں تو رام سوگند کپڑے کی طرح وا کی چندی چندی اڑاؤں۔ آو آو جنیاں۔ ہائے ہائے تور لٹک مٹک۔

بجلی:

(گانا)

مورا چھیلا چھبیلا............

باب دوسرا ——— سین دوسرا

(تہ خانہ میں)

پروین : ؎

یا الٰہی مری آنکھوں نے یہ کیا کیا دیکھا
خواب یا کوئی طلسماتی تماشہ دیکھا
اس برے وقت میں اشرف کا بھی نقشہ دیکھا
اس نے بھی کچھ نہ سنا اور نہ سمجھا دیکھا
غیر تو غیر ہی ہے دوست کو روٹھا دیکھا
ساتھ تقدیر کے ظالم کو بھی بگڑا دیکھا

ایک مرتبہ تو مجھے اشرف کی رہائی کا دھوکا دے کر مرزا بیگ سے بیاہنے لایا۔ اب خدا جانے پھر کس کے لیے جال بچھایا۔ کہ مجھے قید میں رکھ کر ستاتا ہے۔ کوئی دمڑی بیگ نامی شخص سے شادی کرنے پر راضی بناتا ہے۔ سچ ہے۔ ؎

کوئی زیادہ بگڑتا ہے تو کوئی کم بگڑتا ہے
مقدر جب بگڑتا ہے تو اک عالم بگڑتا ہے

ظالم: کہیے بیگم صاحب۔ وہ لن ترانی گئی۔ میری بات مانی گئی۔ ہیں یہ خاموشی کیوں ٹھانی گئی۔

پروین: جو مردار بیگم ہوگی۔ وہ تجھے اس نامعقول بات کا جواب دے گی۔ اگر بیگم ہوتی تو آج اس گھر میں بے غم ہوتی۔

ظالم: اگر نہیں ہو تو بننے کی کوشش کرو۔

پروین: کوشش بننے کی تو کر چکی۔ اب بگڑنے کی کروں گی۔ جان سے گزرنے

کی کروں گی۔ ـــ

اگر کوشش سے بن سکتے تو کیوں ایسے بگڑ جاتے
جہاں میں پھولنے پھلنے سے پہلے ہم اجڑ جاتے

ظالم: بس یا اور کچھ۔

پروین: اور کیا۔ ـــ

مظلوم کی یہ آہ ہے خالی نہ جائے گی
کرنی تری کبھی ترے آگے ہی آئے گی
اک روز سنگ دل ترا بیڑا ڈبائے گی

ظالم: ہُش وہ جو کرے گا سو دیکھا جائے گا۔ تم ذرا دل کا غبار نکالو۔ اور دماغ کا بخار اتارو۔ گرمی بہت ہے ذرا بنفشہ کا شربت پی لو۔

پروین: ـــ

ہائے ظالم ایک بے کس پر جفا ہے کس لیے
کیا میری تقصیر ہے میری سزا ہے کس لیے
ظلم کرنے سے بچے گا تو وہاں بھی صاف کیا
داد گر کے گھر نہیں ہے ظلم کا انصاف کیا

ظالم: ـــ

ہاں جو ہوتا ظلم تو انصاف بھی ہوتا ضرور
ظلم کیا تجھ پر پڑا مجھ کو بتا تو بے شعور
تو بھکاری تھی پھنسی تھی مفلسی کے دام میں
میں نے ڈالا لا کے تجھ کو عیش میں آرام میں

پروین: ـــ

گو میں مفلس تھی مگر اس مفلسی میں شاد تھی
قید غم میں تھی مگر اس رنج سے آزاد تھی
حجرۂ تاریک میں تو نے دیا اب گھر مجھے
کیا اندھیری قبر کا کچھ بھی نہیں ہے ڈر تجھے

ظالم: ؎

کہہ دیا میں نے اگر مانے گی تو میرا کہا
تب تو البتہ تو مری قید سے ہوگی رہا

پروین: اے ستم گر تیری مرضی کیا ہے وہ بھی تو بتا۔

ظالم: کچھ بھی اس سے تجھ کو کیا ہو کام اچھا یا برا۔

پروین: میں مجبور ہوں۔ بے کس ہوں ۔ تیرے اختیار میں بے بس ہوں۔ اگر میرے ستانے ہی سے تیرا بھلا ہو تو ستالے۔ ایک جان ہے چاہے تو لے یا خدا لے۔ ظالم دو دن کی حیات پر عبث غرا ہے۔ خورشید نہ بن خاک کا تو ذرہ ہے۔

ظالم: ہش مرنا جینا تو قدرت کا قاعدہ ہے۔ پھر فکر بے فائدہ ہے۔ ؎

خاک ہونا ہے تو عیش کامرانی چاہیے
زندگی ہے تو بہار زندگانی چاہیے

پروین: ؎

کیا بھروسا ہے بھلا ایسے بہار باغ کا
جس کے پیچھے ڈر لگا ہو وے خزاں کے داغ کا

دیکھ ظالم ترس کھا۔ تجھ میں کچھ بھی ہو خوف خدا۔ تو یہ میری تمام ملکیت مال و دولت لے۔ پر مجھے چھوڑ دے۔ یہاں سے جانے دے۔

ظالم: اری واہ ری بیگم البیلی۔ واہ ری چنگ چاندنی نویلی۔ ملکیت آپ کی یا آپ کے باپ کی۔ تمھاری دولت آئی کہاں سے۔ تم نے ملکیت پائی کہاں سے۔ ذرا یہاں آنے سے یا امیر کے بے نکاح کئے مرجانے سے ۔ دولت اور ملکیت کا مالک تو بنا کتا نیچ ہتھا ابھی یہ بندہ زندہ کھڑا ہے۔ تم کون۔ تین میں یا تیرہ میں۔

پروین : تین تیرہ کیا سولے آنے کی مالک امیر نے مجھے بنایا ہے۔ ساری ملکیت کا وصیت نامہ میرے نام لکھوایا ہے۔

ظالم: ہاں ہاں لکھوایا ہوگا۔ خیر جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ سن ہم

چند لوگوں کی ایک جماعت ہولی ہے۔ جس کا نام سنہری ٹولی ہے۔ کام مالداروں کو فریب میں پھنسانا ہے۔ امیروں کا مال ہمارے بابا کا خزانہ ہے۔ ہمری انمول ٹولی میں تجھ نازنین ماہ جبیں کی سخت ضرورت ہے کیونکہ ؎

مکرو دغا کے ہاتھوں نہ پورا جو کام ہو
تو دل فریب حسن سے بے بس تمام ہو
ہم لائیں گھیر گھار کسی مال دار کو
الو بنا۔ لبھا۔ تو ہمارے شکار کو

پروین: تو کیا اس لیے امیر کے ساتھ مجھے بیاہنے لایا تھا۔

ظالم: نہیں تو امیر زادی بنانے کے لیے لایا تھا کیا۔امیر امیر کی تقریر نکالی ہے۔ اگر تیری تقدیر امیر ہونے والی ہے۔ تو ہمیشہ بنی رہے گی۔دلھن کہلاوگی۔ سدا سہاگن۔

پروین: میں نہ ہوں گی اس کام میں تیرے شریک۔

ظالم: گر تجھے انکار ہوگا تو کروں گا خوب ٹھیک۔

پروین: ڈر نہ ہو دوزخ کا جس کو وہ کرے گا کام یہ۔

ظالم: دیکھیے بندہ ترا اچھے سے لے گا کام یہ۔

پروین: جائے گا دوزخ میں تو پکڑوں گی محشر میں گلا۔

ظالم: ؎

ہے کہاں دوزخ پتہ اب تک نہیں اس کا چلا
آج تک کوئی خبر دوزخ کی کچھ لایا نہیں
آدمی دوزخ سے جنت سے کوئی آیا نہیں
جو کہ ہیں ڈرپوک کچے دل وہ ڈر جاتے ہیں یوں
ہم سے ہمت ور کہیں بہکانے میں آتے ہیں یوں

پروین: ؎

چپ ارے کافر نہ کر تو یوں حماقت کے کلام
دور ہو منھ دیکھنا تیرا ہے عالم کو حرام

ظالم: ۔

یہ شرارت چھوڑ جو کہتا ہوں میں وہ کام کر
کل پھنسا لاؤں گا میں آگے ترے اک اہلِ زر
ہوا انکار تو ممکن نہیں یہ جان بچ جائے

پروین: ۔

گوارہ جان دینا ہے مگر ایمان بچ جائے

ظالم: کیوں اپنے حق میں کانٹے بوتی ہے۔ انکار کر کے جان سے ہاتھ دھوتی ہے

پروین: ۔

موت کے غار میں غارت ہو جوانی میری
ساتھ ارمان کے ہو جان بھی فانی میری
پھونک دے جان و جگر سوزش جانی میری
یا ڈبو دے مجھے یہ اشک فشانی میری
پر نہیں کو چھوڑ ہاں منھ سے نکلنے کی نہیں
سر بھی کٹ جائے تو میں بدراہ چلنے کی نہیں

ظالم: خیر اگر تجھے یہ ہٹ دھرمی منظور ہے تو مجھے بھی سزا دینی ضرور ہے۔ اب تو ہے اور یہ تہ خانہ۔ آنسو پانی ہیں اور غم کھانا۔ ۔

فلک جگہ سے ہٹے اور زمین ٹل جائے
یہ کیا مجال کہ تو یاں سے اب نکل جائے
آج مہلت اور دیتا ہوں سمجھ اور مان جا
ورنہ کل ہے میرا خنجر اور بس تیرا گلا

(ظالم کا جانا اور پروین کا گانا)

دھرم کو شرم نہ مانی۔ بن نرکھی پرکھی......

باب دوسرا ــــــ سین تیسرا

دمڑی بیگ کا گھر

دمڑی : کیوں بجلی کیا خبر ۔ فتح یا اگر مگر۔

بجلی: خبر کیا۔ فتح کہاں کی۔ وہ تو اڑیل ٹٹو کی طرح راہ پر آتا ہی نہیں۔ کسی بات پر للچاتا ہی نہیں۔

دمڑی: پھر یہ تو بڑا غضب ہوا ۔سلیمہ کا خط آیا ہے۔ خیر کرے کیا لکھا ہے۔ (پڑھنا) بڑا غضب ہوا۔ ہم سب کے سب مارے پڑے۔ میرا ظلمی خاوند مجھے لے کے تمھارے گھر پوچھ پریکھ کرنے آتا ہے۔تمھارا نوکر رشوت کھاکے ہمارے خاوند سے مل گیا ہے۔ (بڑ بڑانا) ارے بدذات دودھ والا۔ تجھے شیطان کا حوالہ۔ تیرا منھ کالا۔ (پھر پڑھنا) انعام دیا ہے یہ بات بتانے کو۔ سویرے جو عورت وہاں گئی تھی وہ میں تھی یا دوسری۔ (بڑبڑانا)باپ رے (آگے پڑھنا) بچے رہو۔ مجھے بچاو میرا خاوند تلوار باندھ کے آتا ہے۔

بجلی: تمھارا خون کرے گا۔

دمڑی: ہاں گئی جان۔ کیوں سچائی کا شہید ہوا میں بے ایمان۔

بجلی: اور مرو سچائی پر۔ بڑے رتچھے تھے صفائی پر۔

دمڑی: تم اس دیوانے کو راہ پر لاؤ۔

بجلی: تم ہی سمجھاؤ۔

دمڑی: بجلی۔ بجلی۔ میری لاج اب تیرے ہاتھ۔

بجلی: بجلی تو جھوٹی ہے۔ بدذات ہے۔

دمڑی: اب اس بات کو رہنے دو۔
بجلی: نہیں جی۔ کھری کھری کہنے دو۔
دمڑی: کیا تو اسے راہ پر نہیں لاسکتی۔
بجلی: نہ صاحب ۔ جھوٹ بلوا نہیں سکتی۔

(روپا گاتے ہوئے آتا ہے اور بجلی چلی جاتی ہے)

دمڑی: (دھیرے سے) یہ نے کم بخت آتا ہے۔ یا الٰہی کس طرح اس سے جی چھوٹے۔ (مخاطب کر کے) آؤ روپا۔ کیا کھانا کھارہے ہو۔
روپا: ہاں۔ ذرا ناشتہ اڑاوت ہوں۔
دمڑی: (سائڈ میں) خدا کرے تو کھاتا ہی مرے۔ بہتر ہے کہ اسے نکال دوں۔ کسی کام کے بہانے یہاں سے اسے ٹال دوں۔ (مخاطب ہو کر) روپا ذرا ایک کام ہے۔ تھوڑی دور جا کے کر آؤگے۔
روپا: او ہوں۔ ابھی ناہیں جاسکت اہوں۔ تنک باقر میاں کی باٹ تکت ہوں۔
دمڑی: (آہستہ سے) عجب ڈھیٹ ہے۔ چھپاتا بھی نہیں۔ (مخاطب ہوکر) اس کی فکر چھوڑ دو۔

(بجلی کا پھر آنا)

بجلی: میاں، میاں۔ وہ لوگ آئے۔
دمڑی: کون۔
بجلی: باقر میاں اور ان کی بیوی۔
دمڑی: اندر مت آنے دو کبھی۔
روپا: نہ آنے دو کا۔ موہے جھوٹ بتایو۔ تنک ان سے بھینٹ کرو۔ میں جاوت ہوں اور ان کا بلائے لاوت ہوں۔
بجلی: بس اب آپ کا کام تمام ہے۔

دمڑی: ہاں۔ ہاں۔ بس ہو چکا۔

(تینوں کا آنا)

باقر: دمڑی بیگ ۔کل تم نے مجھے ٹالا۔ دھوکا دے کر نکالا۔ مگر اب میں سمجھوں گا۔ اصل حال سے واقف ہوں گا۔

دمڑی: باقر میاں۔

باقر: بس خاموش۔(روپا سے) بھائی تم یہاں آؤ۔ پہچانو۔

سلیمہ: اس کے آگے میری بات دو کوڑی کی ہے۔

باقر: چپ۔

دمڑی: باپ رے۔ کمبخت تلوار باندھے ہے۔

بجلی: (دمڑی بیگ کے کان میں آہستہ سے) تم ذرا سیٹی بجاو۔

باقر: پہچانتے ہو۔ یہی ہے۔

بجلی: (پھر سے) ارے خدا کے واسطے سیٹی بجاو۔

(دمڑی کا سیٹی بجانا)

روپا: ہیں یہ سیٹی۔ کاوا کپڑے والا بجری کا آسِک پھر آگوا۔

بجلی: (روپا سے دھیرے سے) دیکھو اگر اس عورت کا پردہ کھولوگے تو ابھی جا کے کپڑے والے سے شادی کرلوں گی۔

روپا: ناہیں۔ ناہیں۔

باقر: بولو۔ بتاو ۔ یہی تھی یا دوسری۔

روپا: بات یہ ہے کہ (سیٹی کی آواز کا آنا) (سائڈ میں) اے تو بے مار ۔ کپڑے والے نانجار ۔ (مخاطب ہو کر) وا کی چنک مٹک کچھ کھوٹی راہی۔ وا اُس چھوٹی اُس موٹی راہی۔

باقر: ہیں۔ تو کیا مجھ کو تونے مجھے بہکایا تھا۔ جھوٹ سنایا تھا۔

روپا: ہاں جی۔ تو ہے بے وقوف بنایا تھا۔

دمڑی: بھائی تم نے دیکھا یہ دیوانہ ہے۔ آپس میں لڑانے، سرکٹانے اور آگ لگانے میں سیانا ہے۔

روپا: دیوانہ نا ہیں۔ سیانا نہ آئے۔ (سیٹی کی آواز سن کر) ارے تمھار دکنیا میں آگ لگ گئی۔

باقر: میں ناحق بدگمانی کا شکار بنا۔ معاف کیجیے گا حضرت کہا سنا۔

دمڑی: خیر صاحب جو ہوا سو ہوا۔ ان کا گِلا۔

سلیمہ: اب بچی کون۔

باقر: تم میری جان۔

سلیمہ: (گانا) دیکھو پیارے......

باقر: اچھا حضرت تسلیم۔

دمڑی: خدا حافظ۔

(سلیمہ اور باقر کا جانا)

روپا: کیوں اب تو راجی بھئی۔ تھری چاہ میں فجیتی ہمری بھئی۔

دمڑی: روپا ادھر آ۔ کیا کہا۔

روپا: کا بھوا۔

دمڑی: ارے بے شرم۔ بے حیا۔ ناسزا۔ جھوٹے بے وفا۔

روپا: اے رام۔ ای پاگل ہوئی گوا۔

دمڑی: تیرا میرا کیا اقرار۔ کہ جھوٹ نہ بولنا زنہار۔ آئی باقر کی عورت۔ وہ یہی تھی یا اور تھی۔

روپا: آج کی مطلب تھی دو جی۔ کل منشا اور تھی۔

بجلی: صاحب یہی موقع ہے۔ اسے نکالو۔ گھر سے ٹالو۔

روپا: صاحب ہم ساچ کہی۔ یاک سیٹی کی آواز آت رہی اور ہمری بی بی بھاگ جات رہی۔

دمڑی: تو مجھے کیا۔ تو جھوٹ بولا۔ میرے گھر سے نکل جا۔ بجلی جاؤ تم اپنا کام بناؤ۔

روپا: ہوں۔ بجلی کجلی اب نہ آئے ہے۔ یا کالو ہم گھر لے جاوے۔ چل موہنیا مور گیل۔

بجلی: دور دور موے بیل۔ باہر جا۔ چلتا پھرتا نظر آ۔ تیری میری کیا نسبت۔

روپا: واہ یہ دیکھا۔ ابھی تو بیاہ کرت رہی اور اب انکھیاں دکھاوت ہے۔ ہیّا رے ہیّا ایسن عورت کی جات بے وفا۔

دمڑی: چل باہر ہو حرام زادے۔

روپا: اچھ جائت ہے داوے اور ہمرے پگار کا ارادے۔

دمڑی: ارے تو نے مفت کا میرا اناج کھایا اور تو کام ہی کیا آیا۔

روپا: اے رام۔

آدھی تج ساری کے کارن نوکر بھیو تجیو بیو پار
دو گدا میں گئی چاکری بھی آدھی رہی نہ سار

دمڑی: ابھی تیری ناک کاٹ لوں گا۔

روپا: تو پہ بجلی پڑئی۔ تو ہار دمڑی بیک مرے۔

(روپا کا جانا)

بجلی: کیوں جناب عالی۔کیسی نرالی چال نکالی۔

(بجلی کا جانا)

دمڑی: ہاں اب جان لیا میں نے کہ سچائی کٹھن ہے۔ لوہے کے چنے چابنے یہ سخت محن ہے۔

اس جھوٹ نے دنیا میں سب کو ہے پچھاڑا
بے جھوٹ کے چلتا نہیں دنیا کا اکھاڑا

(ظالم کا آنا)

ظالم: خان صاحب ۔ آداب عرض ہے۔

دمڑی: تسلیم آیئے۔

دق کیا کرتے ہو آ آکر جو مجھ کو بار بار
کیا وہ ایسا فائدہ ہے لو کرو اب آشکار
کیا کسی کو مہربان لینا ہے قرض و سود کا
اوروں سے تو لیتا ہوں اے صاحب میں چالیس ٹکا
تم سے لوں گا میں لیکن فقط پچیس ٹکا

ظالم: ارے نہیں۔ وہ تو اور چلتا ہوا بار ہے۔ نہ نقد ہے نہ ادھار ہے۔

دمڑی: نہ نقد ہے نہ ادھار تو میرا نفع بھی دشوار ہے۔

ظالم: اجی نفع بے شمار ہے۔

دمڑی: بھائی صاف صاف کہو۔ پیسہ ملنے ملانے کی بات ہے یا ناحق سر کھپانے کی بات ہے۔

ظالم: حضرت سلامت۔ سر کھپانے کی بات نہیں۔ یہ تو سر پر خزانہ لادلانے کی بات ہے۔

دمڑی: خزانہ۔ وہ کون مائی کا لال ۔ جو مجھے دلائے مال۔

ظالم: ایک عورت پری جمال۔ دولت و مال کی ٹکسال۔

دمڑی: عورت ۔ عورت سے فائدہ کیا ہو۔

ظالم: البتہ جو تم اسے بیاہو۔

دمڑی: بیاہ۔ واہ گمراہ تیری صلاح ؎
جس کو بن جانا ہو اک کنگال وہ شادی کرے

ظالم: ؎ جس کو کھانا مفت کا ہو مال وہ شادی کرے

دمڑی: ؎ جس کو کھنچوانی ہو اپنی کھال وہ شادی کرے

ظالم: ؎ گھر بنانا ہو جسے ٹکسال وہ شادی کرے

دمڑی: ؎ مال کرنا ہو جسے پامال وہ شادی کرے

ظالم: ؎ لوٹ کھانا ہو جسے سسرال وہ شادی کرے
بھلے مانس کچھ خبر بھی ہے کہ اس شادی میں تیری ہاتھ کیا آئے گا۔ ارے بھائی اگر یہ سونے کی چڑیا بیاہ لاو گے تو لکھ پتی بلکہ کروڑ پتی ہو جاو گے۔

دمڑی: میاں کچھ واہی ہوے ہو۔ یہ شادی کا خرچ کس کے گھر سے آئے گا۔ کیا میرا باپ زندہ ہے جو اٹھائے گا۔ یہاں تھوڑی پونجی اور بہت دن جینا۔ دن بھر کنواں کھودنا تو شام کو پانی پینا۔

ظالم: بھائی تو کچھ تمھاری گانٹھ کا تھوڑا ہی جاے گا۔

دمڑی: تو۔

ظالم: یہ خرچ سسرال والوں کے متھے آجاے گا۔

دمڑی: مگر ہاں بھائی۔ وہ تو میرے ہی حصے سے کم ہوگا نا۔

ظالم: پہلے نمبر کے کنجوس ہو۔ وہ گل زار تو تمھاری عاشق زار۔ تم سے شادی کرنے کو تیار اور تمھارے نام اپنی ساری دولت لکھ دینے کو تیار ہے۔

دمڑی: دولت لکھ دینے کو تیار ہے۔

ظالم: پھر اور کیا۔

دمڑی: تب تو اچھا شکار ہے۔

ظالم: اور لطف تو یہ ہے کہ طرح دار بھی ہے۔

دمڑی: اور بڑا مزہ تو یہ ہے کہ مال دار بھی ہے۔

ظالم: طرح دار اور مال دار۔ پھر تمھیں شادی سے انکار۔

دمڑی: ارے نہیں یار میں چوکا تھا۔ یہ پھر بھی صورت والی ہے۔ اگر کچھ دولت حصول ہو تو اندھی۔ لنگڑی۔ بہری تک مقبول ہو۔ میں اس پر تھوڑا ہی جی نثار کروں گا۔

ظالم: پھر۔

دمڑی: یہ تو اس کے پیسے کو پیار کروں گا۔ مجھے غم ہے تو یہ ہے ۔ کہیں سے آئے پیسہ۔ کسی صورت سے کچھ مل جائے پیسہ۔ دکھی ہیں دکھ سے کہتے ہاے اللہ ۔ مگر میں ہاے پیسہ۔ ہاے پیسہ۔ مگر یار جوانوں کی جوانی میں

کیا برائی ہے جو اسے ہم سے بوڑھوں کی ضعیفی پسند آئی ہے۔

ظالم: یہ جو تمھیں عجب ہے۔ اس کا ایک خاص سبب ہے۔ آج کل کے بعضے بعضے جوان مرد نئی بیوی بیاہتے ہیں تو پہلے خوب اس کی آو بھگت مناتے ہیں۔ خوشامد جتاتے ہیں۔ مگر جہاں دو چار مہینے گذرے، وہ دل سے اتر گئی اور دوسرے شکار کی فکر پڑ گئی۔

دمڑی: سچ ہے جوان مرد عورتوں کو بہت جلاتے ہیں اور پیسے بھی عیاشی میں اڑاتے ہیں۔

ظالم: اس کے خلاف بوڑھے شوہر ہمیشہ جوان بیویوں کے ناز اٹھاتے ہیں۔ غلاموں کی طرح جوتیاں کھاتے ہیں۔ مگر صدقے قربان ہوجاتے ہیں۔ اس بیوہ بی بی کا پہلا خاوند بھی آپ سا ہی سن دار تھا۔ وہ یکایک مر گیا اور وصیت کر گیا کہ کسی بوڑھے ہی سے شادی کر لینا اور کل ملکیت اس کے ہاتھ میں دینا۔ تا کہ ساری جائداد بچی رہے اور تمھیں بھی سکھ ملے۔

دمڑی: سکھ۔ ارے سکھ تو وہ دوں گا کہ بچے سے سوا پیار کروں گا۔ سر پر بٹھاوں گا اور آنکھوں سے اس کے تلوے ملوں گا۔

ظالم: بس بس یہی ترکیب کام میں لانا۔ اس مکر سے نہ عورت جاے گی اور نہ خزانہ۔

دمڑی: عورت جاے تو جاے مگر یار دولت نہ جاے۔

ظالم: تو آیئے۔ آپ ابھی کے ابھی میرے ساتھ بن ٹھن کے چلیے۔

دمڑی: چلو چلو میں ابھی آیا۔

(دمڑی بیگ کا اندر جانا)

ظالم: ؎

واہ رے دنیا کی لالچ واہ رے حرص و ہوس
آدمی پھنستا ہے کیسے شہد پر جیسے مگس

گھر میں مرزا بیگ کے اس کو بلا لے جاؤں گا
مار کے اس میں ہی اس مردار کو دفناؤں گا
قبر جیسے اس محل میں ہے بنی دو چار کی
اور بھی اک قبر بن جائے گی اس مردار کی
ظاہرا تو وہ محل ایوانِ عالی شان ہے
کون جانے ہے کہ وہ ایوان قبرستان ہے
کیا بساط اس کی ہے یہ اپنا تماشہ کھیل ہے
یہ تو بائیں ہاتھ کا بندے کا ادنیٰ کھیل ہے

(دمڑی بیگ واپس آتا ہے اور دونوں ایک ساتھ جاتے ہیں)

باب دوسرا ـــــــ سین چوتھا

(تہ خانہ)

(ظالم کے ساتھ دمڑی بیگ کا آنا)

دمڑی: ظالم تو تو کہتا تھا کہ وہ بڑی ہی امیر گھرانے کی عورت ہے۔ مگر یہ گھر کی کیا حالت ہے۔ جب مکان سے مفلسی ٹپکتی ہے تو ٹکے پیسہ ملنے کی کیا خاک امید ہو سکتی ہے۔

ظالم: جناب یوں کہ ان کے پہلے شوہر کا دم یہیں بند ہوا ہے۔ اس لیے ان کو یہ تہ خانہ پسند ہوا ہے۔

دمڑی: ہاں مگر کام کاج کرنے کو کون آتا ہے۔ روپے پیسے کا لین دین سود بیاج کون چلاتا ہے۔

ظالم: کام۔ آپ کا غلام۔ بس انھوں نے منھ سے کچھ کلام کیا۔ کہ میں نے انکا کام تمام کیا۔ ٹھیریے میں ان کو آپ کے آنے کی خبر دیتا ہوں۔

دمڑی: کہیں ظالم مجھے روپے پیسے والا دیکھ کر پھانستا نہ ہو۔ شادی میں بربادی کا پھندا نہ لگاتا ہو۔ کیونکہ آج کل کا دستور ہے۔ شادی جوڑ دینے والے جب کسی کو شادی پر آمادہ پاتے ہیں تو خوب دلھن کی طرف سے لمبی چوڑی گاتے ہیں۔

ظالم: لو دیکھو سامنے سے جو آتی ہے۔ وہی وہ ماہ جبیں ہے۔

دمڑی: آہاہا۔ یار عورت تو بڑی حسین ہے۔ مگر یہ تو کہو بات کیا بناؤں۔ تقریر کا

سلسلہ کیا اٹھاؤں۔

ظالم: لو یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات ہے۔

دمڑی: بتلا دو مجھ کو کچھ نہیں وہاں سوجھنے کی بات ہے۔

ظالم: کیا آدمی ہو عشق کو پہچانتے نہیں۔

دمڑی: ہم سیدھے سادے بیل ہیں کچھ جانتے نہیں۔

(پروین کا آنا)

پروین: الٰہی خیر۔ کیا یہ وہی برگشتہ مقدر پیر ہے۔ جس کی قضا دامن گیر ہے۔

ظالم: ہنسی نہ کرو۔ کڑے ہو جاؤ۔ جاؤ جاؤ وہ آتی ہے۔ اس کی تعریف سے اپنا عشق جتاؤ۔

دمڑی: اچھا اچھا ٹھیرو۔ مگر تم بھی ذرا زور لگاؤ۔۔ (پروین سے) اے سرو گورستان۔ زر و جواہر کی کان۔ دولت کی دوکان۔ مجھ ایسے لاکھ معشوق تم پر قربان ۔ کیوں کیسی ہو میری جان۔

پروین: آپ کی جان حضور آپ کے تن میں ہوگی۔ یا کہیں لپٹی ہوئی گور و کفن میں ہوگی۔

دمڑی: خدا نہ کرے۔ کیوں دشمنوں کو کوستی ہو۔ کفن نصیب تو تمھاری سوت ہوئی۔ جو آج بیس برس ہوے فوت ہوئی۔ ماشاء اللہ مکان بھی امیرانہ ہے۔ ٹھاٹھ بھی شاہانہ ہے۔ آپ کے پاس کس قدر خزانہ ہے۔

ظالم: ارے ارے یہ کیا کرتے ہو۔

دمڑی: تو بھائی یہاں یہی شمار ہے۔ محبت کا کس کمبخت کو آزار ہے۔ مجھے تو پیسہ کا پیار ہے۔ کچھ دیر اور سینے پر پتھر دھروں۔ جا کر خوشامد کروں۔ واہ ری میری روپیہ والی عیار۔ دونیوں سے بھری۔ چونیوں سے کھری۔ نہال دولت کی کلی۔ روپوں پھلی۔ سونے کی ڈلی۔ ے

یوں چہرہ چمکتا ہے یہ زلفوں سے نکل کے
کل دار روپیہ نکلا ہے ٹکسال سے ڈھل کے

پروین: ؎

پھولو نہ مجھے دیکھ کے داغوں سے پھلی ہوں
سمجھو نہ مجھے پھول میں پژمردہ کلی ہوں

دمڑی: کس سوچ میں ہیں حضور ۔ بولیں۔ آنکھ تو ملائیں۔ دل کہاں ہے۔

پروین: ؎

بڑھ نہ چلیے مجھ کو یوں چپ بندہ پرور دیکھ کر
پاؤں پھیلاتا ہے انساں اپنی چادر دیکھ کر

دمڑی: ؎

کیا چلیں گے ہم رہ الفت میں ٹھوکر دیکھ کر
عقل کے پر جل گئے ہیں روئے انور دیکھ کر
(سائڈ میں) ہم تو اوندھے منھ گرے ہیں دولت و زر دیکھ کر

پروین: ہم سے صاحب چاہتے ہیں آپ کیسا واسطہ
دمڑی: سود لینے دینے والوں میں ہو جیسا واسطہ
(آہستہ سے) ارے نہیں توبہ میں بھولا۔ ؎
عاشق و معشوق میں ہوتا ہے جیسا واسطہ

پروین: ؎ ہوش کیجیے کس طرح سے گفتگو ہے آپ کی
دمڑی: ؎ ہوش کیجیے دل میں اب تو آرزو ہے آپ کی
(سائڈ میں) آرزو پیسہ کی ہے تیری نہ تیرے باپ کی

پروین: کچھ خبط ہے۔ یہ کیسا کلام بے ربط ہے۔ سفید بگلا اور ہنسوں میں سسرال۔ یہ منھ اور مسور کی دال۔ تمھاری تو وہ مثل ہے ۔ جس پر چھٹی۔ہوا پر برات۔ بوڑھا چولا جنازے کے ساتھ۔

دمڑی: آہاہا۔ کیا کہی بات۔ ذرا ادھر لائیے گا ہاتھ۔

پروین: بس نہ بکو واہیات۔

دمڑی: (گاتا) میری پیسہ والی جان۔ ہو تجھ پر قربان..........

بر سے چہرے پہ مرے نور خدا کی قدرت
اور تم کو نہ ہو منظور خدا کی قدرت

پروین: ؎

زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت
پہلوے حور میں لنگور خدا کی قدرت

دمڑی: ؎

یہ قد کمان کھینچی ہے کس تیر کے لیے
اور چال تیری دام ہے نخچیر کے لیے
دنداں نکال ڈالے ہیں تدبیر کے لیے

پروین: ؎

پھر کہتے کیا ہیں آپ مجھ ہمشیر کے لیے

دمڑی: ہیں ہمشیر۔ یہ کیا بے ہودہ تقریر۔ یہ تو نفرت کرتی ہے۔

(گانا)

ارے میں تو پیسوں کے پیچھے دیوانہ..........

اچھا اگر تمھیں یہ سفید بال دیکھ کر ملامت ہوتی ہے۔ تو لو میں اس پر جوانی کا اصلی رنگ لاسکتا ہوں۔ خضاب لگا کر کالا کرسکتا ہوں۔

پروین: انکھیوں سے ناک نہ سوجھے۔ میرا ہریا لابنا۔ داڑھی کی سفیدی کو ابھی معاف کرو۔ پہلے عقل کی سیاہی دھوکر صاف کرو۔ ؎

حرص و ہوس میں عمر تمھاری تباہ ہے
داڑھی ہوئی سفید مگر دل سیاہ ہے

دمڑی: یہاں تو کچھ دال گلتی نظر نہیں آتی۔ کیا ظالم نے مجھے بنایا۔ دھوکا دے کر یہاں لایا۔

پروین: ؎

گمان بھی نہ کریں آپ مجھ سے الفت کا
خیال بھی مجھے آتا نہیں محبت کا
مہینوں گزرے کہ رنج و الم میں گھٹتی ہوں
کروں جو عشق تو ہے کون وقت فرصت کا

دمڑی: میں نے سنا تھا تم تو امیر و کبیر ہو۔ پھر فکر کیا ہے۔ کس لیے غم میں اسیر ہو۔

پروین: افسوس تم سمجھتے نہیں۔ بھولے پیر ہو۔ جس غم میں میں ہوں تم بھی اسی میں اسیر ہو۔

دمڑی: کیا میں اسیر ہوں۔ میں تو بڑا مال دار ہوں۔

پروین: ؎

کہتی یہی تو آپ سے میں بار بار ہوں
تم ہو امیر اور میں مفلس ہوں خوار ہوں

دمڑی: ہیں۔ تو یہ سب کس کا مکان ہے۔

پروین: یہ تو مرحوم مرزا بیگ کا مکان ہے۔

دمڑی: ہیں۔ یہ مرحوم مرزا بیگ کا مکان ہے۔ اور تم کون ہو۔

پروین: ہائے میری پھوٹی تقدیر۔ میں دلگیر۔ ظالم کے ہاتھوں اسیر۔

ظالم: (دبی آواز میں)ارے کمبخت کیا غضب کرتی ہے۔

دمڑی: ہاں اچھا پھر۔

ظالم: دوست دمڑی بیگ اٹھو تو ۔ سنو تو۔ کچھ کہنا ہے۔

دمڑی: اچھا اچھا آتا ہوں ٹھیرا۔ ہاں پھر کہنا۔ پھر کیا ہوا۔

پروین: میں مرزا بیگ کے بیٹے پر عاشق تھی۔ ظالم نے دھوکا دے کر مرزا بیگ سے مرا بیاہ کرانا چاہا۔ بیاہ سے پہلے خدا جانے کیسا شربت پلایا کہ ان کو گور تک پہنچایا۔ اب تمھاری باری ہے۔ جو شادی کی تیاری ہے۔

دمڑی: ہیں یہ دغا بازی۔ یہ فتنہ پردازی۔

ظالم: کلن۔ جھمن۔

دونوں: خیر تو ہے۔
ظالم: خیر کیا۔ غضب ہو گیا۔ سب راز ظاہر ہو گیا ۔ دمڑی بیگ ماہر ہو گیا۔
دمڑی: اے ظالم بے ایمان یہ دغا بازی۔ ٹھیر میں ابھی پولس کو بلاتا ہوں۔ مزا چکھاتا ہوں۔
ظالم: پولس تک جب خبر پہنچائے گا۔ یہاں سے جو زندہ چلا جائے گا۔
پروین: ارے کیا غضب ہے۔ یہ کیا بیر ہے۔
دونوں: اسے مار رکھا تو بس خیر ہے (دھوکے میں جھمن کا مرنا)۔
جھمن: اف ظالم یہ کیا کام کیا۔
ظالم: کون جھمن۔ ہائے یہ کیا ستم ہوا۔ یہ تو بے دم ہوا۔

(پردہ)

باب تیسرا——سین پہلا

راستہ

(مستان کا آنا)

مستان: ؎

هم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے وہ مرے گھر میں چلے آئیں گے
کل یگ میں سنسار کی یہی ریت ہے ٹھیک
بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک

جب اشرف کی تلاش میں تمام زمانے کا چکر لگایا۔ تو ملنا تو درکنار پتہ بھی نہ پایا۔ اور جب چھوڑ بیٹھے۔ آس توڑ بیٹھے تو آپ سے آپ بازار میں مل گئے۔ آج مجھ سے ان سے یہاں ملنے کا وعدہ ہوا ہے۔ لیجیے وہی آتے ہیں۔ بندگی ذیشان۔

اشرف: آہاہا۔ مستان کہو۔ کیا حاجت ہوئی جو مجھے بلانے کی ضرورت ہوئی۔ ہم نے تو قسم کھائی تھی ان مالوں سے اپنے ۔ کہ اب نہ ملیں گے کبھی گھر والوں سے اپنے۔

مستان: افسوس آپ کو تو یہ رنج و ملال ۔ اور ظالم کا یہ حال کہ آقا مرحوم کی وفات سے تمام گھر بھر کا مختار بن بیٹھا ہے۔ صاحب اختیار بن بیٹھا ہے۔ ہم وفادار ہیں ۔ رہا نہیں جاتا۔ دشمن تمھارا مال کھائے یہ ہم سے دیکھا نہیں جاتا۔

اشرف: ؎

اس مال و زر کی بات نہ تو زینہار کر
تازہ نہ میرا زخم جگر بار بار کر

مستان: واہ یہ اچھا کھڑاگ ہے۔ پھر ہمیں کچھ بیراگ ہے۔ مدعی سست گواہ چست۔ اجی حضرت یہ آپ کس خیال میں ہیں۔ یہ جو بدگمانی ہے۔ یہ سب بد ذات ظالم کی کارستانی ہے۔

اشرف: ظالم کی کارستانی یعنی۔

مستان: لو دیکھو۔ کیا یہ نہیں تمھاری تحریر۔ دستخط دیکھو اور اس مضمون کو بھی پڑھ لو۔

اشرف: ہاں یہ دستخط تو میرے ہیں مگر یہ مضمون کیسا۔

مستان: جیسا بھیجا تھا ویسا۔ بس میاں لفافہ کھل گیا۔ سب غصہ ڈھل گیا۔

اشرف: افسوس دغا ہے، دغا ہے، دھوکا دیا گیا ہے۔ کیا میں نے اس لیے رفیق بنایا تھا۔ اے دغا باز ظالم۔ یہ مضمون کب بتایا تھا۔ یہ تحریر تو کسی فریب کی تدبیر ہے۔

مستان: اور سنو۔ (کان میں کچھ کہنا)۔

اشرف: اف زہر شادی کے دن ۔ اور پروین تہ خانہ میں قید ہے۔ اللہ اللہ یہ دغا بازی، یہ جعل سازی۔ او ظالم ملعون ۔ اپنے آقا کا خون۔ مستان یہ سب تمھیں معلوم کیوں کر ہوئی داستان۔

مستان: جناب رات کوئیں سویا ہوا تھا۔ اتفاق سے میری آنکھ کھل گئی ۔ تو کیا سنتا ہوں۔ ظالم اور کلن جو ابھی ایک نیا نوکر ہوا ہے۔ وہ بغل والے کمرے میں آہستہ آہستہ بات کر رہے ہیں۔ نئی گھات کر رہے ہیں۔ میں نے کان لگایا تو یہ سب حال پایا۔ اس وقت یہ بھی حال معلوم ہوا کہ پروین محل سرا کہ تہ خانے میں بند ہے۔ قید ستم میں دردمند ہے۔ یہ سنتے ہی یہ ماجرا پروین تک پہنچایا۔ صبر و تسلی دلایا۔ وہاں سے آپ کو بلانے آیا اور یہ خط بھی وہیں پایا۔ جو آپ نے دیکھا۔

اشرف: اے رب تقدیر۔ تیرے بندوں پر یہ ظلم بے تقصیر۔ پروین پیاری پروین

مجھے معاف کر۔ تو بے قصور تھی۔ رنجور تھی۔ ؎

یہ توقع تجھے سے مجھ کو بے وفائی کی نہ تھی
مہر بانی کی تھی تو نے کچھ برائی کی نہ تھی
لذت الفت میں بھی میں نے ملا کر سم دیا
تو نے مجھ پر دم دیا اور میں نے تجھ کو غم دیا

مستان:

خیر یہ تو ہو چکا اب چل کے تو مل لیجیے
دیجیے صبر و تسلی ہاتھ میں دل لیجیے
چشم پوشی کیجیے اب رحم فرمانے سے آپ
دیجیے چل کر رہائی ان کو تہ خانے سے آپ

اشرف: ؎

ہائے کس منھ سے چلوں شرم آتی ہے جاتے ہوئے
کیا کہوں گا اس سے اپنا حال سمجھاتے ہوئے
خیر آو چل کے دیکھوں اس کی شکل نیک کو
اس کو پہلے دیکھ لوں پھر دیکھوں گا اک ایک کو

(پردہ)

باب تیسرا ـــــــ سین دوسرا

دیوان خانہ

(پروین اور ظالم کا آنا)

پروین: ؎

ہائے ظالم کیوں ہوئی جاتی ہے ایسی خو تری
کیا بگاڑ ا ہے بھلا جو جان لے گا تو مری

ظالم: ؎

تو نے کب مجھ پہ ہے کی مہر جو میں تجھ پہ کروں
تو تو زندہ رہے اور پھانسی پہ چڑھ کے میں مروں

پروین: رحم رحم۔ ؎

ہو چکا ظلم بہت او ستم آرا مجھ پر
رحم کر رحم ستم گار خدارا مجھ پر

ظالم: بس نہ بات بنا۔ گردن جھکا۔ ؎

ہو چکا رحم جفاکاریوں کی باری ہے
لے خبردار کہ اب موت کی تیار ی ہے

پروین: بچانا پروردگار۔

(اشرف اور مستان کا آنا)

اشرف: خبردار او ستم گار۔

مستان: آپہنچا تیری جان کا طلب گار۔
پروین: او میرا اشرف۔ دلدار۔
اشرف: میری پروین ۔گلِ گلزار۔
ظالم: ہیں۔ تو اس گھر میں آنے والا کون۔
مستان: تیرا دادا فرعون۔
اشرف: او دغا باز۔ آدھا نہ پون۔ تو باتیں بنانے والا کون۔ نہیں جانتا میں ہوں امیر کا پسر۔ تیرا افسر۔
مستان: اب بھول گئے بیٹا گڑ بڑ سڑ بڑ۔
ظالم: ۔

کیوں تجھے اس بات کی اب تک نہیں کچھ بھی خبر
لکھ گیا تیرے لیے کیا مرتے دم تیرا پدر
پھر ترا کیا کام تھا تو کیوں چلا آیا ادھر

اشرف: ۔

فریبی جعلئی یوں ہاتھ مجھ پر تھا صفا کرنا
نمک کھا کھا کے میرا اور مجھ سے ہی دغا کرنا

ظالم: ۔

بہت خاموش ہو ہم کرچکے جو کچھ کہ تھا کرنا
نہیں اچھا ترے حق میں زیادہ بات کا کرنا

اشرف: اے بد ذات کیا میں نے یہی لکھوایا تھا۔
ظالم: تیری قسمت نے چکر کھایا تھا۔
اشرف: نمک حرام۔ اب تو اپنے کیے کی سزا پائے گا۔
ظالم: نادان تو نہیں باز آئے گا۔ کلن ارے او کلن۔
کلن: حاضر ہوا جناب۔
ظالم: ابھی جا۔ کوتوال کو بلالا۔ یہ غیر شخص ہمارے مکان میں آنے کی سزا پائے گا۔ اس پر مداخلت بیجا کا جرم لگایا جائے گا۔

پروین: ـ

گھر کی تو مالک ہوں میں تو کون ہے او نابکار
دخل بیجا کا بنا ہے آج جو تو دعوے دار
تو تو کیا کوتوال کو میں دیکھ خود بلواؤں گی
اب تری اس چالبازی کا مزا دکھلاؤں گی

اشرف: دیکھ ہماری مداخلت ثابت ہوتی ہے یا تیری خیانت۔ کوڑی کوڑی سمجھوں گا۔ بدذات اس کوتوال کے ہاتھ۔ تجھے بھیجوں گا حوالات۔

ظالم: ـ

بس نہ کر شور یوں ہی میں تجھے کیا چھوڑوں گا
تجھ کو بھی باپ کے پہلو میں سُلا چھوڑوں گا

اشرف: ـ

خیر دیکھا جائے گا وہ وقت تو قسمت سے آئے
یا تو تو مجھ کو مٹائے یا خدا تجھ کو مٹائے

کلّن: ـ

لیجیے کیا جلد لے آیا انھیں تدبیر سے
راستے میں مل گئے حضرت مجھے تقدیر سے

کوتوال: ـ کیوں بلایا آپ نے مجھ کو ضرورت کیا پڑی
ظالم: ـ کیا بتاؤں اک نیا طوفان اٹھا اس گھڑی
کوتوال: ـ کیوں کیوں طوفان کیسا؟

ظالم: ـ

یہ کوئی بدمعاش ہے آوارہ و خراب
بے وجہ اس محل میں گھسا ہے یہ بے حجاب
مجرم ہے اس کو کیجیے گرفتار اے جناب

اشرف: ـ

یہ مفتری فریبی ہے پتلا ہے چال کا
قصہ بھرا ہے مکر سے اس بدعمال کا

کھل جائے گا حضور پر بھید اس کے حال کا
بیٹا ہوں میں امیر کا مالک ہوں مال کا

ظالم: ۔

بندہ پرور رمز کچھ اور اس میں پایا جائے گا
گر یہ بیٹا ہے تو بے شک مال و دولت پائے گا
پر ثبوت اس کا ہے اس کے پاس کیا بتلائے گا

اشرف: کیا اس کا تجھ کو جواب دوں میں۔تو کون ہے تجھ کو جو کہوں میں۔

ظالم: میں کون۔ امیر مرزا بیگ کا نمک خوار۔ اس ملکیت کا مالک و مختار۔

مستان: تب بے شک یہ بیٹے سے زیادہ حق دار۔

ظالم: مرنے والے امیر نے اس کا قابض مجھے کیا ہے اور میرے نام اپنے ہاتھوں سے وصیت نامہ لکھ دیا ہے۔

کلن: ہیں۔ وصیت نامہ ظالم کے نام۔

کوتوال: کیا وصیت نامہ آپ کے نام۔

ظالم: جی ہاں۔ لا کلام۔

مستان: ہیں۔ وصیت نامہ اس کے نام۔ جب تو بڑھاپے میں یہ کوئی نیا لڑکا پیدا ہوا ہوگا۔

اشرف: جھوٹ ہے یہ کلام۔ اے نیک نام۔ غور کا ہے مقام۔ وصیت نامہ نوکر کے نام۔ یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔

ظالم: ہوے کو تو اب کوئی کھول نہیں سکتا۔

اشرف: ۔

ضرور اس میں کوئی تیری دغا ہے
فریب اپنا کوئی تو نے کیا ہے
وہ کاغذ جعلسازی سے بنا ہے
پدر کو میرے کچھ دھوکا دیا ہے

ظالم: اے احمق کیا تو سچائی کا جامہ پہن کر بولتا ہے۔ تو لے دیکھ بندہ تیری اور پارسائی کھولتا ہے۔ ؎

پدر آگاہ تھا تیرا تیری بدوضع خصلت سے
تجھے بد جان کر محروم رکھا اس نے دولت سے
پلایا اس کو تونے زہر اس بد ذات عورت سے
کرایا خون ناحق اپنے والد کا عداوت سے

کوتوال: ہیں۔ کیا خون کیا۔ زہر دیا۔

مستان: خیر زہر زبوں کا نام تو زبان پر آیا۔ اب ثابت ہونا باقی ہے کہ کس نے پلایا۔

پروین: ؎

الٰہی توبہ کیا کیا دل سے یہ باتیں بناتا ہے
غضب ہے خون کا ہم دونوں پر طوفاں اٹھاتا ہے

اشرف: او نمک حرام کمینے غلام۔ کیا میں نے کیا اپنے باپ کا کام تمام۔

ظالم: دیکھیے حضور مارنے آتا ہے۔

کوتوال: ٹھیرو۔ دم لو۔ کیا آپ دونوں کا نام بتاتے ہیں۔ دونوں پر خون کا الزام لگاتے ہیں۔

ظالم: ایک پر خون کا الزام دوسرے کا مددگاروں میں نام۔

کوتوال: آپ کا نام۔

ظالم: ظالم سیر۔

مستان: پیپل والا بھوت۔ شیطان کا کابوت۔

کوتوال: ظالم سیر بن......

ظالم: نیک اختر۔

مستان: گدھی خرلوتاں چماری کا پسر۔

کوتوال: رہنے کا مکان۔

ظالم: چوک چھل باز خان۔

مستان: مرگھٹ مستان یا قبرستان۔

کوتوال :۔

اس قاعدے سے علم تو ہوگا تمھیں ضرور
ایسا بڑا گناہ چھپانا بھی ہے قصور
قاتل تو خیر اپنی سزا پا ہی جاے گا
الزام اس کا آپ کے سر پر بھی آئے گا

مستان: الٹی آنتیں گلے پڑیں۔ چلے تھے مردہ جلانے خود ہوگئے بھسم۔ لینے گئی پوت کھو آئی خصم۔

سپاہی: حضور اب دیر نہ کریں۔ ان مجرموں کو حوالات لے چلیں۔

کوتوال: نہیں ایسے ذی عزت خاندان کی ذلت نہ چاہیے۔ ان کو حوالات میں نہ لائیے۔ مگر اسی گھر کے اندر کمرے لیے جائیں۔ مجرم اس میں محفوظ کیے جائیں۔ الگ الگ نظر بند رہیں۔ باہر نہ جانے پائیں۔ آو میاں ظالم ہمیں اس مکان کے کمرے دکھاو۔

(سب کا جانا)

مستان :۔

یارب یہ کیسے ان کے مقدر بگڑ گئے
ظالم کے بدلے قید میں مظلوم پڑ گئے
ایسی فغاں غریبوں کی اب بے اثر ہوئی
مانگی دعائے شب تو نمود سحر ہوئی

آج کل اس گھر میں جو بات ہوتی ہے۔ وہ عقل و ہوش کھوتی ہے۔ ابھی چند دن ہوئے کہ عین شادی کے وقت آقا کی وفات ہوئی۔ چراغ بگڑی غائب والی بات ہوئی۔ آج اشرف پر یہ واردات ہوئی۔ یہ سب تو ہوا مگر

کچھ دنوں سے وہ دونوں نواب بھی غائب ہوے۔ پر اب اس کے عوض ایک تیرا بے ایمان شیطان کا بھائی طوفان ظالم کا نوکر ہوا ہے۔ دودھ پانی کی طرح ملا ہے۔ مجھے یہ شبہ اس پر ہوا ہے۔ کہ کہیں اس کی صورت اور بھی دیکھنے میں آئی تھی۔ خیر ۔

اب مجھ کو فرض ہے کہ ثبوت خیال سے
جو کچھ کہ جانتا ہوں کہوں کوتوال سے
ان کی بھلائی کے لیے جدو جہد کروں
رب کچھ مدد کرے تو میں ان کی مدد کروں

(گانا)

اگر ہو رب یا............

باب تیسرا ــــــــ سین تیسرا

قید خانہ

ظالم: ہمت مرداں مدد خدا۔ میرے سب کام ہیں اب تک برابر۔ جو پہرے پر سپاہی تھا۔ مکرر دیا زہر اس کو دارو میں ملاکر۔ سرجھکا کر جہنم کو پہنچا۔ اب اسے جگاؤں الٹی صلاح بتاؤں۔ یہاں سے بھگاؤں۔ نئے داؤں میں پھنساؤں۔ اگر یہ میرے سمجھانے سے بھاگ گئی تو گویا میری قسمت جاگ گئی۔ خوب شور مچاؤں گا۔ اور جس سپاہی کو مار کر میں یہاں آیا ہوں اس کا جرم اس کے سر لگاؤں گا۔ اس کو پھانسی چڑھاوں گا۔ پروین اٹھ بیدار ہو۔ ہشیار ہو۔

پروین: او بدمعاش کیا تیری اوقات تھی۔ بتا تو میری خواب گاہ کے کمرے میں کیوں گھسا۔

ظالم: خون کی تہمت سے چھڑانے کے لیے۔ پھانسی کے تختے سے بچانے کے لیے۔

پروین: خون۔ پھانسی۔ او ناسزائی کیا ہوا سودائی۔ ان کاموں کا تو ہی سزاوار ہے۔ تیرے ہی لیے پھانسی اور دار ہے۔

ظالم: اے ناسمجھ تو ذرا سی پدی ہے۔ مگر بڑی ضدی ہے۔ ؎

میں تیرا دوست ہوں کوئی دشمن مجھے نہ جان
جو کچھ صلاح دوں میں تجھے جی سے اس کو مان

ادھر آ۔ اس ٹوکری میں بیٹھ۔ اوپر میرا سب بندوبست کیا ہوا ہے۔ اوپر پہنچ کر جس طرف تیرا دل چاہے بھاگ جا۔

پروین: بھولے باہمن مرغی کھائی۔ اب کھاؤں تو رام دہائی۔ ایک بار تیرے فریب میں آ چکی۔ دھوکا کھا چکی۔ میری قسمت میں جو ہونی ہے وہ ہونا ہوگا۔ تجھ کو تو گور پہ میری نہیں رونا ہوگا۔ مکار دور ہو۔ یہاں سے جا۔ ایسی بدصلاح مجھے نہ بتا۔ بھاگنا تیرے جیسے چور کا کام ہے۔

(گانا)

چھل سوں لاج موری سگری گنوائی......

ظالم: ہیں۔ یہ بات ہے تو ٹھیر جا۔ تیرے لیے ایک نئی گھات ہے۔

پروین: تو کیا ۔ میں خود تجھے اس گھات کا مزا چکھاتی ہوں۔ ابھی پہرے دار کو بلاتی ہوں۔

(دروازہ کھولتی ہے تو سپاہی کی لاش گرتی ہے)

ہیں۔ یہ کیا بلا۔

ظالم: ارے کوئی ہے دوڑو۔ دوڑو ۔ سرکاری آدمی کا خون ہو گیا ہے۔

سپاہی: ہیں یہ کیا شور ہے یہاں۔

ظالم: اس حرام زادی، شیطان کی دادی نے پہریدار کو مارا۔ بچارا جان سے سدھارا۔

پروین: جھوٹ سراسر جھوٹ۔ مجھ پر بہتان لگایا ہے۔ یہ خود پہریدار کو مار کر یہاں گھس آیا ہے۔

حولدار: ہائے ہائے کیا بچارے پر قہر ٹوٹا۔سپاہی جاو کوتوال صاحب کو بلا لاؤ۔

باب تیسرا ــــــ سین چوتھا

راستہ

کلن: چور کے گھر مور پڑا ؎

اس گھر میں آج تک جو کیا ہم نے کام ہے
سمجھا تھا اس میں میری شراکت مدام ہے
لیکن فریب مجھ سے بھی ظالم یہ چل گیا
یہ سارا مال و زر تو اسی کے ہی نام ہے

اتنی مدت ہوئی اس وصیت نامہ کا مجھ سے کبھی ذکر بھی نہ آیا۔ وصیت کب بنایا اور اپنے اکیلے ہی کے نام لکھوایا۔ مگر جاتا کہاں ہے۔ میں کیا ہضم ہونے دوں گا۔ تو سہی دمڑی دمڑی اگلوا لوں گا۔ انتڑی تک کھینچ نکالوں۔ ابھی کوتوال صاحب سے مل جاوں۔ سب حال سناؤں۔ خود معافی مانگ کے بچ جاؤں اور اس کو پھانسی پر چڑھاوں۔ ؎

کلن ہوں میں بھی اور کوئی دوسرا نہیں
وہ بات میری گھات کی سمجھا ذرا نہیں
وہ دیو ہوں کہ جیتا چبا جاوں گا اسے
بدلہ نہ لوں تو نام یہ کلن مرا نہیں

(ظالم کا آنا)

ظالم: کون کلن۔ یہاں کھڑے ہو مگر ہاں دیکھو جس طرح میں تمھیں پہلے نواب بنا کے لایا اور تم نے ایسا نوابی ٹھاٹھ دکھلایا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔

ویسا ہی اب میرے نوکر بنے ہو تو اس کا بھی ویسا ہی رنگ جمانا۔ کسی کے تال پر نہ آنا۔ نہیں تو عین وقت پر مشکل پڑ جائے گی۔ تدبیر بگڑ جائے گی۔ یار کیا کہوں کھانا تو تیاری پر ہے۔ فقط دم دینے کی کسر ہے۔

کلن: اجی دیکھیے۔ ایسا دم دوں کہ میں بے دم بنادوں۔

ظالم: بس تھوڑی نمک مرچ درکار ہے۔

کلن: دوسرے کے واسطے نمک مرچ اور تمھارے لیے گرم مصالہ تیار ہے۔

ظالم: شاباش میرے دوست۔ مکان تو بنا چکا ہوں مگر باقی استر کاری ہے۔

کلن: تو کیا دشواری ہے۔ بندہ ایسی کاری استر کاری دلوائے کہ ساری عمارت صاف ہو جائے۔ کیا مجال کہیں اینٹ نظر آئے۔

ظالم: ؎

خالی نہ کوئی اپنے یہاں مکر و فن گئے
ان سب کو کیا خراب کیا خود ہی بن گئے

کلن: استاد ابھی کیا بنے ہو۔ ابھی تو جب ہم موقع پائیں گے تو تمھیں اچھی طرح بنائیں گے۔

ظالم: یار تمھاری مہربانی ہے تو بس ہر کام میں آسانی ہے۔ ؎

اشرف کو بھی پدر کی طرح عیش تن نہ دوں
دولت تو خیر، مرنے پہ گور و کفن نہ دوں

کلن: خاصے ایسے مفس کہ کفن تک نہ دوگے۔ بھائی تم چاہے نہ دو۔ مگر ہم تو تمھارے مرنے پر ضرور وفاداری کریں گے۔ ابھی سے کفن کی تیاری کریں گے۔

ظالم: واہ تو یہاں مرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ابے ہم نے تو زندگی کا کنٹراکٹ لیا ہے کنٹراکٹ۔

کلن: واہ رے میرے زندگی کے کنٹراکٹر۔ تم کب مروگے۔ تم تو شیطان کے ساتھ پیدا ہوے ہو۔ جب وہ مرے گا تب تم بھی مروگے ۔ خیر یہ تو مانا۔ مگر اب کیا کام رہ گیا ہے انجام پانا۔

ظالم: بس مقدمہ چلانا اور اشرف کو پھانسی دلانا۔ پھر مزے سے دندنانا۔ مال پوا کھانا۔ اور مونچھوں پر تاؤ چڑھانا۔

کلن: وہ ذرا ادھر تو ہاتھ لانا۔ کیا بات ہے استاد زمانہ۔ ؎

کودا کوئی اس بات پر یوں دھم سے نہ ہوگا
جو کام ہوا تجھ سے وہ رستم سے نہ ہوگا

ظالم: اچھا تو یار میں مقدمے کی فکر میں جاتا ہوں۔

(ظالم کا جانا)

کلن: ہاں جاؤ ۔ جلد جاؤ۔ میں اب تیرے گور و کفن کا سامان کرکے آتا ہوں۔ سیدھا جہنم کا راستہ دکھاتا ہوں۔ ؎

تو سیانا ہے تو میں بھی ایک ہوں ہر بات میں
تو ہے ان کی گھات میں اور میں ہوں تیری گھات میں

(کلن کا جانا اور کوتوال اور مستان کا آنا)

کوتوال: ؎

چلو اچھا کیا ظاہر کیا جو سر بسر ہم سے
مگر کیا خوب ہوتا پہلے ہی کہتے اگر ہم سے

مستان: یوں ہوتی ہے چوک جب تلک قسمت نہ ہو یاور۔ مگر ہاں دیکھیے ہیں اس قدر شبہ مجھے جس پر۔ ہے آتا اس طرف کچھ سوچ میں اپنے وہی نوکر۔ جو سچا حال لیتا ہے تو اس کو پھانسیے چل کر۔ اگر اپنی طرف اس کو ملا لیجیے گا گھاتوں سے۔ تو سارا بھید ظالم کا ملے گا اس کی باتوں سے۔

کوتوال: رائے تو خوب ہے۔ اگر اس پر کوئی تدبیر چل جائے گی تو ضرور غرض نکل جائے گی۔

(کلن کا آنا)

کلن: مجھے آپ سے کچھ کرنا ہے کلام۔
کوتوال: مجھے بھی حضرت سے ہے کام۔ تو آؤ ہو جائیں باتیں تمام۔
کلن: ؎

بہت خوب آیا۔ پہ یہ ہے کلام
کہ جاں بخشی کا ہوا اگر اہتمام
تو جو حال ہے وہ کہوں میں تمام

کوتوال: ؎

جو اپنے وعدہ میں سچا میں تم کو پالوں گا
تو بال بال عدالت سے بس بچالوں گا
خیر آو چل کے اپنا لکھاو ذرا بیان
تا میں سمجھ لوں اچھی طرح سے یہ داستان

(سب کا جانا)

باب تیسرا ــــــ سین پانچواں

دربار

(گانا سہیلیوں کا)

گلن گلن راجن ساجن آوت ہے پیارا............

کوتوال: جہاں پناہ۔ وہ مقدمہ، کیا تھا کل تذکرہ جس کا میں نے خدمت میں۔ جو حکم، تو کروں آج پیش خدمت میں۔ ؎

نہ صاف دوسروں میں یہ معاملہ ہوگا
حضور خود جو کریں گے تو فیصلہ ہوگا

نواب: کہو مدعی اور مدعا الیہ سب حاضر ہیں۔

کوتوال: جی حضور۔

نواب: اچھا پہلے مدعاالیہ کو پیش کرو۔ (سب کا آنا) تم پر زہر خورانی کا الزام لگایا ہے۔ تم اپنی بریت کے لیے کیا جواب رکھتی ہو پیش کرو۔

پروین: جناب خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میں محض بے قصور ہوں۔ ؎

ہماری جان پہ جو کچھ ہوئی قیامت ہے
بیان کرنے میں اس کے بہت طوالت ہے

نواب: کیا تمھاری مرحوم مرزا بیگ سے شادی نہیں ہوئی تھی۔

پروین: ہرگز نہیں۔

نواب: پھرتم مرزا بیگ کے گھر میں کیوں کر آئیں۔

پروین: ظالم کی چال سے۔

نواب: خیر۔ اشرف اپنے باپ کی وفات کے وقت حاضر تھا یا غیر حاضر۔

پروین: غیر حاضر۔
نواب: کیوں اشرف یہ صحیح ہے۔
اشرف: بے شک حضور بہت صحیح ہے۔
نواب: تم جانتی ہو کون کون لوگ تھے۔
پروین: حضور ایک تو یہ مستان۔
مستان: جی میں ذی شان۔
پروین: دوسرے دو نواب جو کئی دنوں سے نظر نہیں آتے ۔ تیسرے یہ نکاح خواں چوتھا خود ظالم۔
نواب: ان نوابوں کا حاضر دربار ہونا ضروری ہے۔ ان کے نہ ہونے سے انصاف کی مجبوری ہے۔
کوتوال: جلالت مآب ۔ آج جس مقدمہ کی روبہ کار ہے۔ اس میں بہت بڑا اسرار ہے۔ ان نوابوں سے غلام خبردار ہے۔
نواب: کیا تم نے انھیں پالیا۔
کوتوال: جی ہاں۔ غلام نے پتہ لگالیا۔ نہ معلوم آپس میں کیا پھوٹ آئی کہ ان میں سے ایک نے مجھے مل کر سب کیفیت سنائی۔ اگر حکم سرکار ہو تو حاضر دربار ہو۔ جس سے کل حال آشکار ہو۔
نواب: لاؤ جلد حاضر کرو۔

(کلن کا آنا)

ہیں۔ کیا یہی نواب ذی شان ہے۔ یہ تو کوئی غریب انسان ہے۔
کوتوال: حضور اسی غریب سے سب مشکل آسان ہے۔
دمڑی: حضور یہ تو کوئی دھوبی ذی شان ہے۔
نواب: تمھارا نام۔
کلن: کلن۔

نواب: کیا تم ظالم کے دوست ہو۔

کلن: دوست۔ دوست۔ جیسے بدن اور پوست۔ لیکن حضور اگر میری جاں بخشی ہو۔ ـ

تو میں سچ سچ کہوں سرکار میں جو حال ہوا
کس طرح دونوں کا گھر بار پامال ہوا

نواب: اگر راستی تم میں کافی ملے گی تو جان کی بھی تم کو معافی ملے گی۔ بیان کرو۔ ظالم کون شخص ہے۔

کلن: اس شہر کے نامی۔

نواب: نامی کس بات میں۔

کلن: حکمت میں، گھات میں ، چوری میں، سینہ زوری میں ـ خون کی چالوں میں، سنہری ٹولی والوں میں۔

نواب: (اشرف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تم ان کو پہچانتے ہو؟

کلن: بہت اچھی طرح سے۔

نواب: کون ہیں ؟

کلن: مرحوم مرزا بیگ کے صاحب زادے۔

نواب: مرحوم کی شادی اور انتقال کے وقت یہ حاضر تھے؟

کلن: جی نہیں۔

مستان: (سائڈ میں) واہ میں تو اپنے باوا کی شادی کے وقت ڈھول بجاتا تھا۔

کلن: میاں ظالم کے ہتھکنڈوں سے یہ نکالے گئے تھے۔

نواب: ان کے نکالے جانے سے ظالم کو کیوں خوش حالی تھی۔

کلن: ظالم نے ہی تو یہ تدبیر نکالی تھی کہ باپ کو بیٹے سے لڑاؤں اور کسی طور اشرف کو پروین سے جدا کراؤں۔

نواب: بیٹے کو باپ سے جدا کرایا تو کیا پایا۔

کلن: دولت و زر پایا۔ مال و مکان پایا۔ اشرف کو دھتا بتایا۔ امیر کو زہر پلایا۔ شادی کے پیشتر قبر میں سلایا۔ اور جائداد کو قابو میں لایا۔

نواب: ہیں۔ کیا امیر کو ظالم نے زہر دیا۔

کلن: جی ہاں حضور۔

نواب: ثبوت۔

کلن: ثبوت۔ بندہ خود۔ جناب جس دن شادی ہونے والی تھی اس کے ایک دن پیشتر شربت کا دور ہوا۔ جس میں یہ کام فی الفور ہوا کہ مرحوم کے پیالے میں ظالم نے ایک قسم کا زہر ملایا جو پورے چوبیس گھنٹے میں اپنا کام کردے۔ زندگی کا قصہ تمام کردے۔

نواب: اوہو۔ پہلے ہی سے یہ تدبیر کر رکھی تھی۔ اچھا تو وصیت نامہ پر کیسے قابو پایا۔ جو اپنا نام چڑھایا۔

کلن: شادی کے دن جب وصیت نامہ پیش کیا گیا تھا ۔ تب وقت گزر چکا تھا۔ زہر رگ و پا میں اثر کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے پڑھنے لکھنے کی مجبوری تھی اور دستخط کرنی بھی ضروری تھی ۔ لہذا بے پڑھے دستخط کر گئے۔ اور پورے چوبیس گھنٹے ہوتے ہی مر گئے۔

نواب: اچھا جب مرحوم کی کل جائداد پالی تو پھر پروین کو قید کر کے کیوں مصیبت ڈالی۔

کلن: حضور یہی تو سنہری ٹولی والوں کا کام ہے۔ ایک کے بعد دوسرے کے لیے تیار دام ہے۔ پروین کو قید کرنے سے یہ غرض تھی کہ اب کسی دوسرے شکار کو لاؤں اور شادی کے بہانے زہر پلاؤں۔ اس کی جائداد پر بھی ہتھ لگاؤں۔ چنانچہ اسی کے لیے کسی ترکیب سے دمڑی بیگ جو اس شہر کے دولت مند مخص ہیں..........

دمڑی: ارے دولت مند۔ یہ کیا بک رہا ہے۔

کلن: ان کو کسی طرح سے داؤں پر چڑھا لیا۔ راضی بنالیا۔

نواب: دمڑی بیگ کس مخص کا نام ہے۔

دمڑی: حضور یہی مسکین غلام ہے۔ مفلس ہے ۔ ناچار ہے۔ نہ کوڑی ہے نہ چھدام ہے۔

نواب: تم پر کیا واقعہ گذرا۔ بیان کرو۔

دمڑی: حضور میں ایک غریب آدمی۔ ایک روز اپنی دال روٹی کی فکر میں تھا۔ اتنے میں حضرت ظالم آگئے۔ ادھر ادھر کی باتیں نکال کر ایک نیا فقرہ ڈھالا۔ یہ جملہ نکالا کہ ایک عورت مال دار۔ طرح دار۔ رشک گلزار تم پر عاشق زار ہے۔ شادی کر کے تمھارے نام کل جائداد لکھ دینے پر تیار ہے۔ میں بچارا بھولا بھالا۔ اللہ والا روپوں کا نام سن کر دام فریب میں گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگیا۔

نواب: تم بوڑھے اور یہ جوان۔تمھیں یقین کیوں کر آیا کہ تمھارے ساتھ شادی کرے گی۔ اپنی جوانی کی بربادی کرے گی۔

دمڑی: حضور مثل ہے غرض مند دیوانہ ۔ مجھے یہ کہتے شرم دامن گیر ہے کہ غلام کنجوسوں کا باپ۔ مکھی چوسوں کا پیر ہے۔ روپوں کا نام اور دولت کی لالچ نے مجھے اندھا بنادیا۔ پوری سزا کو پہنچادیا۔

نواب: خیر۔ پھر آگے کیا ہوا۔

دمڑی: حضرت ظالم نے مجھے گھر لے جا کر شادی کے جوڑے کے بدلے کفن کا سامان کیا۔ خیر ہوئی کہ میرے بدلے خدا نے اس کے ساتھی کو بے جان کیا۔ تو میں جان بچا کر نکل آیا۔

نواب: ظالم کا اور کون ساتھی تھا۔

کلن: حضور جھمن نامی ۔ جو میرے ساتھ ایک اور نواب بنا تھا۔

نواب: او ہو تو اس کا خون بھی ظالم ہی کے ہاتھ سے ہوا۔

کلن: جی ہاں حضور۔

نواب: اس قدر تم پر حادثہ گزرا۔ پھر بھی تم نے نہ کچھ پولس سے کہا۔

دمڑی: حضور میں ایک غریب آدمی ٹھیرا۔ زر نہ زور پھر کس بات پر شور۔ پولس میں تو وہ جائے جس کے پاس حرام کی دولت ہو۔ مقدمہ تو میں اس وقت چلاؤں۔جب دو چار ہزار پر آنسو بہاؤں۔ وکیلوں کی جیب گرماؤں۔ گواہوں کی بھینٹ چڑھاؤں۔ عدالت تک ایڑیاں رگڑتا جاؤں اور آؤں۔

وہی مضمون ہے۔ کہ کوڑیاں جمع کروں اور اشرفیاں لٹاؤں۔

نواب: خیر کلن تو تو ظالم کا دوست تھا۔ مگر کیا وجہ ہوئی جو تیرا دل اس سے خلاف ہو گیا۔ جس سے سب بھیدوں کا انکشاف ہو گیا۔

کلن: حضور مجھے جو اس سے دشمنی اب ہے۔ اس کا ایک سبب ہے۔ ہم تینوں آدمی کا یہ وعدہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت کا شکار ہو۔ اس میں تین حصہ حسب اقرار ہو۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا نظر آیا۔ ظالم نے تو سارا مال اپنے قبضے میں لایا۔ ہم نے بھی یہ سوچ کر کہ ہم ڈوبیں گے مگر یار کو لے ڈوبیں گے۔ اس موقع پر اپنی کسر نکالی۔ ساری حقیقت سنا ڈالی۔ اب ظالم ہے اور جناب عالی۔

نواب: (سب سے) تم اس کو پہچانتے ہو۔ یہ شخص کبھی اور تمھارے دیکھنے میں آیا ہے۔

سب: جی نہیں حضور۔

نواب: تو تو ہی نواب تھا۔ اس کا ثبوت تیرے پاس کیا ہے۔

کلن: ثبوت یہ ہے کہ میں اسی نوابی بھیس میں آتا ہوں ۔ شادی والے دن جو لوگ حاضر تھے وہ مجھے پہچان لیں گے۔ حضور میری سچائی جان لیں گے۔

نواب: اچھا جاؤ۔ نواب بن کے آو ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

کلن: بہت خوب حضور۔

(کلن کا جانا)

نواب: ظالم کو پیش کرو۔(ظالم کا آنا) تمھارا دعویٰ کیا ہے۔

ظالم: مرزا بیگ کا خون ان دونوں نے کیا ہے۔

نواب: بھلا یہ تم کہہ سکتے ہو کہ مرحوم بچارا کس چیز سے گیا مارا۔ تلوار تھی یا آرا۔

ظالم: حضور تلوار تھی نہ آرا۔ قاتلوں نے زہر سے مارا۔

نواب: خون جیسا مقدمہ تم نے۔ مدتوں تک چھپا رکھا تم نے ۔ کیا سبب کیوں

نہیں کہا تم نے۔

ظالم: ؎

اس خون میں تو پہلے بہت شک رہا مجھے
مدت تلک نہ اس کا ملا کچھ پتہ مجھے
اب بیس روز سے یہ ملا مدعا مجھے
تب سب یہ کوتوال سے کہنا پڑا مجھے

نواب: خیر اس خون کا پتہ تم کو۔ ہے بھلا کس طرح ملا تم کو۔

ظالم: اس عورت کے صندوق میں سے۔ صندوق ایک کھولا پایا۔ میں نے جو تختہ اٹھایا۔ اس میں ایک گلاس نظر آیا۔ پہچانا تو جانا۔ کہ امیر کو شربت پلایا وہ یہی گلاس تھا۔ میں نے اسے شک سے تلاش کیا ۔ تو زہر پایا۔ تو راز فاش کیا۔

نواب: خیر زہر تم نے کیسے پہچانا۔ اور اس کی تحقیق کو قابل اطمینان کیسے جانا۔

ظالم: اس گلاس میں پانی بھرا اور پانی میں چاول بھگاے۔ پھر گھر کی مرغی کو کھلاے۔ بس وہ کھاتے ہی مر گئی۔

دمڑی: افسوس۔ افسوس۔ ساڑھے چھ آنے کی مرغی بھی مری۔

ظالم: اگر زیادہ تحقیق منظور ہے۔ تو کیا دور۔ جھوٹا ہار سکتا ہے۔ اس گلاس کا باقی زہر اب بھی چار آدمی کو مار سکتا ہے۔

نواب: ہوں۔ آپ بڑے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ زہر کے انداز سے خوب واقف معلوم ہوتے ہیں۔ خیر وہ مری ہوئی مرغی کہاں ہے۔

مستان: (سائڈ میں) بِلّا لے گیا۔ اور بلے کو بھوکا کتا کھا گیا۔ اور کتے کو میونسپل والے اٹھا لے گئے۔

ظالم: بدبو کے سبب اٹھوا دی گئی۔ دور پھنکوادی گئی۔

نواب: خیر زہر کب دیا گیا ۔ شادی کے وقت پلایا۔ یا اس کے پیشتر کھلایا۔

ظالم: حضور شادی کے چوبیس گھنٹے پیشتر۔

نواب : تو یہ کاروائی چوبیس گھنٹے پیشتر ہوئی۔ مگر ہاں تمھیں وقت کی کیوں کر

خبر ہوئی۔

مستان: جواب ندارد۔

نواب: جس وقت شربت کے دور کا موقع آیا۔ تو شربت کے پیالے کون اٹھا کر لایا۔

ظالم: میں اور مستان۔

نواب: تو پھر پروین کہاں تھی اس آن۔

ظالم: مرزا بیگ کے پاس۔

نواب: جب پروین کو مرحوم کے پاس پایا۔ تو اسے شربت میں زہر ملانے کا کون سا موقع ہاتھ آیا۔

ظالم: حضور جب ہم لوگوں کو کسی کام کی غفلت میں پایا ہوگا۔ اس وقت آنکھ بچا کے زہر ملایا ہوگا۔

نواب: اچھا شادی کے وقت کون کون لوگ حاضر تھے۔

ظالم: ایک میں۔ دوسری پروین۔ تیسرا مستان۔ چوتھے دونوں نواب ذی شان اور پانچویں یہ با ایمان۔

نواب: اور کوئی۔

ظالم: اور کوئی نہیں۔

نواب: تو پھر اشرف کو کیسے گنہ گار بنا دیا۔ حالانکہ وہ تھا بھی نہیں۔ مگر تم نے اپنی طرف سے الزام لگادیا۔

ظالم: حضور پرسوں جب میں باہر سے آیا۔ اشرف کو پروین کے مکان میں بات کرتے پایا۔ جب میں نے کان لگایا تو مضمون نیا پایا۔ جس سے خون کا ثبوت ہاتھ آیا۔

نواب: کیا تم سب تھے ایک ہی کمرے میں۔

ظالم: جی نہیں ۔میں دوسرے میں یہ دوسرے میں۔

نواب: تو کیا دروازے کھلے ہوئے تھے۔

ظالم: دروازے بند تھے۔ کواڑ بھڑے ہوئے تھے۔

نواب: جب کواڑ تھے بند جیسے ۔ تو تم نے یہ کلام سنے کیسے۔
ظالم: اس دروازے میں ایک سوراخ پایا۔ اس میں سے یہ سب حال نظر آیا۔
نواب: ؎

تمھاری بات سے پیدا بہت سے بھید ہوتے ہیں
مکان میں جھانکنے کے واسطے کیا چھید ہوتے ہیں

ظالم: بعضے بعضے مکان میں ہوتے ہیں۔
دمڑی: جی ہاں میرے مکان میں تین چھید ہیں۔
نواب: خیر اس ثبوت سے تم نے اشرف کا مددگاروں میں نام لکھایا۔ واقعی وہ امیر کے مرتے وقت حاضر یہیں تھا۔ یہی نا۔
ظالم: جی حضور۔
نواب: دیکھو پھر غور کر کے بولو۔
ظالم: تھا۔ نہیں۔ نہیں۔ تھا۔ تھا۔
مستان: دیکھیے کمبخت ہاں بھی کہتاہے اور نا بھی کہتا ہے۔ یہ دو منھ کا سانپ ہے۔
نواب: شادی کے دن جو دو نواب تھے۔ وہ کہاں غائب ہو گئے۔
مستان: کبوتر بن گئے۔
ظالم: حضور یہ تو میں نہیں جانتا۔ ؎

پردیسی تھے وہ لوگ ۔ نہ جانے کدھر گئے
کچھ دن یہاں بھی ٹھیرے تھے رہ کر گزر گئے

کوتوال: فیض مآب ۔ اس وقت وہ نواب حاضر دربار ہے۔ جس کی انصاف میں درکار ہے
نواب: پیش کرو۔

(کلن کا آنا)

کلن: بھائی جان۔ آداب عرض ہے۔
ظالم: ہیں۔ یہ کون کلن۔ نواب کے بھیس میں یہ کیا گل پھولا۔ کیا کلن بھی

میری دوستی بھولا۔ اب صرف میں ہی پھانسی پر جھولا۔

نواب: کیوں تم لوگ پہچانتے ہو۔ یہی نواب شادی کے وقت تھے۔

سب : ہاں حضور یہی بس یہی۔

نواب: ظالم تم بھی پہچانتے ہو یہ کون ہے۔ کیوں۔ اب تو تمھاری ایمان داری کھل گئی ساری۔ اب کیا ہے تمھارا بچاؤ۔ ہو تو بتاؤ۔ ؎

کیوں سبب کیا ہے جو لب اپنے ہلاتے بھی نہیں
پوچھتے بھی کچھ نہیں اور کچھ بتاتے بھی نہیں
سر اٹھاؤ تو سہی آنکھ ملاؤ تو سہی
نشۂ مے بھی نہیں نیند کے ماتے بھی نہیں

ظالم: اے عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والے۔ واقعی تمھارا انصاف خدا کے انصاف کا نمونہ ہے۔ تمھاری عدل کی تلوار سے ظالموں کے ظلم کا قلع قمع ہوتا ہے۔ عادل نواب میں سمجھ گیا کہ آپ پر کل حال ظاہر ہو چکا ہے اس لیے میں بھی۔ ؎

کرتا ہوں آج اپنے قصوروں کا اعتراف
جو حال واقعی ہے وہ کہتا ہوں صاف صاف
ہے سب میرا قصور کہ جس سے تباہ ہوں
جو چاہو حکم دو مجھے میں پُر گناہ ہوں

کوتوال: حضور اس سے دریافت کیا جائے کہ جو پہرے کا جوان جان سے سدھارا۔ اسے کس نے مارا۔

نواب: کیوں ظالم ۔ کیا تم اس آخری وقت میں اتنا اور سچ بولوگے۔

ظالم: ؎

جھوٹ کہنا ہو چکا باہر مرے امکان سے
میں نے ہی مارا تھا اس کو بھی وہاں پر جان سے

نواب: ظالم مجھے تمھارے حق میں اپنی آخری تدبیر سناتے سخت افسوس ہوتا ہے۔ تم کو اگر مارِ آستین کہا جائے تو زیبا ہے۔ واقعات گزشتہ کے ثبوت سے

پروین اور اشرف ساتھ عزت اور حرمت کے رہا کیے جاتے ہیں اور تمام جرائم تم پر لگائے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ تم دو دن میں توبہ استغفار کر رکھو اور پرسوں پھانسی پر چڑھنے کو تیار رکھو۔

مستان: ڈامس نمبر پہلا۔ پھانسی۔

نواب: کلن تجھ سے جاں بخشی کا وعدہ تھا۔ لہٰذا تیری جاں بخشی کی جاتی ہے۔

کلن: خدا حضور کو سلامت رکھے ۔ بڑی مہربانی۔

نواب: مہربانی مگر اس وقت یہ کی جاتی ہے کہ سزا تم کو جنم قید کی دی جاتی ہے۔

مستان: ڈامس نمبر دوسرا۔ جنم قید۔

نواب: ؎

پُر گنہ زندہ رہے یہ بھی گنہ گاری ہے
پر کروں کیا کہ عدالت میں زباں ہاری ہے

دمڑی: خدا حضور کو سلامت رکھے ۔ چلو خوب ہوا۔ بھائی کلن اب وہاں بھی کسی کے مال پر ہتھ لگانا اور بھیا ظالم اب تم مردوں کی سنہری ٹولی جمانا۔ تھوڑی سی مٹھائی ساتھ لے جانا۔

ظالم: افسوس۔ ؎

سر پر چڑھ کر خون پکارا جان کا دشمن پاپ
دام تھا ڈالا اوروں پر اور پھنس گئے اس میں آپ
جس دھن کارن گلے بھی کاٹے اس نے سنگ بسارا
ٹھاٹھ پڑا سب رہ گیا یوں ہی لاد چلا بنجارا

مستان: ؎

کنواں تھا کھودا رستے میں پر اپنے ہی آگے آیا
جیسی کرنی ویسی بھرنی جو بویا سو پایا

(سپاہی کلن اور ظالم کو لے جاتے ہیں)

نواب: اشرف و پروین واقعی تمھاری حالت قابلِ رحم ہے۔ رنج کے بعد خوشی کی فتح ملی۔ اس غیبی مسرت کی یادگار میں اب تم بھی کسی نیک ساعت کے وقت اپنی پاک محبت سے فائدہ اٹھاؤ۔ سروں پر شادی کے سہرے چڑھاو۔ قاضی صاحب سے نکاح پڑھواؤ۔

قاضی:

دشمن رہے پامال سدا شاد رہو تم
پھولو پھلو خوشیاں کرو آباد رہو تم

(پردہ)

(ختم شد)

اسیر حرص

اسیر حرص (1901)

یہ ڈراما شیریڈون کے مشہور ڈرامے پزارو (Pizarro) سے ماخوذ ہے، جسے آغا حشر نے نوروزجی پری کی کمپنی کے لیے لکھا تھا۔ لیکن بعد میں اسے اسٹیٹ آف رام پور تھیٹریکل کمپنی رام پور، بمبئی تھیٹریکل کمپنی بمبئی، بمبئی ڈرامٹک کلب بمبئی، وراٹی تھیٹریکل کمپنی آف بمبئی، بمبئی رائزنگ مون اسٹار تھیٹریکل کمپنی آف بمبئی وغیرہ نے بھی اپنے اسٹیج پر پیش کیا، جو اس کی عوامی مقبولیت کی دلیل ہے۔ چند کمپنیوں نے اسے 'ظلم چنگیز' کے نام سے بھی اسٹیج کیا۔ اس ڈرامے کے گانوں کی کتاب کے دیباچے میں آغا حشر نے لکھا ہے۔ 'اردو ڈرامے کا وہ مردہ ڈھچر جو مدت سے بوسیدہ ہو رہا تھا اس میں اس کایا پلٹ کر دینے سے انگریزیت کی روح بولنے لگی۔ آج اس عمارت میں 'اسیر حرص' کے نام سے ایک منزل کا اور اضافہ کرتا ہوں۔ خدا کرے یہ بھی قدرداں پبلک سے قبولیت کا تمغہ حاصل کرے'۔ آغا حشر نے 'مار آستین' میں جو تجربہ کیا تھا اسے اس ڈرامے میں بھی کسی حد تک دہرایا ہے۔ اور اب کی بار انھیں عوام کو اپنی بات سمجھانے میں جو کامیابی ملی، وہ اس ڈرامے کی مقبولیت سے ثابت ہے۔

آغا حشر نے اس مغربی ڈرامے کو بھی تمام تر ہندوستانی رنگ میں ڈھال دیا ہے۔ پھر بھی اس کے کچھ سین کرداروں کے ناموں کی تبدیلی کے ساتھ ہو بہ ہو اصل ڈرامے کی طرز پر برقرار رکھے ہیں۔ اس میں استعمال کیے گئے کامک کو بھی ڈرامے کے پلاٹ سے مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس ڈرامے کے دو مسودے دستیاب ہوئے۔ پہلا مسودہ مجلد رجسٹر کی شکل

میں ہے جو 118 صفحات کو محیط ہے۔ ہر صفحے پر صفحہ نمبر درج ہے۔ اسے منظور احمد عظیم آبادی نے 4اپریل 1996 کو لکھ کر مکمل کیا ہے۔ کاتب کے دستخط کے ساتھ جگہ کا نام آرہ لکھا ہوا ہے۔ صفحہ2 پر سنسر کے دستخط ہیں جس کے ساتھ 3/ستمبر کی تاریخ درج ہے۔ اس ڈرامے میں بھی ہدایات کا فقدان ہے۔ مشمولہ ڈراما اسی کو بنیاد بنا کر نقل کیا گیا ہے۔ اس میں ہدایات مرتبین کا اضافہ ہیں۔

دوسرا مسودہ بھی مجلد رجسٹر کی شکل میں ہے لیکن اس کی حالت خستہ ہے اور تحریر بھی ایسی شکستہ کہ پڑھنا محال ہے۔ اس بنا پر مشمولہ متن کی تیاری میں اس مسودے سے کوئی مدد نہیں لی جاسکی۔

کردار

1۔	ناصر الدولہ	سازشوں کا شکار بادشاہ
2۔	چنگیز	غاصب بادشاہ
3۔	رستم جنگ	ناصرالدولہ کا سالار
4۔	قمر	ناصرولدولہ کا بیٹا
5۔	صفدر جنگ	قیدی
6۔	دلاور جنگ	پہرے کا سپاہی
7۔	حماقت بیگ	بے وقوف شاہی کارندہ
8۔	شیرخاں	سپاہی
9۔	شمشیر خاں	سپاہی
10۔	جھنجھٹ	مصاحب
11۔	سلیم	حماقت بیگ کا بیٹا
12۔	مہ جبیں	ناصرالدولہ کی بیوی
13۔	نوشابہ بیگم	چنگیز کی بیوی
14۔	گلشن	نوشابہ بیگم کی کنیز
15۔	نحوست بیگم	حماقت بیگ کی بیوی
16۔	حسینہ	سلیم کی محبوبہ
17۔	سہیلیاں	

باب پہلا ـــــــ تمہیدی سین

راستہ

(سہیلیوں کا گانا)

دینا ناتھ موہے ڈوبت اتارو، اگارو
کرنا نہ سونیاں سے بھلے، بھول سے اودھار، کروپار، بھوگا مت دارو
تمرو نام نس دن سرن کو جگ مجھ دھام
تمری دیا سے دھام۔ جیا من سے بام
تو کو تجے ڈوبے ساگر میں سنسار
جاوے نہیں پار، رہے منجدھار
ہووے مزے دار۔ تیری لیلا
جو کوئی بھولا وا کو نہیں ٹھار
حشر کو سہارو

باب پہلا——سین دوسرا

پہاڑی جھرنا

(سہیلیوں کا گانا)

پہلی سہیلی: ـ

بہار آئی ہے ہر سو رنگ رلیوں کا زمانہ ہے
زباں پر بلبلوں کی شادیٔ گل کا ترانہ ہے

دوسری سہیلی: ـ

چمک دیتے ہیں کیا پانی کے قطرے صبح روشن میں
ٹکی ہیں موتیوں کی جھالریں صحرا کے دامن میں

تیسری سہیلی: ـ

مزین کل زمین و کوہ فرش مخملی سے ہے
صدا آتی مبارک باد کی ہر ہر کلی سے ہے

گلشن: اری چپ چپ۔ شہنشاہ بیگم تشریف لاتی ہیں۔

(سب کا مل کر گانا)

چلتی چپلا چنچل چال سندریا البیلی
جو بن رساتی ڈولے۔ نین امرت رس گھولے
ایک تو نیناں مدھ بھرے دوجے انجن سار
اے بھوری کہیں دیت ہے جو بنا ای ہتھیار
آہا۔ آہا۔ شان نرالی۔ او ہو۔ او ہو بھولی بھالی۔
نئی نویلی ہے نار۔ چلتی چپلا چنچل......

(نوشابہ بیگم کا اندر سے آواز دیتے ہوئے آنا)

نوشابہ: گلشن۔
گلشن: پیاری۔
نوشابہ: دیکھو تو قدرت کی گل کاری۔ ؎

آمد جو باغ دہر میں باد صبا کی ہے
پھولوں میں بھی یہ رنگ ہے قدرت خدا کی ہے
کیا کیا کھلے ہیں پھول جو پہچان جایئے
اس باغباں کی شان کے قربان جایئے

گلشن: واری گئی پیاری۔ کیا ان پھولوں میں جوانی کے پھولوں سے زیادہ بہار ہے۔ جو اس قدر تعریف کا سزاوار ہے۔

بلبل جو ایسے پھول کو پہچان جائے گا
ان گورے گورے گالوں کے قربان جائے گا

دوسری سہیلی: ؎

اس وقت تو شوخی و حیا اور ہی کچھ ہے
یہ چاند سا منھ نام خدا اور ہی کچھ ہے

نوشابہ: اس وقت جو تم نے میری تعریف سنائی۔ رعنائی اور زیبائی بتائی۔ مجھے ہرگز پسند نہ آئی۔

(گانا)

موری کا ہے کرت ہو بڑائی سجنی۔ موری......
جگ میں ہیں لاکھن صورت انیک حور
رب کی دیا سے موہے گرب گمان ناہیں۔
جگوا کو کرد بھرپور، کھوٹ بنے نور۔

کرتار کریو پار۔ جب ہووے دکھ دور۔

مورى كا ہے......

ہمیں میں فقط دل ربائی نہیں ہے
ہمیں نے پری شکل پائی نہیں ہے
زمانے میں ہے ایک سے ایک بڑھ کر
حسینوں سے خالی خدائی نہیں ہے

موری کا ہے کرت ہو بڑائی۔ سجنی۔

گلشن: خیر پیاری۔ ؎

آج کا دن تو ہے عیش و کامرانی کے لیے
شاہ کیا بھیجیں گے تحفہ اپنی جانی کے لیے

نوشابہ: ؎

وعدہ تو کیا تھا تجھے بھجواتے ہیں تحفہ
اب دیکھیے کب آتے ہیں کیا لاتے ہیں تحفہ

گلشن: اچھا پیاری۔آپ تحفہ تو لیجیے گا۔مگر اس کے بدلے ان کو بھی کچھ دیجیے گا۔

نوشابہ: میں تو انھیں پہلے ہی دے چکی ہوں۔

گلشن: کیا؟

نوشابہ: دل۔

گلشن: واہ بیوی ۔ یہ تو ان کی جان دینے کا عوض ہے۔ خیر دیجیے گا نہیں تو کچھ کھلایئے گا ، پلایئے گا۔

نوشابہ: ہاں کھانے کو تو سب کچھ موجود ہے۔ پلاؤ، زردہ، متنجن، بریانی، شیرمال، کوفتے وغیرہ سب کچھ تیار ہے۔ اور کیا چیز درکار ہے۔

گلشن: واہ بی بی۔ ایسے کھانے تو انھوں نے بہت کھائے ہوں گے۔ کوئی ایسی چیز ہو جو ان کے دل کو عزیز ہو۔

نوشابہ: تو اور کیا چاہیے۔ بنارس کے سموسے؟

گلشن: جی نہیں۔

نوشابہ: تو؟

گلشن: ان گورے گورے گالوں کے......

سب: ......بوسے۔

(گانا)

گورے گورے گالوں کی جان
لمبے لمبے بالوں کی شان
مان مان او پیاری مان
آن بان پہ واری جان
اجی واہ وا۔ اجی واہ وا
بوسہ تو ہے اس جوبن کا دان
اجی واہ وا۔ اجی واہ وا۔

چوبدار: ؎

اے گل خوبی ترے اقبال میں ایزاد ہو
دوست ہو دل شاد، دشمن خانماں برباد ہو
آپ کو بھیجا ہے تحفہ شاہ والا جاہ نے
حاضر خدمت کیا جائے اگر ارشاد ہو

نوشابہ: حاضر کرو۔

(دلاور جنگ کا صفدر جنگ کے ساتھ آنا)

نوشابہ: ہیں تحفہ کے ساتھ گرفتار۔ یہ کیا اسرار۔ گلشن۔ ادھر آو۔ کشتی پر سے خوان پوش اٹھاو۔

گلشن: بی بی۔ بی بی۔

نوشابہ: کیوں۔ کیا ہے؟

گلشن: اف بی بی۔ بی بی۔

نوشابہ: خیر تو ہے۔ کچھ کہے گی بھی۔ آخر کیا ہوا؟

گلشن: خو خو خو۔ خون ہو گیا۔

نوشابہ: ہیں۔ کیا جنون ہو گیا۔ ٹھہرو میں خود دیکھتی ہوں۔ اف ۔ خون۔ ظلم۔ ستم۔ قہر۔ غضب۔ ؎

تعجب ہے مجھے آنکھوں نے کس حیرت میں ڈالا ہے
الٰہی خیر کرنا اس جگہ کیا ہونے والا ہے

کیوں اے گرفتار قید آزار۔ یہ آپ کا کس نے حال بنایا۔

صفدر: جس نے نمرود کا زور ڈھایا۔ سہراب کو خاک میں ملایا۔

نوشابہ: مگر یہ تو قہر الٰہی ہے۔

صفدر: جی ہاں۔ وہی میرا بھی باعث تباہی ہے۔

نوشابہ: آخر اس تباہی کا سبب؟

صفدر: خدا کا غضب۔

نوشابہ: صاف صاف حال بیان کیجیے۔ کیونکہ آپ کے چہرے سے شرافت پائی جاتی ہے۔

صفدر: بانو یہ آپ کی عالی صفاتی ہے۔ ورنہ ؎

گوہر عزت تو تب ہی مجھ سے کھویا ٹوٹ کر
گر پڑی تلوار جب ہاتھوں سے میرے چھوٹ کر
اب تو بے عزت ہیں، ننگِ خانداں ہیں، خوار ہیں
ایک قیدی ہیں، ذلیل و خوار ہیں، لاچار ہیں

نوشابہ: تو کیا میرے شوہر سے اور آپ سے لڑائی ہوئی۔

صفدر: جی ہاں۔ تیغ آزمائی ہوئی۔ مگر قسمت کی برائی ہوئی۔جس سے یہ رسوائی ہوئی۔

نوشابہ: تو کیا تلوار ہاتھ سے گئی تو شرافت بھی ذات سے گئی؟

صفدر: جی ہاں۔ جب تک تلوار ہاتھ میں ہے ۔ شرافت بھی ساتھ میں ہے۔ جب میدان میں ذلت اٹھائی ۔ تلوار چھنوائی۔ پھر کہاں شرافتِ آبائی ؎

جس کو ذلت شرم و عزت کی جگہ مرغوب ہے
ایسے جینے سے تو اس کا ڈوب مرنا خوب ہے

نوشابہ: تو کیا یہ بھی آپ کے کسی ساتھی کا سر ہے۔ جو خون میں تر ہے۔

صفدر: ؎

نہ پوچھو کہ کس آسماں کا ہے تارا
سمجھ لو کہ بس موت نے اس کو مارا
نہیں گردش چرخ سے کوئی چارا
نہ گور سکندر، نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

نوشابہ: تو کیا یہ کوئی بہادر یا صاحب فراغ تھا؟

صفدر: آہ میرے دل کا داغ میرے اندھیرے گھر کا چراغ تھا۔

نوشابہ: ہیں۔ تو کیا آپ کا بیٹا؟

صفدر: جی ہاں۔ وہی قسمت کا ہیٹا۔ جو موت کی گود میں ہے لیٹا ؎

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے
گرتے ہی یہ جسم و سر میں تفرقہ آکر پڑا
اس جگہ لاشہ پڑا ہے اس جگہ پر سر پڑا

نوشابہ: اے آفت نصیب صاحب ؎

آپ کے غم سے مرا منھ کو جگر آتا ہے
اب تو اس زخم کا مرہم یہ نظر آتا ہے
بس بہت رنج سہے موردِ بیداد ہوے
جایئے آپ غم قید سے آزاد ہوے

صفدر: اے عصمت و جلال کی ملکہ ۔ کیا جاؤں۔ کہاں جاؤں اور کدھر جاؤں ؟

جی میں آتا ہے کہ اب رنج سے مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

نوشابہ: بیٹے نے تو بہادری دکھائی۔ تلوار کھائی۔ گردن کٹائی۔ اب اگر تم آنسو بہاؤ گے تو کیا بہادر بیٹے کی روح کو شاد کرو گے ؎

مٹی ہی میں مٹی جو ملانی ہے بدن کی
تو جا کے ملادو اسے مٹی میں وطن کی

صفدر: بانو۔ بانو۔ کیا آپ کی زبان سے مرحوم کی روح بول رہی ہے؟

نوشابہ: جی ہاں وہی زبان کھول رہی ہے۔

صفدر: خیر مجبوری۔ بجا لاتا ہوں حکم حضوری ؎

جوہر بہادری کے جو ہوں گے سرشت میں
بیٹے سے جاملوں گا ریاضِ بہشت میں

(صفدر کا طشت اٹھا کر لے جانا)

نوشابہ: خدایا۔ کیا میری محبت کا سمجھانا الٹا رنگ لایا۔

(بگل کی آواز آنا)

گلشن: بانو۔ بانو۔ صاحب عالم کی سواری رونق افروز ہوتی ہے۔

(گانا)

سہیلیاں: چلو گوئیاں۔ ٹھک چال جٹیاں
سجن تورے آئیں گے
اجی سجن تو رے آئیں گے
چلو گوئیاں............

(چنگیز کا آنا اور نوشابہ کا آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کرنا)

چنگیز ۔ اللہ اللہ ۔ آج تو غضب کا نکھار ہے۔ بہار پُر بہار ہے۔ چشم بد دور جانی۔ یہ پاک دامانی ۔حسن و جوانی۔ اس پر پوشاک دھانی ۔ قیامت کی نشانی ۔

تم دست نازنیں سے جو چھو لو چمن کے پھول
کلیاں تمام باغ کی رہ جائیں بن کے پھول
تم پر فدا ہزار کلی، ہر کلی کا رنگ
تم پر نثار لاکھ چمن، ہر چمن کے پھول

نوشابہ: مگر اے گل عذار۔ میرے باغ حسن کی بہار تو آپ ہی کی ذات سے ہے آشکار ۔

تم سے ہی میری عزت دل دار ہو گئی ہے
یوسف سے آب و تاب بازار ہو گئی ہے
ہم تم چمن میں جاکر دو دن اگر رہے ہیں
بلبل میں اور گل میں تکرار ہو گئی ہے

(گانا)

سہیلیاں: انبوا کی ڈاری تلے آوری
جھولنا جھلاوَری
بھولے پیاسنگ، دھر کے امنگ
جھولوں جھلاؤں
ریشم کی ڈوری بندھاری
انبوا کی ڈاری..........

(دوہرا)

جھولنے والی ہے رشک گل لالہ جھولا
جا کے بلبل تو رگ گل کا بنالا جھولا

آج دکھلائے گا انداز نرالا جھولا
چاند پیاری ہے تو بن جائے گا ہالا جھولا
پیارا لاثانی ہے پیاری دل جانی ہے
جوڑی سہانی ہے مکھڑا نورانی ہے
چنچل دیوانی ہے۔ ہل ہل پینگ جھولاوری
انبوا کی ڈاری..........

چنگیز: خیر یہ تو فرمایئے۔ وہ تحفہ قبول ہوا۔

نوشابہ: پیارے ۔

ثبوت شکر کا باہر مرے بیان سے ہے
تمھارا تحفہ تو مجھ کو قبول جان سے ہے
مگر پیارے۔ میرا تم سے ایک سوال ہے۔

چنگیز: فرمایئے۔ وہ کیا خیال ہے؟

نوشابہ: کمھار جو مٹی کا کھلونا بناتا ہے۔ وہ کس کام آتا ہے؟

چنگیز: اس سے دل بہلایا جاتا ہے۔

نوشابہ: اور جو وہ کسی خریدار کے ہاتھ سے چھوٹ جائے یا ٹھوکر سے ٹوٹ جائے۔

چنگیز: تو کمھار کو سخت ملال ہو گا۔

نوشابہ: بھلا کیوں ایسا خیال ہوگا۔

چنگیز: اس لیے کہ اس بے احتیاط شخص نے غریب کمھار کی محنت برباد کردی۔

نوشابہ: اے جزاک اللہ۔ کیا خوب بات ارشاد کی ۔ اب میں یہ پوچھتی ہوں کہ جب کمھار کو مٹی کا کھلونا ٹوٹنے کا اس قدر ملال ہوگا۔ تو اس مصور قدرت کو اپنے بنائے ہوے کھلونے کے ٹوٹنے کا کس قدر خیال ہوگا۔

چنگیز: اخاہ ۔

کہہ گئیں رنگ سے سارا مطلب
خوب سمجھا میں تمھارا مطلب

مگر یہ بھی جانتی ہو دلآرا کہ جس کا میں نے سر اتارا۔ وہ کون تھا

ستم آرا۔

نوشابہ: ہاں کوئی دشمن تمھارا۔

چنگیز: تو کیا دشمن کو چھوڑ دینا چاہیے۔ سانپ دیکھ کر لاٹھی کو توڑ دینا چاہیے۔

نوشابہ: جی نہیں۔ مگر دشمن کے ساتھ نرمی اور مہربانی کیا آپ نے خلاف انسانیت جانی۔

چنگیز: اور جو وہ نرمی سے شیر ہوجائے۔

نوشابہ: مجال ہے کہ دلیر ہوجائے ؎

جو کتے بھوک میں خواہاں پوست ہوتے ہیں
وہ ایک روٹی کے ٹکڑے پہ دوست ہوتے ہیں

چنگیز: نوشابہ جانی۔ بہادری آگ ہے اور نرمی دریا کا پانی۔ جس طرح پانی کی لہر آگ کے دہکتے ہوئے سمندر کو بجھا دیتی ہے اسی طرح ذرا سی نرمی تمام عمر کی بہادری کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

نوشابہ: تو کیا جو لوگ کسی کو بے قصور مارتے ہیں، ان کو بھی لوگ بہادر کہہ کر پکارتے ہیں؟

چنگیز: ہیں یہ کیا اشارہ ! کیا تمھارے خیال میں میں نے اسے ناحق مارا۔ آہ وہ ستم آرا تو کتوں سے نچوائے جانے کا سزاوار تھا۔ وہ کم بخت ناصر الدولہ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔

نوشابہ: افسوس اے گل رعنائی۔ چچا زاد بھائی اور اس کی شان میں یہ زباں آرائی۔

چنگیز: جب مجھ سے اس سے ہے لڑائی تو کہاں کا عزیز اور کس کا بھائی۔

نوشابہ: مگر لڑائی تو پہلے آپ ہی نے اٹھائی ؎

سلطنت پائی جو اپنے باپ کی
کیا خطا کی اس میں اس نے آپ کی

چنگیز: تو کیا چچا جان مرحوم کے مال میں میں کوئی حق نہیں رکھتا۔

نوشابہ: کوئی نہیں۔ جب بیٹا موجود ہے تو بھتیجے کا حق نابود ہے۔

چنگیز: خیر تو اس تلوار سے ہست کروں گا۔ نوک شمشیر سے پست کروں گا۔

نوشابہ جانی ابھی تم میں جتنا حسن ہے اتنا سمجھداری کا طور نہیں۔

نوشابہ: اور جتنی آپ میں بہادری ہے اتنی فکر و غور نہیں۔

چنگیز: دیکھو بیان سے زیادہ تمھاری زبان سخت ہوتی جاتی ہے۔

نوشابہ: میری زبان سے زیادہ آپ کا دل سخت ہوتا جاتا ہے۔

چنگیز: میرے دل کی سختی بہادری کا خزانہ ہے۔

نوشابہ: اور میرے زبان کی سختی سچائی کا تازیانہ ہے۔

چنگیز: نوشابہ۔ نوشابہ۔ تمھاری باتیں مجھے ناراض کررہی ہیں۔

نوشابہ: میری باتیں تو آپ کو ناراض کر رہی ہیں۔ مگر آپ کا ظلم خدا کو ناراض کررہا ہے۔

چنگیز: خدا ناراض ہوتا ہے تو رحم بھی کرتا ہے۔

نوشابہ: مگر انسان ناراض ہوتا ہے تو رحم بھی نہیں کرتا ہے ؎

بڑھ گئی ہے اس قدر اب خود نمائی آپ کی
صلح جن سے تھی انھیں سے ہے لڑائی آپ کی
گر رہی بھائی سے یوں ہی کج ادائی آپ کی
یاد کیوں آئے گی لوگوں کو بھلائی آپ کی
اک زمانہ کرنے بیٹھے گا برائی آپ کی

چنگیز: اف زمانے سے ہمیں کیا سروکار ہے۔ جہنم کا غار بند کرنا سہل ہے۔ مگر لوگوں کا منھ بند کرنا دشوار ہے ؎

نہیں ہے ہمیں کچھ خدائی سے مطلب
برائی سے مطلب بھلائی سے مطلب
انھیں کو ہے اس کج ادائی سے مطلب
جو رکھتے ہیں شوکت نمائی سے مطلب
ہمیں تو ہے تیغ آزمائی سے مطلب

نوشابہ: مگر پیارے۔ وہاں تو بہت ہی فوج و لشکر کا اہتمام ہے۔

چنگیز: تو کیا مضائقہ ہے۔ فتح ہمارے ہی نام ہے۔ کمہار کی ایک سال کی محنت

اور لاٹھی کے ایک گھنٹے کا کام ہے ۔

غرور اس کو تو بے شک لشکر جرار پر ہوگا
مگر جب ہاتھ میرا تیغ جوہر دار پر ہوگا
تو محشر کا سماں تم دیکھنا تکرار پر ہوگا
بیانِ ناسپاسی تب لب گفتار پر ہوگا
کہ جب سر کٹ کے موذی کا مری تلوار پر ہوگا

نوشابہ: کہیں ایسا بھی ہوتا ہے پیارے کہ عزیز عزیز کا سر اتارے۔

چنگیز: بے شک ۔

موقع پہ چھوڑے نہیں دشمن کی جان کو
کھاتے ہیں کاٹ دانت بھی اکثر زبان کو

نوشابہ: دانت اور انسان میں فرق ہے۔ انسان عقل و تمیز کا ناخدا اور یہ طوفان بے تمیزی میں غرق ہے ۔

جب نہیں انسانیت کا طور ہی انسان میں
فرق پھر کچھ بھی نہیں انسان اور حیوان میں

چنگیز: تو کیا تمھاری رائے ہے کہ ہم صلح سے کام لیں۔

نوشابہ: میرے خیال سے تو آپ غصہ کو تھام لیں۔

چنگیز: ہرگز نہیں۔ انسان کو اتنا میٹھا نہ ہونا چاہیے کہ لوگ اسے کھائیں۔

نوشابہ: اور اتنا کڑوا بھی نہ ہونا چاہیے کہ لوگ اسے تھوک دیں۔

چنگیز: میں جانتا ہوں کہ خوبصورت عورتیں اکثر بیوقوف ہوتی ہیں۔

نوشابہ: اور میں جانتی ہوں کہ غصہ ور انسان اکثر نادان ہوتے ہیں۔

چنگیز: خیر میں نادان ہی سہی۔ مگر یہ یاد رکھو کہ جب تک میری جان باقی رہے گی۔ وہاں تک ناصر کی جان لینے کی مشتاق رہے گی ۔

نہ ہوگا جو فیصلہ زباں سے وہ ہوگا اس تیغ خونچکا ں سے
بڑھیں گے سنگ جفا وہاں سے چلیں گے تیرِ قضا یہاں سے
تڑپ کے لاشے اُدھر گریں گے چلیں گے ناوک ادھر کماں سے

بہیں گے رن میں لہو کے دریا ہلیں گے دل شور الاماں سے
زمین مقتل کی دیکھ لینا پناہ مانگے گی آسماں سے

نوشابہ: مگر یہ اکیلی تلوار کیوں کر ہزاروں کا جھگڑا چکائے گی۔

چنگیز: میں تم کو ابھی دکھائے دیتا ہوں۔ جس طرح یہ ایک کے جگر میں سمائے گی اسی طرح سینکڑوں رگوں سے جان کھینچ لائے گی۔

نوشابہ: الٰہی خیر۔ کیا کوئی اور خون کرنا منظور ہے۔

چنگیز: تمھیں اس کا کام دکھانا ضرور ہے۔

نوشابہ: کس غریب کا؟

چنگیز: ایک بد نصیب کا۔

نوشابہ: رحم ۔ رحم۔ پیارے چنگیز رحم۔

چنگیز: بس رحم کو آگ لگاؤ۔ لاو لاو اس قیدی کو لاؤ۔

نوشابہ: قیدی۔ قیدی تو............

چنگیز: کہنے میں کیوں انتشار ہوا ۔ کیا قیدی فرار ہوا؟

نوشابہ: نہیں۔

چنگیز: اسے تو میں نے............

چنگیز: کیا تم نے؟

نوشابہ: چھ چھ چھوڑ دیا۔

چنگیز: افسوس ۔سارا منصوبہ توڑ دیا۔ نادان۔ نافرمان ۔

مجھ کو تو آنے دیا ہوتا ذرا
صبر اتنا بھی نہ تجھ سے ہوسکا

نوشابہ: جب آپ نے مجھے ایک چیز دے ڈالی۔ تو میں ہوں اس کی مالک و والی۔ پھر آپ کا دعویٰ ہے خیالی۔

چنگیز: بس بہت بات بنائی۔ بیوقوفی اور پھر اس پر ڈھٹائی۔ چل چلی جا ناسزائی۔

(نوشابہ کا جانا)

خیر جاتا کہاں ہے ناسزائی۔ تو سہی کہ پھر زنجیر پہنائی۔ (آواز دینا)

دلاور۔ دلاور۔

دلاور: جلالت مآب کی عمر و دولت زیادہ۔

چنگیز: دلاور ۔

نصیب اس کا مری غفلتوں سے جاگ گیا
شکار مجھ کو ملا تھا وہ آج بھاگ گیا
تلاش اس کی ابھی جاکے دور دور کرو
کسی طرح سے بھی حاضر اسے ضرور کرو

(سب کا جانا)

باب پہلا ——— سین تیسرا

چھاونی

شیر خاں: کہیے جناب عالی۔کچھ جہاں پناہ کے تشریف آوری کی خبر نکالی۔
شمشیر خاں: عنقریب تشریف لاتے ہیں۔ شاید کوئی لڑائی کا نقشہ بناتے ہیں۔
شیر خاں: یہ سامنے سے کون آتے ہیں۔
شمشیر خاں: یہ تو وہی لنڈورے، عقل کے ادھورے، حماقت بیگ آتے ہیں۔

(حماقت بیگ کا آنا)

حماقت بیگ: ہٹیے۔
شمشیر: پہلے آپ ہٹیے۔
حماقت: میں تو نہیں ہٹنے کا۔
شمشیر: تو میں بھی نہیں ہٹنے کا۔
حماقت: اچھا تو کھڑے رہیے۔
شمشیر: اچھا تو اڑے رہیے۔

(شیرخاں کا آکر دونوں کو الگ کرنا)

شیر خاں: اجی مرزا صاحب آپ سنتے ہیں؟
حماقت: آواز سنتا ہوں۔ مگر مرزا صاحب نہیں سنتا۔
شیر خاں: کہو مزاج تو اچھے ہیں۔
حماقت: اُٹھ ہوں۔ مزاج تو بندہ گھر چھوڑ آیا ہے۔ مزاج تو صرف عورتوں کے

پاس ہوتا ہے۔

شیر خاں: کیا کہا؟ عورتوں کے پاس؟

حماقت: جی ہاں۔ مرد تو اپنی نوکری سنبھالنا جانیں۔ جورو کے نخرے غمزے اٹھانا جانیں۔ مزاج کا حال صرف عورتوں سے پوچھیے۔ جو اپنی مستی۔ کاجل ۔ چولی۔ ساڑی کے لیے مردوں سے دوسروں کی خوشامد کراتی ہے۔ جھوٹا اور خوشامدی بناتی ہے۔ جس کا منھ دیکھنے کو نہ چاہے ان کے پیر دبواتی ہے اور اس پر بھی جوتیاں لگاتی ہے۔ کیوں کیسی کہی۔

سب: اچھی کہی۔

شیر خاں: مرزا صاحب یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ کہیں بہادر مرد جوروؤں کے ہاتھ سے جوتیاں کھاتے ہیں۔

حماقت: تو حضرت معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ نے شادی نہیں کی۔ جناب سچا بہادر تو وہی ہے جو عورتوں کے ہاتھ سے جوتیاں کھائے اور مونچھوں پر تاؤ چڑھائے۔ کیوں کیسی کہی۔

سب: اچھی کہی۔

شمشیر: تو وہ جوتے کاہے کو ہوے بہادری کے سارٹیفکٹ ہوے۔

حماقت: جی ہاں۔ اسی لیے تو بندہ کبھی کبھی اپنے شوق سے جوتیاں کھالیتا ہے۔

(گانا)

سہیلیاں:۔

پل پل تن من دھن وارو رے پران پیارو۔
چھل بل وارو۔
نین کے نین سے چتون چرائے گیو۔
جادو مورے ڈارو رے۔
پیا کے درس بن موہے کل نہ پڑت۔

کٹت رین گن گن تارو رے۔
ای ری آئی موری۔ کچھ نہ سہائے موہے۔
پل پل نینوا کی آن بان یاد آوت۔
ساتھ لگت کٹاری۔ نرناری۔
پیا کر گیو موکو نیارو رے۔

(دلاور جنگ کا داخل ہونا)

دلاور: اے شاہ نامدار۔ شہنشاہ ذی وقار۔ حاضر ہے یہ بندہ گنہگار۔
لایا ہوں اسے باندھ بڑی کاوش وکد سے
جاتا کہاں یہ صید مرے تیر کی زد سے

چنگیز: کیوں اے مغرور مفرور۔ عورتوں سے حیلہ بہانہ۔ فریب دے کر بھاگ جانا۔

صفدر: اے شاہ زمانہ۔ جس نے بیٹے کا سر کٹتے وقت فریب خوشامد کرنا نہ جانا، وہ مرد مردانہ ایک عورت سے کرے گا حیلہ بہانہ۔
ہوتا نہیں ہے رنج بہادر کو فوت سے
کرتے ہیں وہ فریب جو ڈرتے ہیں موت سے

چنگیز: او شیخی خور۔ کمزور
بھاگ کیوں نکلا اگر موت کا ڈر کچھ بھی نہ تھا
کیا جہنم میں چلا تھا کہ خطر کچھ بھی نہ تھا

صفدر: ہاں جہنم میں۔ صاحب جہنم میں۔

چنگیز: کیوں؟ کس لیے؟

صفدر: تاکہ دیکھوں کہ جہنم میں صرف شیطان کی جہاں پناہی ہے یا آپ ایسے اسیر حرص کی بھی بادشاہی ہے۔

چنگیز: او ناصواب۔ یہ کیسا جواب۔ جہنم میں اور میری بادشاہی۔ کیا مجھے بھی شیطان کے برابر سمجھتا ہے واہی؟

صفدر: جی نہیں۔ برابر نہیں۔

چنگیز: پھر؟
صفدر: بلکہ وہ کم اور آپ زیادہ۔
چنگیز: سفید بالوں والے غلام۔ چھوڑ دے یہ طرز کلام۔ کیا نہیں دیکھا اپنے بیٹے کا انجام۔
صفدر: ہاں اس کا انجام تو میں نے اور تمام دنیا نے دیکھ لیا۔ البتہ اب تمھارا انجام دیکھنا باقی ہے ۔

کس طرح دکھاتا ہے کنارہ انجام
کس گھاٹ کا دیتا ہے سہارا انجام
فرعون کا انجام تو سب نے دیکھا
اب دیکھنا باقی ہے تمھارا انجام

شمشیر: ۔

کس قدر گستاخیاں پیدا ہیں اس گفتار سے
اس کی باتوں کا جواب اب دیجیے تلوار سے

صفدر: ٹھہرو۔ اپنی تلوار کو میان کے گھونگھٹ میں چھپالو۔ ورنہ اوس پڑ کر زنگ آجائے گا۔ کیوں ایسے ہی ایسے بہادروں سے ملک فتح کیا جائے گا جو ایک پابہ زنجیر بے دست و پا پر تلوار اٹھاتے ہیں۔ شیر کو زنجیروں میں جکڑ کر لومڑیوں سے ڈراتے ہیں ۔

جاو اور ان کو ڈراؤ کہ جو ڈر والا ہے
ہم نے تم ایسوں کو ٹھوکر سے گرا ڈالا ہے

چنگیز: کیا تو اپنی زبان کے زور سے مجھے دبانا چاہتا ہے۔
صفدر: ہاں۔ جس طرح تم اپنے ظلم کے زور سے چچا زاد بھائی کا حق دبانا چاہتے ہو۔
چنگیز: افسوس ۔

میرے دشمن جو ہیں تو دوست انھیں جانتا ہے
اچھا اتنا تو بتادے کہ تو کیا جانتا ہے

صفدر: میں یہی جانتا ہوں کہ ؎

آج دنیا میں کوئی تجھ سا ستم گار نہیں
ایسا دوزخ میں بھی ڈھونڈو تو گنہگار نہیں
اور سے پیار نہیں جور سے بیزار نہیں
رحم سے کار نہیں، ظلم سے انکار نہیں
تجھ سا خونی نہیں، ڈاکو نہیں، بدکار نہیں

چنگیز: بد اوسان۔ بند کر یہ بیان۔ ورنہ تیری زبان......

صفدر: ہاں کاٹ لو۔ کاٹ لو۔ سر سے پہلے زبان کاٹ لو۔ اگر میرے منھ میں زبان ہوگی تو قیامت کے دن خدا کے سامنے تمھاری جفا کاری بیان ہوگی۔

چنگیز: بدمعاش و بدقماش۔ مجھ سے لڑائی تو اٹھائی ہے لیکن اس تلوار کی آگ سے بچانے کے لیے اپنی بیوی اوربچوں کے لیے کون سی جاے زمین بنائی ہے۔

صفدر: ان کے ماں باپ اور شوہروں کے دلوں میں۔

چنگیز: اچھاکیا تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ناصر کی فوج جتنی ہے وہ شمار میں کتنی ہے؟

صفدر: جتنے ان درختوں میں پتوں کے خزانے ہیں یا جتنے اس میدان میں ریت کے دانے ہیں۔ اتنے ہی ہماری فوج میں مرد مردانے ہیں۔

چنگیز: بس اس قدر؟

صفدر: نہیں میں بھولا ہوں۔ وہاں تو اس قدر جنگی سپاہ ہیں جتنے تمھارے نامہ اعمال میں گناہ ہیں۔

چنگیز: او بے ادب۔ ادب کے قریب ہو تا کہ پھانسی کے عوض قید نصیب ہو۔

صفدر: اوہ۔ قیدی تو سارا زمانہ ہے۔ تم اسے آزادی کی دنیا کہتے ہو اور میں کہتا ہوں کہ یہ روح بے جہت کا قید خانہ ہے۔

دلاور: خیر ؎

قید خانہ جو زمانہ ہے دکھائی دیتا
تو لے اب آج سے ہوں تجھ کو رہائی دیتا

(دلاور جنگ کا صفدر کو گولی سے اڑا دینا)

باب پہلا ——— سین چوتھا

حماقت بیگ کا مکان

(جھنجھٹ کا چھینکتے ہوے آنا)

جھنجھٹ : آچھیں۔ آچھیں۔ آچھیں۔الٰہی خیر ۔ یہ چھینکیں ہیں یا بندوق کے فیر۔ گویا توپ خانے سے سلامی سر ہو رہی ہے...... آچھیں...... آ...... آ ......تو یہ میری خالہ۔ کہاں تک بہے گی۔ ناک ہے یا پرنالا......میں تو یہ سمجھ کر آیا کہ آج صبح ہی صبح ہاتھ کھجاتا ہے تو کچھ ضرور ملے گا۔ مگر کہاں نصیب...... ہیں یہ کون آتا ہے؟

(حماقت بیگ کا اندر سے آواز دینا)

حماقت بیگ: سیدو او سیدو۔

جھنجھٹ : اوہ ہو۔ یہ تو وہی ہیں مرزا حماقت بیگ۔ کمبخت کا پیٹ ہے یا پلاو کی دیگ۔ یہ بھی الو عجب بدکردار ہے۔ سن دیکھیے تو ساٹھ کے پار ہے۔ صورت دیکھیے تو خاصا خرِ ناہنجار ہے۔ اور سیرت دیکھیے کہ اپنے بیٹے کی کم سن معشوقہ یعنی میری بیگم حسینہ پر نثار ہے۔ یہ تو کہیے کہ سلیم کو اپنے باپ کے گنوں کی خبر نہیں ہے ورنہ خدا جانے کیا ستم توڑتا۔ کیا عجب کہ باپ کو بیٹا بنا کر چھوڑتا۔

(جھنجھٹ کا چھپ جانا اور حماقت بیگ کا آنا)

حماقت بیگ: فکر۔ فکر۔ فکر۔ جتنی فکر مجھے ہے اتنی فکر کوئی ساہوکار کرتا تو مفلس بینک کا حصہ دار بن جاتا۔ اگر کوئی ناٹک والا کرتا تو اس کا نیا کھیل پاس ہوجاتا۔ اگر جنرل کروگر کرتا تو ٹرانسوال کا نہ ستیا ناس ہوتا۔ ہائے ہائے میں نے شادی کی یا بربادی۔ عورت بھی ملی تو عقل سے خالی۔ سال میں چھ چھ درجن بچے دینے والی۔

جھنجھٹ : (سائڈ میں) باپ رے۔

حماقت: اب کیا کروں۔ اپنا گلا گھونٹ کر مرجاؤں۔

(اپنا گلا دبانا)

جھنجھٹ : (ظاہر ہوکر) میاں۔ میاں یہ آپ کیا کرتے ہیں۔

حماقت: مرتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

جھنجھٹ : نہیں۔ میں آپ کو مرنے نہ دوں گا۔

حماقت: کیوں نہ مرنے دے گا۔ تو کوئی خدائی فوجدار ہے۔ یا بیمہ کمپنی کا حصہ دار ہے۔

جھنجھٹ : جی۔

حماقت: جی کے بچے ہمارے مرنے جینے سے تجھے کیا سروکار ہے؟

جھنجھٹ : میاں آپ مرجائیں گے تو ستم ہو جائے گا۔

حماقت: یعنی۔ یعنی۔

جھنجھٹ : یعنی دنیا سے ایک بے وقوف کم ہو جاے گا۔

حماقت: کیا کہا؟

جھنجھٹ : عقل مند۔ عقل مند۔ ایک عقل مند کم ہو جاے گا۔

حماقت: ہاں سچ تو ہے ۔ سنا جاتا ہے کہ آج کل عقل مندوں میں کوئی گھن چکر تھا۔ سو وہ بھی مرگیا۔ لال بجھکڑ تھا وہ بھی گزر گیا۔ اب اگر میری بھی پائمالی ہوجاے گی تو دنیا واقعی عقل مندوں سے خالی ہوجاے گی۔ کیوں کیسی کہی؟

جھنجھٹ : اچھی کہی۔
حماقت: لیکن آج تو صبح صبح میرے یہاں کیوں آیا۔
جھنجھٹ : جناب میری بیوی نے آپ کے ہاں حصہ بھیجا تھا وہ دینے آیا۔ تو بیگم صاحب نے فرمایا کہ جا میاں کو بلا لا۔
حماقت: بیگم؟ کون بیگم؟
جھنجھٹ : آپ کی بیوی نحوست بیگم بلاتی ہیں۔ شاید قہوہ پینے کو یاد فرماتی ہیں۔
حماقت: ایک تو میں صبح ہی صبح خود گرم ہو رہا ہوں۔ اس پر یہ قحبہ قہوہ پینے کو بلاتی ہے۔ جا کہہ دے کہ میں نہیں ہوں۔
جھنجھٹ: میں جھوٹ کیسے کہہ دوں۔ آپ تو یہاں کھڑے ہیں۔
حماقت: میں کھڑا ہوں۔ مگر تو سمجھ لے کہ میں گیا۔
جھنجھٹ: گئے کیسے ۔ آپ تو ہیں۔
حماقت: ہوں۔ مگر تو سمجھ لے کہ نہیں ہوں۔
جھنجھٹ: نہیں ہوں۔ تو پھر یہ بولتا کون ہے؟ آپ کا بھوت؟
حماقت: تو جاتا ہے یا نہیں۔ شیطان کے پوت۔
جھنجھٹ: اچھا تو لیجیے ۔ میں گیا۔
حماقت: ہیں۔ ابھی گیا کہاں۔ تو تو کھڑا ہے۔
جھنجھٹ: کھڑا ہوں۔ مگر آپ سمجھ لیجیے کہ میں گیا۔
حماقت: گیا کہاں۔ تو تو ہے۔
جھنجھٹ: ہوں۔ مگر آپ سمجھ لیجیے کہ نہیں ہوں۔
حماقت: حرام زادہ۔ شیطان کا دادا ۔مجھے بناتا ہے۔ دل لگی میں اڑاتا ہے...... ایک تو میں اس مردار کے..........
جھنجھٹ: تو میاں میں سچ مچ چلا جاؤں۔
حماقت: ارے ہاں۔ سچ مچ۔ ایک تو میں اس مردار کے ہتھکنڈوں سے..........
جھنجھٹ: میاں۔ کیا اسی آن چلا جاؤں......
حماقت: ہمت تیری۔ ہاں ہاں اسی آن۔ اسی آن۔ اسی آن۔ ایک تو میں اس

مردار کے ہتھکنڈوں سے پھنکتا............

جھنجھٹ: او........... (پیچھے جا کر چھپ جانا)

حماقت: او...........ایک تو میں اُس ....مردار کے..........ہتھکنڈوں سے پھنکتا رہتا ہوں۔ ......اس پر یہ شیطان کا جایا اور جلانے کو آیا.....کم بخت نحوست کی مصیبت کیا کم تھی کہ قسمت کے دھکا دینے سے دوسری آفت میں گرفتار ہوا۔ یعنی اس بڑھاپے میں نوجوان حسینہ کی محبت کا بھوت سر پر سوار ہوا۔ بس اب تو اسی سے شادی ہو تو غم سے آزادی ہو..... کیا کروں۔ کیسے پاؤں۔ ہائے ہائے رے حسینہ۔ اب کیوں کر ہوگا جینا............

جھنجھٹ: (سائڈ میں) بڈھے کی فصد لینا چاہیے۔ ورنہ بالکل سنک جائے گا............ (سامنے آکر) میاں غضب ہوا۔ غضب ہوا۔ بڑا غضب ہوا............

حماقت: (سائڈ میں) پھر کوئی سوانگ لایا۔ (سامنے) ابے کیا ہوا۔ خیر تو ہے؟

جھنجھٹ: خیر کیسی۔ برائی ہے برائی۔ نحوست بیگم نے حسینہ کی تمام داستان آپ کے منھ سے سن پائی۔

حماقت: ہائے ہائے یہ کیا آفت آئی۔ کیا سچ کہتا ہے بھائی۔

جھنجھٹ: سچ نہیں تو کیا جھوٹ.........آپ کے قدموں کی قسم۔

حماقت: ہائے ہائے۔

جھنجھٹ: مارے غصہ کے نیلی پیلی ہوئی جاتی ہیں۔ چھ فٹ کی لمبی جوتی لے کر آپ کی چند یا سہلانے آتی ہیں۔

حماقت: جوتی !

جھنجھٹ: ہاں۔

حماقت: ریشمی کہ سوتی؟

جھنجھٹ: سوتی سوتی۔ لوہے کی نال والی۔

حماقت: بتا یار۔ کوئی جان بچانے کی تدبیر بتا۔

جھنجھٹ: اچھا تو پہلے کچھ نذرانہ پیش کرو۔

حماقت: تو کیا چاہتا ہے بول۔

جھنجھٹ: بہت نہیں صرف تھوڑا سا۔

حماقت: تھوڑا ایسا یہی آنہ دو آنہ؟

جھنجھٹ: فقط دس روپیہ ۔

حماقت: ذرا زور سے بول۔ میرے کان میں جورو کی جوتی اٹکی ہے۔

جھنجھٹ: کہا تو دس روپیہ۔

حماقت: میں بائیں کان سے بہرا ہوں۔ ذرا دہنی طرف آکے بول۔

جھنجھٹ: بیس روپیہ۔

حماقت: ارے دس روپیہ والے بازوپر آجا.........اب تو تدبیر تو بتا پھر دیکھ میں کیسا انعام کا مینھ برساتا ہوں۔

جھنجھٹ: اب دیتے ہو تو دو۔ ورنہ میں ابھی بیگم صاحبہ کو بلاتا ہوں۔ بے بے......

حماقت: لے لے.........ہائے ہائے کیسی پیاری آواز ہے۔ اگر قبرستان میں جاکر بجا دوں تو تمام مردے قبر سے نکل آئیں..........

جھنجھٹ: لاؤ۔ نہیں تو..........بے بے۔

حماقت: ابے لے لے.........جاتے ہو میرے لعل۔

جھنجھٹ: بے بے بے بے بے بے بے بے۔

حماقت: لے لے لے لے لے لے لے لے۔

جھنجھٹ: گن کر دو۔

حماقت: ایک۔ دو۔ تین۔ چار ۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ نو۔ دس۔

جھنجھٹ: ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ نو۔ ایک کم ہے اور لاؤ۔

حماقت: ارے یار ایک تو رہنے دے۔

جھنجھٹ: بے اے۔

حماقت: لے۔ اے۔

جھنجھٹ: اجی میاں۔ آپ اس قدر رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں۔ حسینہ سے شادی کیوں نہیں کرلیتے ہیں۔

حماقت: ارے یار شادی تو کرلوں۔ مگر اس کے جوتوں کی شرطیں بڑی کڑی ہیں۔
جھنجھٹ: اجی واہ۔ عاشق ہو کر جوتوں سے گھبراتے ہو۔ اجی میں کہہ دوں گا کہ ذرا نرم نرم ہاتھ سے جوتی لگانا۔
حماقت: ہاں دھیرے دھیرے ۔ چاہے سر کے بال اتارے مگر سب کے سامنے نہ مارے ۔ کیوں کیسی کہی۔
جھنجھٹ: بہت اچھی کہی......میں سب بندوبست کر رکھوں گا۔ آپ کل ٹھیک بارہ بجے وہاں آجایئے۔
حماقت: ٹھیک بارہ بجے؟
جھنجھٹ: ہاں ٹھیک بارہ بجے۔ توپ کے منھ پر۔
حماقت: اچھا دوست میں چلنے کو تو چلوں گا۔ مگر حسینہ سے بات کیوں کر کروں گا۔
جھنجھٹ: بات۔ وہی عاشقوں والی گھات۔ اگر خود سے نہ ہو سکے تو کتابی مصرعوں سے کام لینا۔
حماقت: تو میں گل بکاولی اور اندر سبھا کے عاشقانہ فقرے سب رٹ لیتا ہوں۔
جھنجھٹ: بس بس۔ یہ ٹھیک ہے۔
حماقت: اچھا بندگی ۔ میں ٹھیک بارہ بجے آجاؤں گا۔
جھنجھٹ: ہاں ٹھیک بارہ بجے (سائڈ میں) تا کہ تمھارے بھی بارہ بج جائیں..........ہا ہا ہا۔ چلو خبیث ٹلا۔ سچ کہنا۔ کیسا دبایا گلا۔ کہ روپیہ ہی روپیہ لے چلا۔ اب دیکھنا ۔

تب مزہ ہے کہ اپنی گھات چلے
باپ بیٹے میں جوتی لات چلے

(گانا)

اجی واہ جی واہ
دیوانہ ہے بندر۔ مچھندر۔ قلندر سے پالا پڑا

ارے واہ جی واہ۔ یہ لوٹا چماری ہو صورت پہ واری ہو
قربان۔ شیطان
یہ پیٹ نکالا ہے، کاندو کا نالا ہے۔ بولو سردار
اجی واہ جی واہ۔
بڑھاپے کا ٹٹو۔ محبت پہ لٹو۔ نکھٹو مردار
ساری باتیں۔ دیوانی۔ اوندھی پیشانی کا الو گنوار
اِدھر اُدھر رنگی جوانوں میں۔ جنگی گھرانوں میں۔ ہوتا نثار
ارے واہ جی..........

(سب کا جانا)

باب پہلا ——— سین پانچواں

باغ۔ جھولا

(قمر پسر ناصر الدولہ کا جھولا جھولنے اور مہ جبیں کا معہ سہیلیوں کے نظر آنا)

(گانا)

سہیلیاں: سکھی پھولن میں راجن جھولت جھولنا
ماند ہوا مکھ چاند۔ واہ واہ
جھولو جھولو سرتاج۔ جھولو جھولو راجن کے راج
سکھی پھولن میں............
تورا باغ جوں پھلواری رہے
کروائم سرتاج جگ سرداری رہے
جے جے لالہ، آنکھ کا اجالا
پائے جگ جگ راج ساج
سکھی پھولن میں............

قمر: امی جان!

مہ جبیں: آؤ بیٹا آؤ............آہ ہا۔ آب حیات۔ آب حیات۔ خدا کی بخشی ہوئی نعمت۔ محبت کے پاک درخت کا پھول۔ ؎

جی جائے اس دوا سے جسے دم میں دم نہیں
بوسہ ترا علاج مسیحا سے کم نہیں

قمر: (گاتا)

اماں مجھے اچھی سی ٹوپی منگادے
ٹوپی منگادے، گھوڑا دلادے
گاڑی پہ لیٹوں گا، گھوڑے پہ بیٹھوں گا
گاڑی میں سوؤں گا۔ گھوڑے کو ہانکوں گا
ٹک ٹک ٹک۔ ہوں ہوں ہوں۔ آہستہ آہستہ
بس تھم تھم تھم تھم
اماں مجھے چھوٹی سی بندوق لادے
تیر و کمان لادے
توپوں کو چھوڑوں گا۔ قلعوں کو توڑوں گا۔
دھڑ ڑ زڑ دھم دھس
دھڑ دھم دھس
اماں مجھے..........

(ناصر الدولہ کا آنا)

ناصر: آہ ہا۔ خوشی خوشی۔ باغ محبت کے دو گل و بلبل۔ یا ایک پاک عاشق و معشوق کی سچی خوشی۔ یہی ہے۔

مہ جبیں: ہیں! یہ کون کھڑا ہے۔ باغبان۔ ارے منھ سے کیوں نہیں بولتا بد اوسان؟

ناصر: اجی یہ تو میں ہوں آپ کا عاشق نیم جان۔

مہ جبیں: کیا بکتا ہے۔ کہیں شامت تو نہیں آئی بد زبان۔

ناصرہ: ہیں۔ شامت !!

مہ جبیں: اوہ ہو۔ آپ ہیں مہربان۔

ناصر: جی جناب عالی۔

مہ جبیں: توبہ توبہ ۔ میں تو سمجھی تھی باغ کا مالی۔

ناصر: کیوں نہیں ضرور ضرور۔

مہ جبیں: نہیں نہیں۔ معاف فرمایئے گا حضور۔

ناصر: معاف فرمایئے گا حضور۔ اجی واہ جناب عالی۔ یہ تو آپ نے اچھی چال نکالی۔ کسی کو دیجیے گالی کسی کو بنایئے باغبان۔ کسی کو مالی۔ او پھر معافی مانگ کر بچ جائے خالی ؎

خطا معاف نہ ہرگز حضور کی ہوگی
خطا جو کی تو سزا بھی قصور کی ہوگی

مہ جبیں:

سزا دو لائق کار محبت
کھڑی ہے لو گرفتار محبت
ہمارے ہاتھ باندھو گیسوؤں سے
ہمیں سمجھو گنہگار محبت

ناصر: خیر جایئے۔چونکہ مجرم جرم کر کے شرمایا۔ تو حاکم کو بھی رحم آیا۔

مہ جبیں: آداب۔ آداب۔

ناصر: ؎

جب گنہ گار اپنے دل میں جرم سے نادم ہوا
معاف کر دینا اسے انصاف کو لازم ہوا

ناصر: ہاں۔ ؎

پھر کبھی تا کہ قصور ایسا نہ ہونا چاہیے
اس لیے مجرم پہ کچھ جرمانہ ہونا چاہیے

(مہ جبیں کا بوسہ لینا)

مہ جبیں: ؎

ہمارے جرم کا جرمانہ یہ حضور نہ تھا

خطا زبان کی تھی ہاتھ کا قصور نہ تھا
نہ اس طرف سے بھی اب درگزر خطا ہوگی
سزا تو دے چکے اب آپ کو سزا ہوگی

ناصر: ہاں ہاں۔ چوکیے نہیں۔ چوکیے نہیں ۔
بدلہ ضرور جرم کا سرکار لیجیے
بھر بھر کے جی مزے سے مرے پیار لیجیے
میں ایک لوں تو آپ مرے چار لیجیے
اجی لیجیے۔ لیجیے۔

مہ جبیں: بس جایئے بھی ۔
میں یہ سمجھوں گی سزا آپ کو کافی دے دی
جایئے ہاتھوں کے صدقے میں معافی دے دی
دھوکا پھر کھاؤں گی اب بھی جو نہ ہشیار بنوں
کیا غرض مجھ کو کہ جو میں بھی گنہگار بنوں

ناصر: خیر صاحب: ۔
گر یہی طور ہے اپنا بھی یہی طور سہی
جب گنہ ہی ہے تو پھر ایک گنہ اور سہی
(قمر سے مخاطب ہو کر) کیوں بٹیا۔ تو کس کا بیٹا ہے؟

قمر: ابا جان آپ کا۔

ناصر: اور یہ کون ہیں؟

قمر: یہ تو امی جان ہیں۔

مہ جبیں: (گانا) بولو بولو سنوریا پیارے۔ نجریا پہ میں واری
کہہ دو کہہ دو جو ہو موسے تقصیر

بولو بولو ....

ناصر: (گاتا)

ہم نہیں بولیں گے۔ تم ہی سمجھ لو تقصیر جاناں
سزا میں دوں گا تمھیں اور تم قبول کرو

مہ جبیں: وہ کیا سزا ہے صنم مطلقاً نہ بھول کرو

(رستم جنگ کا آنا)

رستم:

اے شہنشاہِ دہر تیرِ خوش وقار
اے جہاں دار آفتاب آثار
تو سلامت رہے ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

ناصر: خوش آمدید۔ آؤ میرے سلطنت کے فدائی۔ میرے مہربان بھائی۔

رستم: جہاں پناہ میں شرمندہ ہوں کہ آپ خادم کو بھائی کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ ذرہ کو آفتاب بتاتے ہیں۔ ورنہ مجھ میں تو غلامی کی بھی قابلیت نظر نہیں آتی ہے۔

ناصر: یہ تمھاری عالی صفاتی ہے۔ جو اپنی تعریف پسند نہیں آتی ہے۔ ؎

کبھی کرتا نہیں تعریف اپنی جو کہ عالی ہے
کہ ٹھوکر سے وہی بجتا ہے جو برتن کہ خالی ہے

رستم: عالی جاہ۔ ؎

خبر آئی ہے کہ افواج رقیب آپہنچی
فوج چنگیز پہاڑوں کے قریب آپہنچی
یوں نہ ہو ہم پہ کسی وقت میں حملہ کردیں
ہم تو غفلت میں رہیں اور وہ پس پا کردیں

فوجیں تیار کھڑی ہیں کہ فدا جان کریں
آپ اب چلیے تو ہم کوچ کا سامان کریں

ناصر: لو پیاری۔ اب آگئی جدائی کی باری۔

مہ جبیں: نہیں نہیں۔ مجھے اکیلی نہ چھوڑو۔ مجھ سے جیتے جی منھ نہ موڑو۔ ؎

تم تو یہی کہتے تھے مری جان تمھیں ہو
پھر جان چھٹے جیتے جی یہ کیسے یقیں ہو

ناصر: ؎

مانا یہ ہم نے پیاری تم جان ہو ہماری
پر جان ساتھ ہوگی تو وقت تیغ باری
جاں کو بچاوں گا میں یا لڑنے جاوں گا میں
دل ایک اور غم دو کس کی کروں گا یاری

مہ جبیں: نہیں نہیں تم اس بات کی مطلق فکر نہ کرو۔ ؎

تم نہ ڈرنا جان میری کھو گئی تو کھو گئی
میں جو مرجاوں سمجھنا مجھ پہ صدقے ہو گئی

(ناصر کا دامن پکڑ کر گانا)

مورے شام۔ مورے دھام۔ مورے سنوریا
نہ مجھ سے پھیر نجریہ
تم بن سنوریا ۔ جائے عمریا
بن تورے نین تکے ڈگریا
مورے شام..................

ناصر: خیر اٹھو جاناں۔ مگر خبردار۔ خیمہ سے میدان میں نہ آنا۔جاو تیار ہو۔سوار ہو۔

(مہ جبیں اور قمر کا جانا)

(رستم کو مخاطب کرتے ہوئے) بہادر رستم۔

رستم: صاحب عالم۔

ناصر: آج کیا ہوگا؟

رستم: فتح یا موت۔

ناصر: اگر دشمن کے لیے فتح اور میرے لیے موت ہو۔

رستم: تو ہم سب کے لیے موت ہو۔

ناصر: تو میں اپنے بیوی بچوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اور اگر صرف میرے لیے موت ہو تو تم میری مہ جبیں کے شوہر اور میرے بچے کے پدر ہو۔

رستم: اف جہاں پناہ یہ میں کیا سنتا ہوں؟

ناصر: جو میں کہتا ہوں۔

رستم: جو میں کہتا ہوں! ؎

کیوں نہیں مرتا ہوں کیا ذی شان سے سنتا ہوں میں
دیکھتا کس آنکھ سے کس آنکھ سے سنتا ہوں میں

اے آنکھ کور ہوجا۔ اے کان درگور ہوجا۔

ناصر: رستم۔ آج خدا جانے میرے دل میں کیوں بار بار یہ بات آتی ہے کہ میدان جنگ نہیں بلکہ قضا بلاتی ہے اگر وہ آسمانی فرشتہ اس زمیں سے مجھے اٹھالے گا۔ تو میرے قمر اور مہ جبیں کو کون سنبھالے گا؟

رستم: دنیا کا سنبھالنے والا ہے وہ خدائے تعالٰی۔

ناصر: تو کیا میں تم سے ناامید ہوجاؤں؟

رستم: ہاں۔ لیکن خدا سے ناامید نہ ہو جیے۔

ناصر: بہادر رستم۔ تمھارے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیش و عشرت کی گود میں پلا ہوا ناصر تیر و تفنگ سے جھجکتا ہے۔ نہیں نہیں میدان جنگ میرا مکان ہے۔ تیر و تفنگ میرا سامان ہے۔ تلواروں کا پھل میری خوراک ہے۔ آتش فشاں توپوں کی چادر میری پوشاک ہے۔ مگر خدا جانے کیا ہونے والا ہے جو خود بخود میرا دل تہ و بالا ہے ؎

خیر اگر خود منھ سے کہنے میں ہو تم کو انفعال
تو میں اک خط میں لکھے دیتا ہوں اپنے دل کا حال
یا تو جو میں نے کہا منھ سے سنا دینا اُسے
یا تو جو خط لکھ کے دوں، میں وہ بتا دینا اسے

رستم: خیر حکم۔ لاچاری ۔

منظور ہے کلام بھی سلطانی کام بھی
راضی ہیں شہ اسی میں تو خوش ہے غلام بھی

ناصر: چلو خدا فتح دینے والا ہے۔

(دونوں کا جانا)

باب پہلا ——— سین چھٹا

کامک

حسینہ کا مکان

(حسینہ کا سلیم کے فراق میں گانا)

حسینہ: ہائے مجھے درد جگر نے ستایا ۔

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالوں میں
سناؤں درد دل طاقت اگر ہو سننے والوں میں
کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

اہل بے داد ملا۔ سخت جلاد ملا۔ پورا استاد ملا ۔

سانس دیکھا تن بسمل میں جو آتے آتے
اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

ہائے مجھے درد جگر نے ستایا............

(خود کلامی) خدایا راستے میں کیا غضب آیا جو جھنجھٹ میرے پیارے کو لے کر ابھی تک نہ آیا۔

(جھنجھٹ کا آنا)

جھنجھٹ: بیگم صاحبہ آداب۔ تسلیمات۔

حسینہ: ارے بد ذات۔ اتنی دیر کہاں لگائی۔ سلیم کو بھی لایا یا ہانپتا گیا اور

کانپتا آیا۔

جھنجھٹ: کون میاں سلیم۔ اجی یہ کیا کھڑے ہیں۔

سلیم: آداب بجا لاتا ہوں بندہ پرور۔

حسینہ: بس بس۔باہر باہر۔

سلیم: خیر تو ہے۔ یہ آج کس بات کا غصہ نکالا جاتا ہے۔ کیا بندہ سر کی بلا ہے جو ٹالا جاتا ہے۔

حسینہ: ہونھ۔ دو دو دن تک منھ نہ دکھانا ۔ ترسانا۔ ستانا۔ جلانا اور پھر آکے باتیں بنانا۔

سلیم: اللہ رے تیرا تیوریاں چڑھانا۔

(دونوں کا مل کر گانا)

توری چھل بل ہے پیاری۔ توری کل بل ہے نیاری
کرو باتیں سندریا جان
توری زلفیں ہیں کالی۔ تورے گالوں پہ لالی
تیرے نینوں کی لاگی کٹریا جان
جاو نادان مجھے نہ بناو جان
اجی نینوں سے نیناں ملاو جان
اجی چھوڑو جی ہاتھ۔نہیں ہوگی یہ بات۔ کرو اوروں سے گھات
اجی واہ واہ

سلیم: ہیں! یہ سامنے سے کون آتے ہیں۔ یہ تو میرے قبلہ و کعبہ تشریف لاتے ہیں۔

حسینہ: پیارے سلیم۔ تمھارے والد تو بالکل پاگل ہو گئے ہیں۔ رات دن میرے مکان کے گرد چکر لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے بھی اپنے شیداؤں میں داخل کرلو۔

سلیم: پیاری حسینہ۔ تم جانتی ہو کہ انسان بوڑھا ہوجاتا ہے تو اس کی عقل ٹھکانے

نہیں رہتی ہے۔ اور ان کا سن تو ساٹھ کے بھی پار ہے۔ کس طرح سے ان کے نام سے بدنامی اور اپنے ماتھے سے کلنک کا ٹیکا مٹائیں۔

حسینہ: ہاں ہاں پیارے جس طرح ممکن ہو ان کو نصیحت پہنچانے کی کوشش کریں۔ شاید پشیمان ہو کر باز آئیں۔

سلیم: اچھا آو ان کی حالت کو چھپ کر دیکھیں۔

(حسینہ اور سلیم کا آڑ میں چلے جانا)

حماقت: بس یار بس۔ آج تو نے بڑا احسان کیا جو حسینہ کو مجھ پر مہربان کیا۔ خدا کرے تیری جورو کو بھی میرے ہی جیسا بہادر لڑکا پیدا ہو۔

جھنجھٹ: ہاں اور وہ بھی حسینہ ہی پر شیدا ہو۔

حماقت: دیکھ یار۔ یہ تو پھر تلوار چلنے کی بات ہے۔

....

سلیم: توبہ۔ توبہ۔ یہ بڈھا تو تمام شہر میں میرا فضیحتا کرے گا۔

حسینہ: پھر کیا تدبیر کریں بتاؤ۔

سلیم: کچھ نہیں۔ تم فی الحال تو جا کر ان کی ہاں میں ہاں ملاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد میں آتا ہوں۔ اور پھر اسے اچھی طرح ٹھیک بناتا ہوں۔

(حسینہ کا باہر آنا)

جھنجھٹ: ہاں دیکھ وہ بیگم صاحبہ آتی ہیں۔

حماقت: کون؟ حسینہ؟

جھنجھٹ: ہاں ہاں۔ اب ذرا بلاغت و فصاحت کو کام میں لانا۔ وہی ناٹک کے یاد کیے ہوئے فقرے سنانا۔

حماقت: ارے یار۔ میرے گلے میں تو آواز اٹکتی ہے۔

جھنجھٹ: اُنھ ہوں ہوں۔ تو پہلے ہی سے گلے کو جمال گوٹے کا جلاب کیوں نہ

دے دیا۔

حسینہ: ۔ میرے اس غم کدے میں آپ کا آنا مبارک ہو۔

جھنجھٹ: ۔ تمھیں جوتی لگانا اور انھیں کھانا مبارک ہو۔

حماقت: ارے جھنجھٹ یہ تو بڑی فصاحت سے بات کرتی ہے۔

جھنجھٹ: پھر دیر کیا ہے۔ تم بھی شروع کردو۔

حماقت: اب شروع کرتا ہوں۔ شروع کرتا ہوں۔

جھنجھٹ: ہاں۔ ہاں۔ ذرا فصاحت سے۔

حماقت: اے حسینوں کی ستیاناسی کا مصالحہ۔ مرجائے تیری خالہ ۔ یہ رستم کا باپ اور سہراب کا سالا۔ تیرے عشق میں سوکھ کر ہو گیا ہے بھالا۔ (جھنجھٹ کی طرف منھ کر کے) کیوں کیسی کہی؟

جھنجھٹ: بہت اچھی کہی۔

حماقت: ۔

گھر سے یاں کون خدا کے لیے لایا مجھ کو
کس ستم گار نے سوتے سے جگایا مجھ کو

ناٹک اندرسبھا۔ باب پہلا۔ پردہ تیسرا۔ کیوں کیسی کہی؟

جھنجھٹ: اچھی کہی۔

حسینہ: اے میرے رنگیلے جوان۔ عاشقوں کے خاصدان۔ معشوقوں کے اگالدان۔ ماں تمھاری صدقہ اور باپ تمھارا قربان۔ میری بھی تم پر جاتی ہے جان۔

حماقت: اوے اوے۔ اسی طرح رنگیلی بھٹیاری دولتھ دھوبی کے لیے کہتی تھی۔

جھنجھٹ: کیا کہتی تھی؟

حماقت: ۔

پھندے سے میرے کوئی نکلنے نہیں پاتا
آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا

اندرسبھا اور چترا بکاولی مل کر باب تیرا اور پردہ میرا۔کیوں کیسی کہی؟

جھنجھٹ: اچھی کہی...... اے ہے بیگم صاحبہ تو روتی ہیں۔

حماقت: نہ رو۔ نہ رو۔ اے میری رشک حور۔ تیری بلا دور۔ سراپا نور ۔ ارے بھینسا سور۔

مجھ کو ترے ملال سے بے حد ملال ہے
آغا تقی کے باغ میں کوا حلال ہے

شریں فرہاد۔ باب نواں۔ پردہ انیسواں۔ کیوں کیسی کہی؟

جھنجھٹ: بہت اچھی کہی۔

حسینہ: پیارے کیا سچ مچ تم عاشق ہو ہمارے؟

حماقت: جھنجھٹ ۔ کیا میں اس کا عاشق نہیں؟

جھنجھٹ: اجی عاشق کیا آپ تو ان کے عاشق کے باپ ہیں۔

حماقت: باپ ہیں ۔ باپ ہیں۔

(گانا)

تو ہے میری جانی۔ تو ہے میری نانی
تو ہے میری خالہ جان
جان لے، ایمان لے، پیاری پیاری باتیں
ساری ساری راتیں
سنوں کر کے دھیان
تو ہے میری.................

حسینہ: (گانا)

توری ترچھی نجریا کو پیار کروں
موہے مارے کٹاری نین کی
بانکا سپہیا۔ تو مورا سیاں
ڈالوں تورے گل بیاں
تو ہے میری جان..........

پیارے۔ اچھا میری شرط منظور ہے یا نہیں۔

حماقت: جھنجھٹ۔

جھنجھٹ: جی۔

حماقت: یار یہ تو جوتیاں کھانے والی بات ہے۔

جھنجھٹ: اجی کھا بھی لیجیے۔ محبت کی خاطر تو لوگ جوتیوں کا ہار پہنتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ منظور ۔

حماقت: اچھا باوا منظور۔

حسینہ: اچھا تو بیٹھ جاو۔ میں جوتیاں لگاؤں اور تم تعریف کرتے جاؤ۔

حماقت: لیجیے جوتیاں بھی کھاوں اور تعریف بھی کرتا جاؤں۔

جھنجھٹ: اجی یہ بھی منظور۔

حماقت: یہ بھی منظور۔

حسینہ: اچھا تو آو۔ ذرا پینترے سے بیٹھ جاؤ۔

حماقت: ہاں۔ کہیں میرے سر کو صدقے کا ناریل نہ سمجھ لینا۔

جھنجھٹ: حضور میں سمجھا دیتا ہوں۔

حماقت : ہاں یار۔ ذرا سفارش کروگے۔

جھنجھٹ: ہاں بیگم صاحبہ۔ ذرا دھیرے دھیرے لگانا۔ ہاں دھیرے دھیرے۔ ہاں— دھیرے—

حماقت: دھیرے دھیرے۔

حسینہ: اجی ایسا دھیرے دھیرے لگاؤں کہ سر ٹوٹے تو ٹوٹے مگر میری جوتی نہ ٹوٹے۔

حماقت: چل بے نکل۔ میں جوتے کھاتا ہوں۔

حسینہ: چلو بیٹھ جاؤ۔ ایک۔ دو ۔ تین۔

حماقت: دیکھ تین ہوئے۔

حسینہ: یہ تم بیچ میں کیوں بول اٹھے۔ چلو پھر ایک سے شروع ہو۔ ایک۔ دو۔ تین ۔ چار۔

حماقت: ایک رہنے دے شادی کے دن کے لیے۔
حسینہ: ہیں۔ تم پھر بولے۔ چلو پھر سے۔
حماقت: اور جو اتنی جوتیاں کھائیں وہ فضول گئیں۔
حسینہ: تو میں کیا کروں۔ تم بیچ میں بولے تو میں گنتی بھول گئی۔
حماقت: ارے واہ رے میری بھول بھلیاں۔۔۔۔۔(سائڈ میں) یہ تو سال بھر تک حجامت کی چھٹی کردے گی۔ جو مجھے دیکھ کر ہنسے خدا کرے وہ بھی اسی آفت میں پھنسے۔
حسینہ: ایک ۔ دو ۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔
جھنجھٹ: (گھبراتے ہوے) بانو۔ بانو۔ آپ کے ابا جان تشریف لاتے ہیں۔
حماقت: کون۔ اس کا باپ ہائے ہائے یہ کہاں کا پاپ۔ کم بخت جوتیاں کھانے کے وقت کہاں مر گیا تھا۔ جو عین نکاح کے وقت آیا ہے۔ ارے حسینہ میری جان بچا۔ کہیں چھپا۔
حسینہ: میں کہاں چھپاؤں ۔ میری خود لاکھ کی عزت خاک ہوا چاہتی ہے۔ یااللہ میں تو جا کے مرجاتی ہوں۔
جھنجھٹ: میاں۔ میاں۔ بیگم صاحب تو مرنے جاتی ہیں۔
حماقت: ارے یہ مرتی ہے تو مرنے دے ۔ مگر مجھے تو کہیں چھپا دے۔
جھنجھٹ: ہاں ایک چارا ہے جس سے تمھیں چھٹکارا ہے۔
حماقت: چارا۔ کر یار کر۔ خدا کے لیے کر۔
جھنجھٹ: (ساڑی اور چکی اندر سے لاتا ہے) لو یہ پہن لو۔
حماقت: کیا میں یہ پہنوں۔
جھنجھٹ: اجی پہنو بھی۔ نہیں تو میاں کو بلاتا ہوں۔
حماقت: اے پہنتا ہوں۔ (پہنتا ہے)
جھنجھٹ: لو اب چکی پیسنا شروع کردو۔

(حماقت کا چکی پیسنا اور سلیم کا آنا)

سلیم: کیوں پیاری حسینہ ۔ مزاج کیسا ہے؟
حسینہ: جی حضور۔ ضرورت سے بھی زیادہ اچھا ہے۔
سلیم: دور کیوں کھڑی ہو پیاری۔ ادھر آو۔ ذرا میرے گلے تو لگ جاؤ۔
حماقت: ارے رے یہ کیا کرتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ چکی کا پاٹ کھینچ کر مار دوں۔
جھنجھٹ: ارے چپ ورنہ حال کھل جائے گا۔
سلیم: یہ کون ہے۔ یہ۔
حسینہ: زرینہ۔ زرینہ۔
سلیم: اری منھ سے کیوں نہیں بولتی بدقرینہ۔
جھنجھٹ: حضور کل سے اس کے منھ کو لقوہ مار گیا ہے۔
حماقت: (دھیرے سے) تیرے باپ کے منھ کو لقوہ مار گیا ہے۔
جھنجھٹ: چپ چپ۔
سلیم: یہ کتنا آہستہ آہستہ پیستی ہے۔ جلدی پیس۔ جلدی پیس۔
جھنجھٹ: یہ کتنا آہستہ آہستہ پیستی ہے۔ جلدی پیس۔ جلدی پیس۔
حماقت: پیستا ہوں۔ پیستا ہوں۔
جھنجھٹ: پیستا ہوں کیا ۔ پیستی ہوں بول۔
حماقت: پیستی ہوں ۔ پیستی ہوں۔
سلیم: یہ کم بخت بیچ میں کیوں بیٹھی ہے۔ ہٹ کے بیٹھ۔ ہٹ کے بیٹھ۔
جھنجھٹ: ہاں یہ کم بخت بیچ میں کیوں بیٹھی ہے۔ ہٹ کے بیٹھ ۔ ہٹ کے بیٹھ۔
حماقت: اچھا بیٹھتا ہوں۔
جھنجھٹ: پھر وہی۔
حماقت: بیٹھتی ہوں۔ بیٹھتی ہوں۔
سلیم: اچھا پیاری حسینہ اب میں جاتا ہوں۔

(سلیم کا جانا)

جھنجھٹ: لو بڑے میاں تو گئے۔
حماقت: گیا۔ خدا اس کے باپ پر لعنت بھیجے۔
حسینہ: لو اب تم بھی یہاں سے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ میرا باپ پھر آن موجود ہو۔
حماقت: اجی آؤں جاؤں کہاں۔ زمیں ٹلت تو ٹلت۔ مرزا صاحب نمی ٹلت ـــ

بیٹھا ہوں ترے در پہ تو کچھ کر کے اٹھوں گا
یا وصل ہی ہو جائے گا یا مر کے اٹھوں گا

کہو کیسی کہی۔
جھنجھٹ: بہت اچھی کہی۔
حسینہ: نہیں جاؤ گے۔
حماقت: جاتا ہوں۔ ....جانا ہمارا یاد رکھنا۔
جھنجھٹ: جوتیاں کھانا یاد رکھنا۔
حماقت: جانا۔
جھنجھٹ: ہمارا۔
حماقت: یاد۔
جھنجھٹ: رکھنا۔
حماقت: کیوں کیسی کہی۔
جھنجھٹ: بہت اچھی کہی۔

باب پہلا ——— سین ساتواں

میدان جنگ

(پس منظر سے مارو، مارو کی آواز آتی ہے)

ناصر: وائے ناکامی۔ بدنامی ۔

جور فلک سے شکوہ انجام رہ گیا
جو کام بن چلا تھا وہی کام رہ گیا

ناصر کا ایک سپاہی: دیکھیے تو سہی کچھ لوگ ادھر آتے ہیں۔

دوسرا سپاہی : یہ تو دشمن کے طرفدار نظر آتے ہیں۔

شیرخان : ہاں خبردار کہ آمادۂ شر آتے ہیں۔

(شیر خاں کا آنا)

شیر خاں: یہی ہے۔ بس پکڑلو۔ جکڑ لو۔

ناصر: تمھارا نام؟

شیر خاں: تمھاری موت کا پیغام۔

ناصر: تمھیں کس کی ہے تلاش؟

شیر خاں: باش او بدمعاش ۔

آ ہم بتائیں ہے یہ کس انسان کی تلاش
تیری ہی جستجو ہے تری جان کی تلاش

ناصر: او ناپاک۔ فتنہ ضحاک۔ کیا بکتا ہے بیباک

کریں گے بزدے کیا ہم سے شیر نر کی تلاش
تجھے ہے میری تو مجھ کو ہے تیرے سر کی تلاش

(تلوار نکال کر لڑنا اور آخر میں ناصر الدولہ کو گرفتار کر کے لے جانا)

رستم: ٹھہرو ٹھہرو۔ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ ٹھہرو۔ نامردو۔ تم سپاہی نہیں عورت ہو۔ تمھارے ہاتھ تلوار پکڑنے کے قابل نہیں بلکہ چوڑیاں پہننے کے لائق ہیں۔

ناصر کا دوسرا سپاہی : جو چاہے کہیے۔ ؎

گرچہ ذلت سہی نہیں جاتی
جان کر جان دی نہیں جاتی

رستم: اوہ ؎

جان کیا ہے مال جس کا تم کو اتنا دھیان ہے
اک سپاہی کے لیے عزت کا صدقہ جان ہے

ناصر کا پہلا سپاہی ؎

ہے ہے یہ کیا غریبوں پہ ہے قہر کردگار
کیسا غضب ہے کیسی قیامت ہے آشکار

رستم: خیر ہے ۔ کیا خبر لایا۔ کہیں جہاں پناہ کا بھی پتہ پایا۔

تیسرا سپاہی : شاہ۔ شاہ کا اب کہاں نام و نشان۔

رستم: تو کیا وہ مُوا؟

تیسرا سپاہی : افسوس شاید ایسا ہی ہوا۔

رستم: اف خدایا۔ یہ کیا کانوں کو سنایا۔

(مہ جبیں کا آنا)

مہ جبیں: ناصر۔ پیارے ناصر۔ بتاؤ بھائی کہاں ہے؟ وہ میرا گل رعنائی۔ ہیں تم نے گردن کیوں جھکائی۔ ؎

کیا میرا پیارا ناصر حال تباہ میں ہے
کس جا چھپا ہوا ہے کس کی پناہ میں ہے

رستم: اس کی پناہ میں۔ جہاں قیامت کے دن چنگیز کو پناہ نہ ملے گی۔
مہ جبیں: تو کیا میرا پیارا۔ خدا کے گھر سدھارا۔ افسوس۔

(خنجر سے خودکشی کی کوشش لیکن رستم کا بچا لینا)

—ڈراپ سین—

باب دوسرا ——— سین پہلا

جنگل

(چنگیز کی فوج کا شراب پی کر مست ہونا اور سب کا مل کر گانا)

(گانا)

چلی ناو منجدھار۔ لگا دے پار۔ پلا دے یار۔ بنے سرشار۔ ہر اک میخوار۔
تجھ پر میں قربان۔ ساقیا دونی ہو تیری شان۔ اونچی ہو تیری دکان۔ ساقیا
ساغر لانا۔ بھر کے پلانا۔ پیمانہ۔ رنگ لانا، مے اڑانا۔ مل کر گانا۔ کوئی ترانا
لو یار شوخ سنگ، چھیڑ چنگ کا سارنگ۔ جام کا جمادے رنگ
چلی ناو منجدھار..........

ساقیا ترسا نہ ہم کو بوند پانی کے لیے
دل ترستا ہے شراب ارغوانی کے لیے
پھر کہاں یہ دوست ہوں گے اور کہاں یہ بزم چنگ
آگئی پیری تو رو دیں گے جوانی کے لیے

چلی ناو منجدھار..........

شیر خاں: چلو بھائی آؤ۔ شاہ کے پاس جائیں۔ فتح کی مبارک باد سنائیں اور انعام پائیں۔

حماقت: ہاں بھائی چلو۔ میں بھی شاہ کو ایک قصیدہ مبارک باد میں سناؤں گا۔

شمشیر خاں: چلو بھائی چلو۔

باب دوسرا ـــــــــ سین دوسرا

چنگیز کا خیمہ

(گانا)

سہیلیاں: آؤ آؤ چھیلا میں مدوا پلاؤں
چین پائے جیا۔ مورے پیارے پیا
تو ہے من بٹھاؤں۔ بل بل جاؤں۔ سجن مناؤں
مے کا پینا ہے نیک قرینہ۔ چار دن ہے زمانے میں جینا
سچی باتیں تمھیں سناؤں
آؤ آؤ چھیلا ....

شراب ناب بھی ہو صاف اور پیالہ صاف
میں نربل ساقی بنوں اور پینے والا صاف

اجی آجاؤ ـ آجاؤ۔ ہاں
آؤ آؤ چھیلا..........

شیر خاں: اجی مرزا صاحب وہ جو قصیدہ آپ نے تیار کیا ہے۔ وہ سنا دو نا۔

حماقت: جھنجھٹ۔

جھنجھٹ: جی۔

حماقت: اب کیا کروں۔ یہاں تو سچ مچ شعر سنانے کی نوبت پہنچی۔

جھنجھٹ: اجی کوئی شعر وپر بنایا ہو تو سنادو۔

حماقت: اے بھائی شیر کیا میں نے تو بکری بھی نہیں بنائی۔

جھنجھٹ: اچھا سب شاعر لوگ نظم میں تعریف کرتے ہیں۔ تم نثر میں تعریف کرو۔ جس طرح میں کہوں کہتے جاؤ۔

حماقت: بول بھائی بول۔
جھنجھٹ: اے تاج چھتر کے لائق شاہ۔
حماقت: اے لات تھپڑ کے لائق شاہ۔
جھنجھٹ: اُنھو ہوں ہوں۔ اے جنگیوں کے سردار۔
حماقت: اے بھنگیوں کے سردار۔
جھنجھٹ: اوہ ہو ہو۔ سلطانِ خاص و عام۔
حماقت: سلطان کے خاص حجام۔
جھنجھٹ: ہائے ہائے۔ آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار۔
حماقت: آپ کے گلے میں جوتوں کاہار۔
جھنجھٹ: جوتوں کا نہیں پھولوں کا۔
حماقت: پھولوں کا نہیں۔ جوتوں کا۔ جوتوں کا۔
جھنجھٹ: تمام زمانے کے شاہ۔
حماقت: تمام زنانے کے شاہ ——— آگے بول یار آگے بول۔
جھنجھٹ: آگے کیا بولوں تیرا سر۔
حماقت: آگے کیا بولوں تیرا سر۔
جھنجھٹ: ارے تو نے سب کا ستیاناس کردیا۔
حماقت: ارے تو نے سب کا ستیاناس کردیا۔
جھنجھٹ: کم بخت مجھے بھی دربار سے نکلوائے گا۔
حماقت: کم بخت مجھے بھی دربار سے نکلوائے گا۔
جھنجھٹ: ہت تیرا باپ مرے۔
حماقت: ہت تیرا باپ مرے۔
چنگیز: ٹھہر جاو مرزا صاحب ٹھہر جاؤ۔
حماقت: ٹھہر جاو مرزا صاحب ٹھہر جاؤ———بول یار آگے بول۔
شیر خاں: اے شاہ نام دار جہاں دار ذی وقار۔
شمشیر خاں: یہ جشن فتح تجھ کو مبارک ہو لاکھ بار۔

سپاہی: ذی جاہ سربلند ہوں ۔ بدخواہ پست ہو۔
شمسیر: ۔ شہ کی ہو فتح اور عدو کی شکست ہو۔
حماقت: جھنجھٹ۔ ان سب میں اپنا ہی قیصدہ اچھا رہا۔
جھنجھٹ: تیرا سر رہا۔
چنگیز: جاو میرے شکار کو لاؤ۔ ناصر بدشعار کو لاؤ۔
حماقت: جھنجھٹ چل حسینہ کے گھر چلیں گے۔ دل بہلائیں گے۔
جھنجھٹ: ہاں ہاں چلو۔

(حماقت اور جھنجھٹ کا جانا اور سپاہیوں کا ناصر الدولہ کو لانا)

چنگیز: آیئے آیئے۔ شاہ زمانہ۔ بہت دنوں کے بعد ہوا آنا۔ کبھی غلام کو بھی پہچانا۔
ناصر الدولہ: شیطان کو کون نہیں جانتا ہے۔ ہر شخص پہچانتا ہے۔ ۔

شکل و صورت دیکھ لی کبرو رعونت دیکھ لی
نام پہلے سے سنا تھا آج صورت دیکھ لی

چنگیز: مغرور۔ تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ مگر ابھی تک اکڑا ہوا ہے۔ ۔

عزت گئی، نشان گیا، آبرو گئی
سب کچھ گیا مگر نہ رعونت کی بو گئی
سر سے غرور مسند مخمل نہیں گیا
رسی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا

ناصر: عزت والے مصیبت میں کب دبتے ہیں۔ تارے دن کے عوض رات کو چمکتے ہیں۔ ۔

خاک ہو کر آبرو زیر فلک جاتی نہیں
عطر کی مٹی میں بھی مل کر مہک جاتی نہیں
جان گو جائے مگر جوہر نہ جائیں گے کبھی
توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں

چنگیز: مصیبت کے جھٹکے جب امید کی رسی توڑ دیتے ہیں تو شان کیا لوگ ایمان تک چھوڑ دیتے ہیں۔

ناصر: وہ تم ایسے بے ایمان ہیں جن کی طبیعت ایسی کھوٹی ہے۔ مصیبت شریف اور کمینے کے پرکھنے کی ایک کسوٹی ہے۔ ؎

بھری برسات میں جن ندی نالوں میں روانی ہے
انھیں گرمی میں جب دیکھو نہ موجیں ہیں نہ پانی ہے
مگر دریا کو اس گرمی سے کچھ بھی غم نہیں ہوتا
لگادو آگ بھی اس میں تو پانی کم نہیں ہوتا

چنگیز: کیا بکتا ہے او باد ہوائی۔ وہ شرافت کس کام کی جو وقت پر کام نہ آئی۔ ؎

جوہر اگر دکھاتے مشکل پڑی نہ ہوتی
ہاتھوں میں آج کے دن یوں ہتھکڑی نہ ہوتی

ناصر: کیا کہا ہتھکڑی۔

چنگیز: ہاں ہاں ہتھکڑی۔

ناصر: جن بہادروں کو اپنی عزت عزیز ہوتی ہے ان کے ہاتھوں میں ہمیشہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔

چنگیز: دو چیز؟

ناصر: ہاں دو چیز۔

چنگیز: کیا؟

ناصر: تیغ و شمشیر یا ہتھکڑی و زنجیر۔ البتہ جو طبیعت میں عورت ہے اس کے لیے چوڑیوں کی ضرورت ہے۔

چنگیز: تو تو نے بہادری اس لیے تھی پائی کہ مجھ سے کرے برائی۔ میں تیرا کون تھا ؟

ناصر: کون تھا؟

چنگیز: چچا زاد بھائی۔

ناصر: اف تو نے بھائی کا نام لے کر میرے چچا کی روح کو جگا دیا۔ قبر کی گہری نیند میں ہلادیا۔ او ناسزائی۔ تجھے بھائی کہتے شرم بھی نہ آئی۔ چچا زاد بھائی اور یہ کج ادائی۔ لعنت ہے قصائی۔ ؎

جن کی گودوں میں پلا دشمن انھیں کا ہو گیا
تو نہیں پیدا ہوا اک سانپ پیدا ہو گیا

چنگیز: خیر۔ ؎

میں نے یہ مانا کہ میں تیری نظر سے خوار ہوں
مار ہوں، مکار ہوں، عیار ہوں، بدکار ہوں
دیکھ اپنے کو مگر کس رنج و غم میں ہے کھڑا
اور مجھ کو دیکھ جام عیش سے سرشار ہوں

ناصر: مغرور۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ عزت اور ذلت خدا کے ہاتھ ہے۔ ایک شاخ میں دو پھول ہوتے ہیں۔ ایک کو شادی کے وقت سہرے کے کام میں لاتے ہیں اور دوسرے کو موت کے وقت قبر پر چڑھاتے ہیں۔ ایک صدف میں دو گوہر خوش آب ہوتے ہیں۔ ایک کو شاہی تاج میں لگایا جاتا ہے اور دوسرے کو کھرل میں پیس کر خاک بنایا جاتا ہے۔ ؎

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

چنگیز: جب تم یہ جانتے ہو کہ عیش و خوشی کا نتیجہ دلگیری ہے۔ شاہی کا انجام فقیری ہے۔ ؎

تو ناحق غم اٹھاے بن کے تخت و تاج کے والی
مجھی کو کیوں نہ ایسی بادشاہت تم نے دے ڈالی

ناصر: تم کو؟

چنگیز: ہاں ہاں مجھ کو۔

ناصر: تم کو سلطنت دینا ایسا ہے گویا انصاف کو ظلم کے رحم پر چھوڑ دینا ہے۔

شیر سے بکریوں کی حفاظت کا کام لینا ہے۔ ؎

کر سکوں گا تب میں اس ظلم و جفا کا سامنا
جب نہ کرنا ہو قیامت میں خدا کا سامنا

چنگیز: اگر رعیت کی قسمت میں ہی خراب ہونا ہے تو پھر تمھیں کس بات کا رونا ہے؟ میں تو یہ جانتا ہوں۔

ناصر: کیا؟

چنگیز: ؎

سب کو ہوگا رنج ہم کو غم نہیں تو کچھ نہیں
اور روئیں اپنے گھر ماتم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی دنیا میں خوش ہر دم نہیں تو کچھ نہیں
دم کے ہیں سب دمدمے جب دم نہیں تو کچھ نہیں
ساری دنیا ہیچ ہے جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

ناصر: تو جس آرام کی تمھیں امید ہے۔ اس کا اس چند روزہ دنیا میں کامل طور سے مل جانا عقل سے بعید ہے۔

چنگیز: پھر؟

ناصر: البتہ اگر جہنم کے نفرت کرنے سے جنت میں بھیجے جاؤگے تو وہاں بے شک آرام پاؤگے۔

چنگیز: او واہی۔ میری موت اس لیے چاہی کہ تیری قید ٹوٹ جائے۔ تو عذاب سے چھوٹ جائے۔

ناصر: نہیں میں اکیلا ہی تیرے عذاب سے نہ چھوٹوں گا بلکہ تیرے اور تو دنیا کے عذاب سے چھوٹ جائے گا۔ او خون ریز چنگیز۔ ؎

کون سا مل جائے گا اس رہ زنی میں فائدہ
تو نے کیا سوچا ہے میری دشمنی میں فائدہ

چنگیز: فائدہ؟

ناصر: ہاں فائدہ۔

چنگیز: سلطنت حاصل کرنے کا فائدہ۔ جس طرح ایک نیام میں دو خنجر آب دار نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح ایک ملک میں ایک ہی وقت اور ایک ہی تخت پر دو شہریار نہیں رہ سکتے۔ ؎

بھوک جب ہوگی طبیعت صبر کر سکتی نہیں
ایک روٹی دو بشر کا پیٹ بھر سکتی نہیں

ناصر: تو یہ انسانی خصلت نہیں۔ حیوانی عادت ہے۔ ایک آدمی ایک روٹی دس آدمی کو بانٹ کر کھاتا ہے۔ مگر ایک کتا ایک ہڈی تنہا ہی چباتا ہے۔ ؎

جہاں میں رہ کے جن لوگوں میں ایسی کج ادائی ہے
وہ سب کتے ہیں لیکن شکل انسانوں کی پائی ہے

چنگیز: دیکھ دیکھ۔ اگر میرا غصہ نہ ٹل جائے گا تو سمجھ رکھنا کہ آفتاب نکلنے سے پیشتر تیرا دم نکل جائے گا۔

ناصر: جہاں تجھ سا کور باطن ہے وہاں آفتاب کا نکلنا ہی غیر ممکن ہے۔ ؎

پردۂ گور میں جب جسم یہ تیرا ہوگا
تب اسی روز زمانے میں سویرا ہوگا

چنگیز: کیوں؟ سبب؟

ناصر: سبب یہ ہے کہ تیرے گناہوں کی تاریکیوں نے تمام جہاں میں اندھیرا مچادیا ہے۔ آفتاب کو سیاہی میں چھپالیا ہے۔

چنگیز: ؎

بد زباں کم نہیں ہوتی ہے حماقت تیری
خیر معلوم ہوا ۔ آگئی شامت تیری

کوئی حاضر ہے؟

(شیر خاں اور شمشیر خاں کا آنا)

جاؤ لے جاؤ اسے قید کرو آج کی رات
خوں پیوں گا تیرا کل ناشتۂ صبح کے ساتھ

ناصر: خون؟

چنگیز: بس ـ۔ بات نہ کر۔۔ لے جاؤ۔

(ناصر الدولہ کو پابہ زنجیر لے جانا)

او دشمنِ جانی۔ کیا اب بھی بچا سکتا ہے کوئی تیری زندگانی۔

(نوشابہ کا آنا)

نوشابہ: ذات رحمانی۔ ذات رحمانی۔ او عدم کے سونے والو ہوش سنبھالو۔ قیامت آتی ہے۔ قبر کی زمیں تھراتی ہے۔

چنگیز: پیاری نوشابہ۔ یہ کیا حال ہے۔ کدھر کا خیال ہے۔

نوشابہ: زندگی کو زوال ہے۔ انجام کا خیال ہے۔

چنگیز: دل آرام ۔ کیا میری محبت کا انجام؟

نوشابہ: محبت! کیا ابھی تک دنیا میں محبت کا نام باقی ہے۔ کہ جس کے نام کی مشتاق ہے۔ ؎

گئے وہ دن کہ دل کی قدر تھی دل کے لگانے سے
عداوت اب تو ہو جاتی ہے اس کے نام آنے سے
یہ ثابت ہو گیا دنیائے دوں کو آزمانے سے
جسے کہتے ہیں الفت اٹھ گئی سارے زمانے سے
خوشی ہوتی ہے اب بھائی کو بھائی کے ستانے سے

چنگیز: تو کیا تم میرے کاموں میں عیب نکالنے آئی ہو؟

نوشابہ: جی نہیں۔ تمھارے دامن سے خون ناحق کا دھبہ دھونے آئی ہوں۔

چنگیز: نوشابہ۔ تم میرے سینے میں دل.............

نوشابہ: اف تمھارے پاس دل نہیں ہے۔ اگر اس سینے میں دل یا جگر ہوتا تو اس میں خدا کا خوف اور ڈر ہوتا۔ آخر اس قدر جو اپنی بات بناتے ہو۔ کیا چاہتے ہو؟

چنگیز: موت! ناصر کی موت!! جب تک اس کی رگوں میں خون کے ذرے دوڑتے رہیں گے۔ تب تک موت۔ جس وقت اس کے خون کے آخری قطرے میرے آتش انتقام پر نہ ٹپکیں گے اس وقت تک موت۔ موت بس موت۔

نوشابہ: افسوس مینھ اور سمندر بھی طوفان دکھا کر تھم جاتے ہیں۔ درخت اور پہاڑ بھی زلزلہ کے بعد جم جاتے ہیں۔ مگر تمھارے غصے کی آگ ابھی تک ویسی کی ویسی ہے۔ ؎

بھائی کے آگے بھائی کے دشمن، قضا ہوئی
بیٹے کے آگے باپ کی گردن جدا ہوئی
صدہا مرے ہزاروں کی ہستی فنا ہوئی
جو جو غرض نہ ہونی تھی وہ وہ جفا ہوئی
پھر بھی ہوس نہ آپ کی پوری ذرا ہوئی

چنگیز: ؎

میں نے کیا گناہ تو پھر تم کو کیا غرض
رنگیں ہے قتل گاہ تو پھر تم کو کیا غرض
کرتے ہیں لوگ آہ تو پھر تم کو کیا غرض
روتے ہیں مہر و ماہ تو پھر تم کو کیا غرض
دنیا ہوئی تباہ تو پھر تم کو کیا غرض

نوشابہ: غرض کچھ نہیں۔ صرف انسانی فرض۔ وہ انسان ہی نہیں جس کے دل میں رحم و ایمان نہیں۔

چنگیز: افسوس۔ میں تیرے پھول سے منھ میں کانٹوں کی زبان دیکھتا ہوں۔

نوشابہ: اور میں تمھارے موم سے سینے میں پتھر کا دل دیکھتی ہوں۔

چنگیز: تو دیکھنے میں روئی ہے مگر چبھنے میں سوئی ہے۔

نوشابہ: اور تم دیکھنے میں امرت ہو مگر پینے میں زہر ہو۔

چنگیز: تو پری کی شکل پا کے چڑیلوں سی باتیں کرتی ہے۔

نوشابہ: اور تم فرشتے کی صورت پا کے شیطانوں کی حرکت کرتے ہو۔

چنگیز: بس بس۔ اگر میری تلوار میان سے نکلے گی تو ناصر کے نخل حیات سے پہلے تیری بھی زندگی کی جڑیں کاٹ کر پھینک دے گی۔

نوشابہ: اوہ۔ تلوار زندگی کی جڑ کاٹ سکتی ہے۔ مگر ایمان کی جڑ کبھی نہیں کاٹ سکتی ہے۔ شادی کے دن دل دیا تھا تو آج جان دوں گی۔ مگر مظلوموں کو امان دوں گی۔

چنگیز: دیکھ نوشابہ شوہر کا کہنا ماننا عورتوں کا سنگار ہے۔

نوشابہ: اور دشمنوں پر رحم کرنا بہادری کا زیور ہے۔

چنگیز: تو کیا تو میری بیوی ہو کر میری شریک نہیں۔

نوشابہ: مظلوم سانپ کی شراکت ٹھیک ہے مگر ظالم شوہر کی شراکت ٹھیک نہیں۔

چنگیز: خیر شوہر کی نہیں تو دشمن ہی کی شراکت کرنا۔ ناصر کے ساتھ تو بھی اس کی قبر میں اترنا۔ ؎

شوہر سے بڑھ کے دشمن جانی کا دھیان ہو
چل دور ناسزائی یہاں سے دفعان ہو

(چنگیز کا غصے میں کانپتے ہوئے جانا)

نوشابہ: خود مطلب۔ خود غرض۔ میری بھلائی کا یہ عوض۔ تو نے ایک عورت کی محبت تو دیکھ لی۔ اب یہ دیکھ کہ ایک عورت نفرت کیسے کرتی ہے۔

(گانا)

یہ کہاں تھی میری قسمت کہ تو نیک کار ہوتا
نہ کسی کا دل دکھاتا نہ جفا شعار ہوتا
ترے ظلم نارواکی جو نہ ہوتی خلق شاکی
تو خدا کے سامنے بھی نہ تو شرم سار ہوتا

تو ستم سے درگزرتا ، میں وفا پہ جان دیتی
ترے دل میں رحم ہوتا، مرے دل میں پیار ہوتا
نہ کر اتنی زر پرستی یہ ہے بے ثبات ہستی
کہ دو روزہ زندگی کا نہیں اعتبار ہوتا

باب دوسرا۔۔۔۔۔۔۔سین تیسرا

کامک

حسینہ کا مکان

(جھنجھٹ کا داخلہ)

جھنجھٹ: بیگم صاحبہ۔ آپ کے نام ایک پارسل آیا ہے۔
حسینہ: پارسل؟ کہاں ہے؟
جھنجھٹ: وہ باہر دو قلیوں کے سر پر رکھا ہے۔ اگر کہیے تو زور لگاؤں۔ اٹھا کر لے آؤں۔
حسینہ: ایک پارسل اور دو قلی۔ پارسل کا ہے کو گدھے کا بوجھ ہے۔ اچھا لے آ۔

(قلی پارسل لے کر اندر آتے ہیں)

یا اللہ کوئی اپنا نہ پرایا۔ یہ پارسل کہاں سے آیا۔
جھنجھٹ: باپ رے۔ پیٹ میں کولھا اور کولھے میں بسولا اتر گیا .... (قلیوں سے) جاؤ۔
حماقت: (پارسل میں سے) اوئی۔
حسینہ: جھنجھٹ۔ اس پارسل میں سے تو آواز نکلتی ہے۔ کوئی بھوت تو نہیں۔
جھنجھٹ: جی بھوت نہیں۔ اس میں ایک پہاڑی اُلّو بند ہے۔
حسینہ: اُلّو!
جھنجھٹ: (پارسل کھولتے ہوئے) یہ دیکھیے۔ ابھی الو بھی پورا نہیں۔ بلکہ اُلّو کا پٹھا

ہے۔ (حماقت سے) ارے بھائی کیا تو سچ مچ مر گیا۔

حماقت: ارے اتنے جوتے کھانے پر بھی زندہ رہ سکتا ہوں۔

حسینہ: (منھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے) ذرا منھ پر ہاتھ رکھ کے دیکھوں۔ سانس واپس ہے کہ نہیں......اوئی۔

حماقت: (حسینہ کے ہاتھ کو بوسہ لیتے ہوئے) جی گیا۔ جی گیا۔

(حسینہ کا چلا جانا)

ارے جھنجھٹ۔ وہ تو چلی گئی۔

جھنجھٹ: اجی چلی گئی تو میں پھر بلا کے لایا۔ لیکن میاں سچ کہنا کیسے انگریزی قاعدے سے ملایا۔

حماقت: دوست قاعدہ تو بے شک ولایتی ہے۔مگر اس روز جوتے بہت کھانے پڑے۔

جھنجھٹ: اجی معشوق کی جوتیاں تو پھولوں کی چھڑیاں ہیں۔

(حسینہ اور سلیم کا چھپ کر باتیں کرتے ہوئے آنا)

حسینہ: دیکھو پیارے سلیم۔ تمھارے باپ تو آج نیا سوانگ لائے۔ یوں نہ آسکے تو پارسل بن کے آئے۔

سلیم: اچھا پیاری حسینہ تم جاؤ۔ ظاہرا محبت کا رنگ جماؤ۔ میں بھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ تم کو ایک نیا سوانگ دکھاتا ہوں۔

(حسینہ کا حماقت کے قریب آنا)

حسینہ: اہا۔ تم آگئے حسینِ زمانہ۔

حماقت: کیوں اب تو مجھے اپنا پکا عاشق جانا۔ سچ فرمانا کیسے نئے ٹھاٹ سے

ہوا آنا۔

حسینہ: واقعی بہروپ تو ایسا بھرا کہ میں نے بھی نہ پہچانا۔

حماقت: اجی تم کیا۔ اگر تمھارا باپ بھی دیکھتا تو نہ پہچان سکتا۔ (جھنجھٹ سے) کیوں کیسی کہی۔

جھنجھٹ: بہت اچھی کہی۔

حماقت: پیاری وہ شادی کی شرطیں تو پوری ہو گئیں۔ اب نکاح کی تاریخ کون سی مقرر کیجیے گا۔

(دونوں کا گانا)

جوان دولھا پہ ہوں میں نثار۔ موے کھوسٹ پہ ہوں میں نثار

حماقت: تیری میری جوڑی بنی مزے دار۔

حسینہ: اندھی کانی جوڑی بنی مزے دار۔

حماقت: دولھا بنوں گا ۔ گھوڑے چڑھوں گا۔ اب نہ کرو تکرار۔

حسینہ: مجھے بالی لادو، بُندے بھی لادو۔ جوتا گٹھا دو موچی کے ہاتھ۔

حماقت: ابھی لاؤں۔ ابھی لاوں۔ ابھی لاؤں جانی۔ شادی کا کرو اقرار۔
تیری میری جوڑی..........

(سلیم کا دیو کی شکل میں آنا)

سلیم: بس خبردار۔ او نابکار۔

حماقت: باپ رے یہ کون بلا۔ ارے کوئی چھڑاو میرا گلا۔

سلیم: چپ ۔ بول یہاں کیا کرنے آیا تھا۔

حماقت: جوتیاں کھانے آیا تھا اور کیا کرنے آیا تھا۔ لیکن تم کون ہو؟ اپنا نام تو بتاؤ۔

سلیم: کالی کلکتہ والی کا پیر۔ میرا نام ہے کلوا بیر۔ بول تو یہاں کیوں آیا تھا ۔

نہیں تو ابھی دم نکالتا ہوں۔

حماقت: ارے بھائی۔ دم کیوں نکالتا ہے۔ دیکھ میں اپنی بیوی کا اکلوتا میاں ہوں۔

سلیم: بیوی! کیسی بیوی!! تو تو حسینہ سے شادی کرنے آیا تھا۔

حماقت: شادی! اے توبہ توبہ۔ تم جھوٹ ہی بولتے ہوگے جو آدمی سے بھوت بن گئے۔ شادی کیسی میں تو حسینہ سے ملنے آیا تھا۔

سلیم: اچھا تو لے۔

حماقت: کیا لوں؟

سلیم: یہ کاغذ۔

حماقت: کیا کروں؟

سلیم : لکھ۔

حماقت : کیا لکھوں؟

سلیم: حسینہ میری ماں ہے۔

حماقت: حسینہ تیری ماں ہے۔

سلیم: تیری نہیں۔ میری۔ میری،۔

حماقت: میری نہیں۔ تیری۔ تیری۔

سلیم: سیدھی طرح لکھ حسینہ میری ماں ہے۔

حماقت: ارے یار میری تیری سب ایک ہے۔

سلیم: لکھ ورنہ کھا جاؤں گا۔

حماقت: لکھتا ہوں (لکھتا ہے) حسینہ میری ماں ہے۔

سلیم: یہ کیا کیا؟

حماقت: یہ نون کا نقطہ دیا۔

سلیم: اور لکھ۔ حسینہ میری بیٹی ہے۔

حماقت: حسینہ میری پٹی ہے۔

سلیم: پٹی نہیں۔ بیٹی بیٹی۔

حماقت: کیوں بھائی۔ اپنی بیٹی کی جگہ اپنے سسرے کی بیٹی لکھوں۔ تو نہ چلے۔

سلیم: بس جو کہوں وہ لکھ۔

حماقت: حسینہ میری بیٹی ہے.......... لے بھائی اب تو جانے دے۔

سلیم: کیوں اب تو یہاں کبھی نہ آئے گا؟

حماقت: نہیں باوا نہیں۔ میں یہاں سے جاوں گا تو تیرے نام بکرا بھینٹ چڑھاؤں گا۔

سلیم: اچھا تو پانچ مرتبہ کان پکڑ کر اٹھ بیٹھ کر۔

حماقت: یہ لیجیے۔ ایک مرتبہ پانچ جوتیاں کھائیں اور اب پانچ مرتبہ اٹھ بیٹھ کرنے کی نوبت آئی۔

سلیم: چل۔

حماقت: ارے بھائی ۔ اس سے حصول۔

سلیم: کچھ نہیں۔ ہمارا معمول ۔

حماقت: یہ کم بخت زندگی میں بھی کوئی بڑا پاجی آدمی ہوگا۔ خیر باوا قبول۔

سلیم: اچھا شروع کر۔

حماقت: کم بخت قواعد کراتا ہے۔ لے گن۔ ایک۔ دو۔ تین۔

سلیم: ہیں۔ بیٹھ کیوں گیا۔

حماقت: ارے بھائی۔ ذرا اسٹیشن آگیا۔

سلیم: تو چلو پانی لے کر ۔ پھر ایک سے شروع کرو۔

حماقت: ارے واہ یہ تو حسینہ کا بھائی نکلا۔

سلیم: چلو شروع کرو۔

حماقت: ایک دو۔ تین۔ چار پانچ۔ لے بھائی اب تو جانے دے۔

سلیم: جاؤ۔

حماقت: ہت تیرا باپ مرے۔ (جاتا)

جھنجھٹ: واہ رے آپ اور واہ رے آپ کی دانائی۔ آج تو بڑے میاں کی روز سے بھی زیادہ گت بنائی۔

سلیم: واقعی سزا تو وہ دی ہے کہ اب وہ مرتے مرجائیں گے مگر ادھر کا رخ بھی

نہ کریں گے۔

جھنجھٹ: (سائڈ میں) اب ذرا میاں سلیم کو بھی ہتھیلی پر چاند دکھاوں (مخاطب ہوکر) اجی جناب وہ آئیں گے اور بچ کھیت آئیں گے۔

سلیم: مگر مجھے کیسے اعتبار ہو۔

جھنجھٹ: تو آزمائش ایک بار ہو۔ آپ ایک خط حسینہ سے ان کے نام کا لے کر ان کے پاس جائیے۔ پھر دیکھیے وہ آتے ہیں یا انکار فرماتے ہیں۔

حسینہ: بات تو ٹھیک ہے۔ پیارے ایک مرتبہ آزماؤ نا۔

سلیم: ارے تو سب یہ کیا کہتے ہو۔ بیٹے سے باپ کی دلالی کراتے ہو۔

حسینہ: پیارے دلالی کا ہے کی۔ ضرور تمھیں آزمانا چاہیے۔ ان حرکتوں پر بھی وہ باز نہیں آئے۔ تو کوئی اور سزا پہنچانا چاہیے۔

سلیم: اچھا تم دونوں کے کہنے سے جاؤں گا اور ان کی بے وقوفی آزماؤں گا۔

حسینہ: ہاں پیارے ابھی جانا۔

سلیم: نہیں ابھی تو ایک ضروری کام کو جانا ہے۔ بے قصور ناصر الدولہ کا پتہ لگانا ہے۔

جھنجھٹ: اجی میاں جب آپ اور سب لوگ بے قصور ٹھہراتے ہیں۔ پھر ان کی رہائی کی کوئی تدبیر کیوں نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ سے نہ ہو سکے یہ بات تو بندے کو لیجیے ساتھ۔ پھر دیکھیے کیسی کرتا ہوں گھات۔

سلیم: ارے بے وقوف یہ تیرے جیسے آدمی کا کام نہیں۔

جھنجھٹ: اجی آپ چلیے تو سہی۔

سلیم: اچھا آؤ۔

(سب کا جانا)

باب دوسرا ——— سین چوتھا

لاشوں والا میدان

(مہ جبیں کا پریشانی میں آنا اور گانا)

چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں
شکل راحت نہیں زمانے میں
جان جاتی ہے دل لگانے میں
کیا ترا کام بن گیا اے یاس
میری امید کے مٹانے میں
معلوم جو ہوتا ہمیں انجام محبت
لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نام محبت
رخصت۔ اے دنیا کے حسرت و ارماں ہمیشہ کے لیے رخصت۔
جب تلک انجام بزم عیش کا جانا نہ تھا
شمع تھی امید دنیا اور دل پروانہ تھا
نشہ غفلت مگر اترا تو ظاہر ہو گیا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

قمر: امی جان۔ اب چلیے نہ مکان۔

مہ جبیں: مکان۔ بیٹا تو کس دھیان میں ہے۔اب اپنا مکان تو اسی میدان میں ہے۔

قمر: امی جان۔ اس جنگل میں کدھر ہے۔ اپنا تو بستی میں گھر ہے۔

مہ جبیں: بھولے لڑکے ابھی تو نادان ہے۔ بستی میں نہیں اصل مکان تو اسی میدان میں ہے۔

دو دن کی ہے راحت منزل دو دن کا خس خانہ ہے
دو دن کے ہیں گھر در سارے دو دن کا کاشانہ ہے
سدا جہاں پر رہنا ہے وہ جنگل یا ویرانہ ہے
رہے مسافر کمر کو باندھے آج آیا کل جانا ہے
دنیا جس کو کہتے ہیں وہ ایک مسافر خانہ ہے

(قمر کا سو جانا اور رستم کا آنا)

رستم: صبر صبر۔ اے وفاداری کے روشن ستارے صبر۔ تمام عمر کے لیے نہیں تو صرف چند لمحوں کے لیے صبر۔

مہ جبیں: مگر کیوں؟ ضرورت؟

رستم: وصیت۔ مرحوم شاہ کی ایک آخری وصیت۔ او خدا یہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ او زبان تو کیوں نہیں جل جاتی۔ او جان تو کیوں نہیں نکل جاتی۔

مہ جبیں: وصیت۔ کیا میرے پیارے کی وصیت۔ بولو بولو۔ اب دل بے آرام ہے۔ کیا وصیت ہے۔ کیا کام ہے؟

رستم: دو کام۔ ایک تو اس معصوم بچے کو دعا اور دوسرے یہ ....

(رستم کا خط دینا اور مہ جبیں کا پڑھنا)

مہ جبیں: سیّال ہوا کا کرّہ برف کی طرح جم جائے۔ نظام شمسی میں سیاروں کی روزانہ حرکت تھم جائے۔ زمین پچھم سے پورب کو چلنے لگے۔ماہتاب دن کو اور آفتاب رات کو نکلنے لگے۔ یہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ مگر جو مر گیا اس کا زندہ ہونا دشوار ہے۔ اس لیے صبر درکار ہے۔ یہ سمجھ کر تم بھی رنج دور کرو اور رستم جنگ کو اپنے بچے کا باپ اور اپنا شوہر منظور کرو...... شوہر۔ شوہر۔ یہ میں کیا پڑھ گئی۔

رستم: وصیت۔ مرحوم کی آخری وصیت۔

مہ جبیں: وصیت۔ او بے حمیت۔ کیا تو اس وصیت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟

رستم: رستم اپنے آقا کو دیا ہوا قول نباہتا ہے۔

مہ جبیں: رستم۔ کیا یہی رستم۔ بول بول کیا یہی رستم۔

رستم: یہی۔ افسوس یہی۔

مہ جبیں: یہی۔ آہ یہی۔ او پہاڑ کیا تجھ میں اتنے پتھر نہیں جو اسے سنگ سار بنادے۔ او جہنم کیا تجھ میں اتنی آگ نہیں جو اس کی زبان کو جلادے۔

رستم: ہاں۔ جلادو۔ جلادو۔ اگر میرے دل نے میری زبان کو یہ بات سکھائی ہو تو اسے ضرور جہنم کی آگ میں جلا دو۔ خوفناک سے خوفناک سزا دو۔

مہ جبیں: او بے کس شہید۔ اب تیری موت کا سبب میری سمجھ میں آیا۔ بے شک تونے، ہاں تو ہی نے اسے فریب کے جال میں پھنسایا۔ جس چنگیز کے نام سے تمام دنیا کانپتی تھی اس خونخوار سے میرے شوہر کو ابھار کر لڑایا۔ وہ دلیر تھا۔ وہ شیر تھا۔ وہ لڑا۔ وہ گرا ۔ مگر آہ تو نے اس کی جان نہ بچائی اور اس جعلی وصیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے میرا گھر، میری زندگی، میری خوشی سب خاک میں ملائی۔

رستم: آہ کیسی افسوس ناک نادانی۔ کتنی لعنت بھری ہوئی بدگمانی۔ ؎

آبرو زیر فلک خون بہانے میں نہیں
باوفائی کی مگر قدر زمانے میں نہیں

مہ جبیں: باوفائی؟ جھوٹا، جعل ساز۔ اگر تجھ سے دغابازوں کو وفادار کہیں گے تو پھر ان جاں نثار کو کیا کہیں گے۔ دیکھ دیکھ۔ ادھر دیکھ۔ ؎

جان جنت میں گئی پر دھیان پیکاروں میں ہیں
ہاتھ قبضوں پر پڑے ہیں قبضے تلواروں میں ہیں
مر گئے پر ہمتیں ویسی ہی بے چاروں میں ہیں
بول تو ہی کون اپنے آج غم خواروں میں ہے
تو وفاداروں میں ہے یا یہ وفاداروں میں ہیں

رستم: افسوس کتنی بڑی ناانصافی ۔ نہ دے، نہ دے۔ نامنصف عورت۔ اتنا بڑا

الزام نہ دے۔ اگر تیرے خیال میں رستم ہی قصوروار ہے تو لے یہ تلوار۔ ۔

بھونک دے لے کے دل میں سینے سے

باز آیا میں ایسے جینے سے

مہ جبیں: نہیں جی۔ جی۔ اپنی زندگی کا انجام دیکھنے کے لیے جی۔ تو نے آخری وصیت سنائی۔ اب میری بھی آخری بات سن لے.......... میں تجھے شوہر کے نام سے پکاروں۔ میرا بے کس لاوارث یتیم بچہ تجھے باپ کے نام سے پکارے۔ اس سے پہلے میری چھاتیوں سے قاتل زہر پی کر ہمیشہ کے لیے سو جائے گا اور پھر میرا بھی انجام بخیر ہوجائے گا۔

رستم: افسوس۔

(رستم کے ایک سپاہی کا اندر آنا)

سپاہی: حضور ۔ حضور۔

رستم: کیوں اب کیا مصیبت آئی۔

سپاہی: حضور۔ حضور۔ وہ بالکل غلط خبر تھی۔ جو ایک لمحہ پیشتر آپ نے پائی۔

رستم: ہیں تو کیا شاہ مارا نہیں گیا۔

سپاہی: جی نہیں۔ ہم غریبوں کا سہارا نہیں گیا۔ ابھی تک فضل پروردگار ہے۔ شہنشاہ، چنگیز کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔

رستم: او خدا۔ او خدا۔ تیرا کام عجیب ہے۔ تیرا انتظام غریب ہے۔ تو ہی بے گناہوں کی پیشانی سے رسوائی کا داغ مٹاتا ہے۔ اب چاہے آن جائے، شان جائے، جان جائے، شاہ ناصر کو چھڑاؤں گا اور اپنی پیشانی سے بدنامی اور یہ کلنک کا ٹیکہ مٹاؤں گا۔

(رستم کا جانا اور دو سپاہیوں کا آنا)

شمشیرخاں: چلتے چلتے پاؤں میں جان نہیں اور منزل کا اب تک کہیں نشان نہیں۔

شیرخاں: ہاں بھائی ہاں۔ جتنے پہاڑی راستے ہیں۔ ان میں یہی تو دشواری ہوتی ہے کہ راہ بھاری ہوتی ہے۔ .... ہیں۔ یہ کون؟

شمشیرخاں: اماں۔ تم نے اسے پہچانا ؟

شیرخاں: میں نے تو مطلق نہیں جانا۔

شمشیرخاں: خدا نے شہنشاہ چنگیز کے لیے تحفہ بھیجا ہے۔ ان کے دشمن جانی کا کلیجہ ہے۔

شیرخاں: کیا ناصر کا جگر بند؟

شمشیرخاں: ہاں۔ اسی کا جگر بند۔ چلو دو نا انعام لینا ہو تو اسے لے چلو۔ جلالت مآب کو نذر گزرانیں گے۔ باپ کے ساتھ بیٹے کی بھی گردن ماریں گے۔

(دونوں قمر کو پکڑتے ہیں)

قمر: امی جان۔

دونوں: چپ شیطان۔

(قمر کو اٹھا کر لے جانا)

مہ جبیں: جھوٹا، دغاباز، فریبی، جعل ساز۔ اپنی ہوس بازیوں کا نشانہ کیا مجھی کو چاہتا ہے بنانا.......... قمر۔ قمر۔ قمر...... آہ کیا میں تجھ سے بھی بچھڑ گئی۔ مانگ کے ساتھ کوکھ بھی اجڑ گئی۔ ایک گھر اور دو چراغ۔ ایک دل اور دو داغ، دو داغ۔ ہاں دو داغ۔ آہ دو داغ۔

(مہ جبیں کا بے ہوش ہو جانا)

باب دوسرا ——— سین پانچواں

راستہ

(رستم کا لباس تبدیل کرنے آنا)

رستم: اے خدائے دو جہاں۔ اے مالک کون و مکاں ۔ پیدا کنندۂ زمین و آسماں۔ اگر رستم کو کچھ امید ہے تو فقط تیری ہی ذات سے ہے...... ہیں یہ کون۔ کوئی نیک انسان یا چنگیزی فوج کے شیطان۔

(سلیم اور جھنجھٹ کا باتیں کرتے آنا)

سلیم: بس بس اتنی سی جان۔ اور اتنا بڑا گمان۔ نادان یہ کام ہمارے جیسے معمولی آدمی کا نہیں ہے۔

جھنجھٹ: جناب آپ میری عمر پہ نہ جایئے۔ میں جتنا چھوٹا ہوں اتنا ہی کھوٹا ہوں۔ دیکھنے میں کم تر ہوں مگر عقل مندی میں آپ سے بہتر ہوں۔ آیئے۔ ۔

آپ ہم اس کی رہائی کا کریں گے مل کے دھیان
کیا عجب ہے ناصر الدولہ کی گر بچ جائے جان

رستم: ناصر الدولہ۔ ارے یہ تو میرے آقا کا ذکر ہے۔

سلیم: ہمدردی کا خیال ضرور ہے۔ مگر یہ کام معمولی شخص کی ہمت سے دور ہے۔

جھنجھٹ: اگر ہماری آپ کی ہمت سے بعید ہے تو پھر اور کس سے امید ہے؟

سلیم: اگر کوئی بہادر شخص مدد پر آمادہ ہو تو البتہ کچھ ارادہ ہو۔

جھنجھٹ: تو ایسے شخص کا ملنا دشوار ہے۔

رستم: تیار ہے۔ تیار ہے۔ اے نیکی کے فرشتو۔ جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی شخص تمھاری مدد کو تیار ہے۔

سلیم: کون؟

رستم: دوستو اگر چہ میں ایک شخص پرایا ہوں۔ لیکن جس کی رہائی کی تمھیں فکر ہے۔ اسی کو قید مصیبت سے چھڑانے کے لیے میں بھی آیا ہوں۔

سلیم: تو کیا تم اس کام میں ہمارا ساتھ دوگے؟

رستم: ؎

اس قدر ظلم سے چنگیز کے بیزار ہوں میں
ساتھ کیا جان تلک دینے کو تیار ہوں میں

جھنجھٹ: حضور بس اب بدگمانی کو ہٹایئے اور اس شخص پر بھروسا فرمایئے۔

سلیم: اگر چہ ایک ناواقف شخص کو شریک کرتے طبیعت جھجکتی ہے۔ تا ہم میں راضی ہوں ۔ کیونکہ تمھاری شکل اور تمھارے قول سے سچائی ٹپکتی ہے۔ آؤ ہم تینوں ایک جگہ بیٹھ کر پہلے رہائی کا نقشہ جمالیں۔ پھر اس دشوار کام میں ہاتھ ڈالیں۔

رستم: بندہ تیار ہے۔

سلیم: تو آؤ خدا مددگار ہے۔

جھنجھٹ: چلیے پہلے آپ۔

رستم: نہیں پہلے آپ۔

جھنجھٹ: نہیں پہلے آپ۔

(سب کا جانا)

باب دوسرا ـــــــ سین چھٹا

قید خانہ

شیرخاں: کیوں بھائی شمشیر خاں۔
شمشیرخاں: ہاں بھائی شیر خاں۔
شیرخاں : رات کتنی آئی۔
شمشیرخاں: ابھی تو بارہ بجے ہوں گے بھائی۔

(مرزا حماقت بیگ کا آنا)

حماقت: خبردار باش۔ ہوشیار باش۔ جاگتے رہو۔ سونے سے بھاگتے رہو۔
شیرخاں: کون مرزا صاحب۔ آؤ دوست آؤ۔
حماقت: کون خان صاحب۔ آج تمھارا پہرہ جیل پر ہے۔
شیرخاں: ہاں دوست ہاں۔ کیوں کہاں سے آئے ہو۔ کیسے ہو؟
حماقت: کیا بتاوں تمھیں کہ کیسا ہوں۔ جیسا تم دیکھتے ہو ویسا ہوں۔ دن بھر تو دربار میں حاضری دی۔ اب شام سے فوج کا گشت کررہا ہوں۔ چلا چلا کے مررہا ہوں۔
شمشیرخاں: ہمارا بھی تو یہی حال ہے۔ تمام لوگ سو رہے ہیں اور ہم جاگ جاگ کر اس کم بخت ناصر الدولہ کی قسمت کو رو رہے ہیں۔
حماقت: جاگتا کہاں ہے۔ ابے تو تو سو رہا ہے۔ اٹھ کے بیٹھ واہی۔ نوکری کرتا ہے یا بادشاہی۔
شمشیرخاں: ارے یار رہنے دے۔

حماقت: رہنے کیا دوں۔ اٹھ ۔ قید خانہ بھی گویا ان کے باپ کا گھر ہے۔ پہرا دینے آئے اور سو رہے ہیں۔ پاؤں پھیلائے۔

شیرخاں: ارے یار کیوں ناحق ستاتا ہے؟ اس وقت کون ہمیں دیکھنے آتا ہے؟

حماقت: تو کیا حضور یہاں سونے آئے ہیں؟

شمشیرخاں: نہیں تو کیا تمھارے باپ کے نام کو رونے آئے ہیں۔

حماقت: ابے سونا ہے تو بڑا قبرستان پوچھتا ہوا چلا جا۔ ابے سن یہاں جاگے گا تو قبر میں نیند خوب مزے سے آئے گی۔ ورنہ جاگتے جاگتے مصیبت پڑجائے گی......کیوں کیسی کہی...... ابے کیسی کہی...... نہیں تو وعلیکم......

شیرخاں: ارے ٹھہر یار ٹھہر...... دو گھڑی یاروں میں دل بہلاتا۔ پھر چلے جانا۔

حماقت: تو کچھ کھانے پینے کا کرو ٹھکانہ۔

شمشیرخاں: کھانے کو تو کچھ نہیں۔

حماقت: کچھ نہیں تو وعلیکم السلام۔

شیرخاں: اگر کھانے کو نہیں تو پینے کو تو ہے۔

حماقت: پینے کو ہے۔ کیا ہے؟

شمشیرخاں: وِسکی۔

حماقت: کس کی؟ ارے اس کی وسکی جس کی ہو لاؤ۔

(شراب لانا اور پینا)

شمشیرخاں: ہاں مرزا صاحب تم جو گایا کرتے تھے ۔ پیٹ میں۔ لمیڈ میں۔

حماقت: ہاں ہاں۔ تو سنوگے۔

شیرخاں: ہاں سناؤ۔

حماقت: سنو۔

(گانا)

میری جانی شراب، ارغوانی شراب، آجا
تجھے ڈالوں میں پیٹ میں
جی میرا آیا تیری پیٹ میں
کوفتے پسندے منگا کر پلیٹ میں
تجھ کو پیوں گا سلیٹ میں
یارو خطا معاف کرو میں نشے میں ہوں
شیشے میں مے ہے صاف کرو میں نشے میں ہوں
یوں کہتے ہیں مرزا حماقت بیگ۔ سنو بھائی
تم بیچ کے گھر پی جاو۔ پاس نہ ہوگر پائی
چوکو نہ یارو انسلیٹ میں
میری جانی شراب، ارغوانی شراب..........

(جھنجھٹ کا آنا)

جھنجھٹ: (سائڈ میں) یہ کون؟ حماقت بیگ۔ میں تو سمجھا تھا کہ کسی اور پر جال چلانا ہوگا۔ کیا خبر تھی کہ یہاں بھی اسی الو کو پھنسانا ہوگا۔ خیر ہوئی کہ سلیم باہر ہی رہ گیا ورنہ اگر وہ سا الو کو دیکھ پاتا تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔

(جھنجھٹ کا گانا)

بھول گیا سانور یا جان کے.................

حماقت: ارے یار یہ کون گاتا ہے؟
شمشیر: یہ تو کوئی رنڈی ہے۔
حماقت: مگر بڑی مسنڈی ہے۔

شیر: اور ادھر ہی آتی ہے۔

حماقت: اٹھاو۔ اٹھاو۔

جھنجھٹ: (گانا)

مزا دیتے ہیں کیا یار۔ تیرے بال گھونگھر یالے
نکلی میرے دل سے آہ۔ جاتا تھا وہ رشک ماہ
دیکھا دشمن کے ہمراہ۔ دونوں ہاتھ گلے میں ڈالے
پہلے تھی مجھ سے تکرار۔ پھر اب کیوں کرتا ہے پیار
اب تو تیری طرف سے یار۔ میرے دل میں پڑ گئے چھالے
تیری بھویں ہیں یا شمشیر، تیری چتون ہے یا تیر
تیری آنکھیں بت بے پیر۔ جیسے زہر بھرے دو پیالے
کوئی دم کا ہوں مہمان۔ ایک نظر ادھر بھی جان
تیری آنکھوں کے قربان۔ او منہ پھیر کے جانے والے

حماقت: اے حسین زمانہ۔ بندگی قبول فرمانا۔ کہیے کتنے دنوں سے ہوا اس شہر میں آنا۔

جھنجھٹ: جی آئے ہوئے تو مجھے چودہ برس ہو گئے۔

حماقت: خوب۔ خوب۔ بھلا بیگم صاحبہ آپ کا نام؟

جھنجھٹ: بندی کا نام ہے دلآرام۔

حماقت: اور آپ کا مکان؟

جھنجھٹ: آنکھ کی کوٹھری اور دل کا دالان۔

حماقت: واہ وا۔ واہ وا۔ ہاں اور پیشہ۔ پیشہ؟

جھنجھٹ: سونے کی چڑیا پھنساتی ہوں ہمیشہ۔

حماقت: آہا ہا ہا ۔

جھنجھٹ: کیا یہ مسافر خانہ ہے؟

حماقت: جی ہاں اسے مسافر خانہ کہتے ہیں۔ اس میں چودہ چودہ برس کے دو مسافر رہتے ہیں۔

شمشیر: کیا آپ بھی یہاں ٹھہریں گی؟

جھنجھٹ: جی۔

حماقت: ارے واہ رے تیرا جی۔ تجھے کھلاؤں شکر اور گھی۔

شیر: اور گھی نہ ملے تو مٹی کا تیل۔

حماقت: چپ بے تجھے بھی سوجھنے لگی کُلیل...... ہاں بی صاحب بھلا آپ کے پاس وہ چیز بھی ہے؟

جھنجھٹ: وہ۔ وہ کیا؟

حماقت: بے واو پیش بوسین ہے زبر سہ۔

جھنجھٹ: کیا؟ بھونسہ۔ یہاں تو ملتا ہے لات اور گھونسہ۔

حماقت: اجی بھونسہ نہیں۔ یہ یہ یہ بوسہ۔

جھنجھٹ: اے ہے..........

حماقت: ارے واہ رے تیرا کاوا داوا۔ عورت ہے یا چھلاوا۔ دیکھو تمھارے گال میرے ہونٹوں کو اشارے سے بلاتے ہیں۔ ملنے دو۔ ملنے دو۔ انھیں ملنے دو۔

(گالوں پر بوسہ لینے کی کوشش کرنا)

جھنجھٹ: اوئی۔ ذرا نچلے رہو۔ کوئی دیکھ لے گا۔

حماقت: اجی دیکھ کون لے گا۔ تم آنکھ بند کرلو اور یہ سمجھ لو کہ یہ دونوں اندھے ہیں۔

شمیر: ابے اے تو کیا میں اندھا ہوں۔

حماقت: نہیں ہے تو کیا تیری آنکھیں پھوڑ ڈالوں...... ہاں بی صاحب۔ ایک چیز اور تو سنانا۔

جھنجھٹ: قربان جاؤں۔ ایک کیا دس چیز سناؤں۔ مگر ذرا سرور چڑھتا رہے تو لونڈی کا بھی جی بڑھتا رہے۔ ے

محفل میں ذکر ساقی میخانہ بھی چلے

گانے کا جب مزہ ہے کہ پیانہ بھی چلے

حماقت: مگر ہے کہاں؟

جھنجھٹ: نہیں ہے تو میں لاتی ہوں۔

سب: لاتی ہے...... لاتی ہے......

حماقت: بٹھاؤ۔ بٹھاؤ۔

جھنجھٹ: (گاتا) اے جی مجھے بنوا دو جان موہے سلمہ ستارے کی انگیا
درزی نے انگیا بگاڑی۔ میں تو پہنوں گی بنارس کی ساڑی
اس پہ گوٹے کناری کی انگیا
اجی بنوا دو............
اپنے سیاں کی میں ہوں بھولی
میں تو پہنوں گی ریشم کی چولی
جس میں اعلیٰ مسالہ ہو۔ اس پہ کھلتی ہزارے کی انگیا
اجی بنوادو......

حماقت: وہ گانا بہت اچھا تھا۔

جھنجھٹ: کون سا۔

حماقت: تیری طرف سے یار۔ مر گئے میرے سسرے سالے۔ اور وہ دوسرا گانا اور بھی اچھا تھا۔

جھنجھٹ: واری جاؤں کون سا۔

حماقت: مجھے پکوا دو جان۔ پلاؤ بریانی کی ہنڈیا......

جھنجھٹ: اجی کیا نشہ ہوگیا؟

حماقت: کون کہتا ہے کہ نشہ ہوگیا۔

جھنجھٹ: ہا۔ ہا۔ ہا۔

حماقت : ہنستی ہے۔ ہنستی ہے۔

جھنجھٹ: نہیں میں کہاں ہنستی ہوں.....توبہ توبہ گرے نہ جاؤ۔ ذرا مجھے اس مسافر خانے کی سیر کراؤ۔

حماقت: پیاری کو سیر کراؤ۔
شیر: شہر میں سیر کراؤں گا۔
شمشیر: نہیں پہلے میں سیر کراؤں گا۔
جھنجھٹ: اجی لڑتے کیوں ہو۔ میں بھاگی تھوڑے جاتی ہوں۔ سب مل کے سیر کرانا۔

(سب جھنجھٹ کو سیر کراتے ہیں)

جھنجھٹ: سرکار یہ کیا ہے۔ ذرا اس کا حال تو بتانا۔
حماقت: یہ بھی ہے ایک قسم کا قید خانہ۔ اس میں قید ہونے کی تدبیر بتاؤں۔
جھنجھٹ: قربان جاؤں۔ بتانا۔
حماقت: اس لکڑی کو اٹھاؤ۔
جھنجھٹ: یہ لیجیے اٹھایا۔
شیر: ایک پاؤں اس میں رکھیے۔
شمشیر: دوسرا پاؤں اس میں رکھیے۔
حماقت: اور تیسرا پاؤں اس میں رکھیے۔ اوپر سے اس لکڑی کو رکھو۔
جھنجھٹ: رکھا۔
حماقت: بس قیدی جکڑ گیا۔
جھنجھٹ: واہ تو اس سے کیا ہوا۔ جب قیدی کے جی میں آئے گا۔ اوپر کا تختہ اٹھائے گا اور نکل جائے گا۔
حماقت: اوہ بڑا نکلنے والا کوتوال کا سالا۔ ابھی اس کے لیے ایک اور بھی تو ہے مسالہ۔
جھنجھٹ: وہ کیا جناب والا؟
حماقت: یہ کنجی اور تالا۔ اس کی ترکیب سمجھاؤں۔
جھنجھٹ: بڑی مہربانی۔

حماقت: تالے کو کنڈے میں ڈالو۔

جھنجھٹ: یہ لیجیے ڈالا۔

حماقت: کنجی پھرا کے نکالو۔

جھنجھٹ: لیجیے نکالا۔

حماقت: کیا ہوا؟

جھنجھٹ: کیا ہوا؟

حماقت: تالا پڑ گیا اور قیدی جکڑ گیا۔ اب چاہے پہرہ دار سو جائے مگر مجال نہیں کہ قیدی فرار ہوجائے۔

جھنجھٹ: واہ رے مجسم دانائی۔ اچھی تدبیر بتائی۔ لیجیے اب آپ پہرہ دیجیے اور بندی ہوئی باد ہوائی۔

حماقت: ایک بوسہ تو دلاو پیاری۔

جھنجھٹ: چپ رہ سودائی۔

(سیٹی بجانا، رستم اور سلیم کا آنا اور ناصر کو باہر نکالنا)

جھنجھٹ: (حماقت کی طرف اشارہ کرکے) دیکھیے یہ کون ہیں؟

سلیم: واہ رے قسمت کی برائی۔ یہ آفت بھی ان ہی پر آئی۔

حماقت: پیاری...... پیاری...... پیاری۔

ناصرالدولہ: بھائی میری رہائی کی تدبیر کس طرح ہاتھ آئی۔

رستم: عالی جاہ۔ اس وقت بات کرنے کا موقع نہیں ہے۔ آپ یہاں سے نکل جائیے پھر عرض کروں گا۔

(ناصر الدولہ اور رستم کا جانا)

سلیم: کون؟ ابا جان۔ ہائے قسمت۔

(کاٹھ سے چھڑا کر حماقت بیگ کو لے جانا)

حماقت: پیاری کہاں لیے جاتی ہو دلآرام۔
جھنجھٹ: دیکھا ے خواری کا انجام۔

باب دوسرا—سین ساتواں

کامک

حماقت بیگ کا مکان

حماقت: کم بخت میں نے بھی عجب باد ہوائی تقدیر پائی ہے کہ جب ہاتھ میں دانے آئے تو وہی تین کانے آئے۔ کل ہی کا واقعہ ملاحظہ کیجیے کہ دونوں سرداروں نے اپنے ساتھ مجھے بھی بلا میں پھنسایا۔ وہ تو کہیے کہ ان دونوں سے پہلے میں غفلت کی نیند سے جاگا جو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اب دیکھیے ان دونوں احمقوں کے کیا حال ہوتے ہیں۔ زندہ بچتے ہیں یا حلال ہوتے ہیں۔

(نوکر کا داخل ہونا)

نوکر: حضور ایک اجنبی شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

حماقت: ہیں۔ اس کی صورت کیسی ہے؟

نوکر: آپ کے جیسی۔

حماقت: اور ڈاڑھی کیسی ہے، ڈاڑھی۔

نوکر: آپ ہی کی جیسی۔

حماقت: میری جیسی...... اچھا بھیج دے ......خیر کیجیو خدایا۔ کہیں یہاں بھی تو وہ کلوا بیر نہیں آیا۔

(سلیم کا آنا)

سلیم: مرزا صاحب تسلیم۔
حماقت: تسلیم۔ تسلیم۔ آپ کا اسم شریف؟
سلیم: فدوی کو کہتے ہیں عبدالطیف۔
حماقت: آپ کا پیشہ جناب عالی؟
سلیم: دلاّلی۔
حماقت: دلال ہو۔ کہاں کے؟ چکلے کے؟
سلیم: لاحول ولا۔ آپ بھی مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔
حماقت: نہیں جناب مذاق کیسا۔ جب پیشہ ہے تو کیا اندیشہ ہے۔ اجی حضرت معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا کی خبر نہیں۔ آج کل کے شریفوں کے لڑکے آپ کو ایسے ملیں گے جنھوں نے اپنے ماں باپ کی کمائی، روپیہ کھانے والی چڑیوں کے پھنسانے میں گنوائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مفلسی نے گردن دبائی تو بھیک مانگنے کی نوبت آئی۔ جب پیٹ ہوا بھوکا اور جیب ہوئی خالی۔ تو خریداری چھوڑ کر کرنے لگے دلالی۔ کیوں کیسی کہی۔
سلیم: اچھی کہی۔
حماقت: اچھا تو کہیے کہ یہ پیشہ آپ کا خاندانی نہیں ہے۔
سلیم: جی نہیں۔ یہ میری کارستانی ہے۔ میرے باپ تو آپ جیسے ایک دولت مند شخص ہیں۔ آپ کو دیکھا گویا اپنے باپ کو دیکھا۔
حماقت: اے سبحان اللہ۔
سلیم: خدا جھوٹ نہ بلاے۔ واللہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی میرے باپ ہیں۔
حماقت: (سائڈ میں) یہ کم بخت بیٹا بن کر میری جائداد پر ہتھ مارنا تو نہیں چاہتا ہے۔ (مخاطب ہو کر) خوب، خوب تو میری صورت آپ کے باپ سے ملتی جلتی ہے۔
سلیم: جناب اس قدر مشابہت ہے کہ اگر ماں یہاں آجاے تو وہ بھی دھوکا

کھا جائے۔

حماقت: (سائڈ میں) دیکھیے کیا دنیا کے کاروبار ہیں۔ غریب کا کوئی باپ نہیں بنتا مگر امیر کے بیٹے بننے کو تیار ہیں۔ (مخاطب ہو کر) کیوں جناب جب آپ ایک رئیس کے فرزند ہیں تو ایسے ذلیل پیشہ کے کیوں خواہش مند ہیں؟

سلیم: جناب مجھ میں اور میرے والد میں ایک عجیب اتفاق ہوا۔ جس سے میں مجبور ہو کر اس پیشہ کا مشتاق ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ میرا گھر تھا، وہاں ایک سوداگر بھی رہتا تھا۔ جس کی لڑکی سے میں خفیہ طور پر شادی کرنے والا تھا۔

حماقت: مگر؟

سلیم: مگر میرے والد کی حماقت دیکھیے کہ وہ بھی عقل و ہوش کھو بیٹھے۔

حماقت: یعنی۔ یعنی۔

سلیم: یعنی اس لڑکی پر عاشق ہو بیٹھے۔

حماقت: عاشق۔ اپنے بیٹے کی بیوی پر ۔ توبہ۔ توبہ۔ وہ تو اس کی بیٹی ہوئی بیٹی۔

سلیم: جناب ابھی سنتے تو جایئے۔ عاشق ہونے کے بعد وہ میری معشوقہ سے ملنے گئے اور مزہ یہ ہوا کہ اس وقت میں بھی جا پہنچا۔

حماقت: اچھا۔ پھر ۔ پھر۔

سلیم: پھر جناب میں نے چھپ کر ان کا تماشہ دیکھنا شروع کیا۔

حماقت: کیا خوب۔ کیا خوب۔ اچھا پھر۔

سلیم: پھر تو جناب میری معشوقہ نے یہ شرط پیش کی کہ اگر تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو سر جھکاؤ۔ میں جوتیاں لگاؤں اور تم تعریف کرتے جاؤ۔

حماقت: چہ خوش۔ (سائڈ میں) یہ تو میرا اور حسینہ والا قصہ ہوا۔ (مخاطب ہو کر) اچھا جناب پھر کیا ہوا۔

سلیم: پھر تو جناب میرے باپ نے گردن جھکائی اور میری معشوقہ نے وہ تان تان کے جوتیاں لگائیں کہ میرے منھ سے بھی بے ساختہ واہ واہ کی صدا

نکل گئی۔

حماقت: واہ آپ کے باپ نے جوتیاں کھائیں اور آپ نے تعریف فرمائی۔

سلیم: جناب یہ تو میرے باپ نے جس بہادری سے جوتیاں کھائیں اس بات کی تعریف تھی۔

حماقت: کم بخت اس کا باپ بھی کوئی مجھ ہی سا گدھا ہوگا کہ اس نے مرد ہو کر عورت کے ہاتھ کی جوتیاں کھائیں۔ (مخاطب ہو کر) پھر کیا ہوا؟

سلیم: پھر جناب میری معشوقہ کا باپ آگیا۔

حماقت: کیا جناب سچ مچ اس کا باپ آگیا۔

سلیم: نہیں جناب وہ تو اصل میں بندہ تھا۔

حماقت: تب تو تمھارا باپ بالکل اندھا تھا۔ بے وقوف نے اپنے بیٹے کو بھی نہ پہچانا۔

سلیم: اجی مطلق نہ جانا۔

حماقت: اچھا پھر آگے۔ آگے۔

سلیم: آگے یہ ہوا کہ میری معشوقہ نے خوب ہاتھ پاؤں کو جڑوایا۔ توبہ تِلّا کرایا۔ اور جب وہ بہت گھبرائے تو گھنگھرا ساڑی پہنا کر گھر سے دھتا بتایا۔

حماقت: او ہو ہو۔ خوب گت ہوئی خبیث کی۔ خیر پھر تو اس نے اپنی حرکت سے توبہ کرلی ہوگی۔

سلیم: اجی کیسی توبہ۔ وہ تو گھر جا کر ایک نیا سوانگ لائے۔

حماقت: یعنی۔ یعنی۔

سلیم: یعنی دوسرے دن میری معشوقہ کے پاس پارسل بن کے آئے۔

حماقت: (سائڈ میں) ارے اس کا باپ تو میرا بھی باپ نکلا۔

سلیم: مگر جناب میں نے بھی ساتھ ہی ایک چال چلائی۔ یعنی نقلی بھوت بن کر اپنے باپ کی گردن دبائی۔

حماقت: (سائڈ میں) ارے یہ تو بالکل میرا ہی معاملہ ہوا۔ واہ رے استاد زمانہ

(مخاطب ہو کر) ہاں تو جناب پھر بھی اس نے نہ پہچانا۔

سلیم: اجی بالکل نہیں جانا۔

حماقت: ہت تیرے گدھے کی۔ معاف کیجیے گا جناب۔ اس وقت آپ کے باپ کو پاؤں تو بے وقوف کے منھ پر پانچ جوتے لگاؤں۔ احمق ۔ گدھا۔ حجام کہیں کا۔

سلیم: خیر جناب والا۔ پھر میں نے اپنے باپ کو اس پیچ میں ڈالا کہ ان سے اپنی معشوقہ کو ان کی ماں لکھوا کے چھوڑا۔

حماقت: (سائڈ میں) ار ر ر ۔ کہیں اس کم بخت نے چھپ کر میری فضیحتی تو نہیں دیکھی۔ (مخاطب ہو کر) پھر؟

سلیم: یہ لکھوانے کے بعد میں نے ان سے پانچ مرتبہ اٹھ بیٹھ کروائی۔

حماقت: ستیاناس ...... کیا خوب اچھی سزا دی۔ کیوں جناب پھر تو انھوں نے اس کے گھر جانا چھوڑ دیا ہوگا۔

سلیم: جی ہاں جناب چھوڑ دیا۔ مگر دو ہی روز کے بعد میں ان کے پاس اپنی معشوقہ کا خط لے کر گیا۔

حماقت: کون؟ آپ گئے۔

سلیم: جی ہاں۔

حماقت: اور پھر بھی انھوں نے نہ پہچانا۔

سلیم: جی ہاں۔ بالکل نہیں پہچانا۔

حماقت: توبہ۔ توبہ۔ توبہ۔

سلیم: خیر حضرت اس ذکر کو چھوڑیے۔ میں آپ کے پاس ایک خاص کام سے آیا ہوں۔

حماقت: فرمائیے۔ فرمائیے۔

سلیم: حسینہ بیگم کی طرف سے آپ کے نام ایک رقعہ لے کر آیا ہوں۔

حماقت: حسینہ نے خط بھیجا ہے۔ لا۔ لا۔ لا............دور۔ دور۔ دور............اے یار دل دار مجھے سخت افسوس ہے کہ عین شادی میں .... فقلہ لگا۔ یعنی کلوا بیر کی نالائقی سے تمھیں نامراد واپس جانا پڑا۔ لیکن اس وقت سے دماغ پر

صدمے کا بار ہے کہ نو سو تیرہ ڈگری بخار ہے...... باپ رے ...... حکیموں کی رائے ہے کہ جب تک تم سے شادی نہ ہوگی اس بخار کا اترنا دشوار ہے۔ اس لیے مہربانی کر کے کل آو اور مجھ سے نکاح پڑھا کے اپنے گھر لے جاو...... کیوں دوست کیسی کہی؟

سلیم: اچھی کہی۔

حماقت: مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے میں میرا باپ کلوا بیر دیکھ پائے اور پھر کوئی آفت اٹھانا پڑے۔ لہذا یہ تدبیر عمل میں لاو کہ میرے جھاڑو والے کے لباس میں آو۔

سلیم: کیوں جناب اب کیسی کہی۔

حماقت: بُری کہی۔ مگر کیا مضائقہ ہے۔ صحبت کی خاطر بھنگی سے بھی بدتر بن سکتا ہوں۔

سلیم: اچھا تو اب میں جاتا ہوں۔

حماقت: بہتر ہے۔ میں بھی جھاڑو ٹوکرے سے لیس ہو کر آتا ہوں۔ مگر جناب مجھے آپ کے باپ پر بڑی ہنسی آتی ہے۔ کم بخت بالکل گدھا تھا۔

سلیم: اجی اک دم نالائق تھا۔

(سلیم کا جانا)

باب دوسرا ——— سین آٹھواں

کامک

پچھلا محل

نحوست: جھنجھٹ کیا سچ مچ نگوڑا بوڑھا ایسے ایسے سوانگ بناتا ہے۔

جھنجھٹ: نہیں تو کیا غلام آپ سے جھوٹ کہتا ہے۔ ایک مرتبہ ساڑی گھا گھرا پہن کر گئے۔ دوسری مرتبہ پارسل بن کے گئے اور اب بھنگی بن کے جانے والے ہیں۔

نحوست: ہائے ہائے حسینہ۔ تیرا خانہ خراب ہو۔ ارے چڑیل کی خالہ میرے سیدھے سادے شوہر کو کس علّت میں ڈالا۔

جھنجھٹ: (سائڈ میں) اب بڑھیا غصے کے گھوڑے پر سوار ہوئی۔ اب میں ایڑ لگاتا ہوں اور حسینہ سے لے جا کر ٹکر لڑاتا ہوں۔ (مخاطب ہوکر) بانو۔ بانو۔ کہیں ایسے کلمے اس کے منھ پر نہ کہنا۔ وہ تو تھوڑے دنوں سے بالکل پاگل ہوگئی ہے۔

نحوست: تو پھر؟

جھنجھٹ: ہر ایک کو مار بیٹھتی ہے۔ اس کے پاس جانا تو کوئی نیا پرانا لٹھ ضرور ساتھ لے کے جانا۔

نحوست: ارے تو چل تو سہی۔ میں کیا اس سے ڈرتی ہوں۔ دیکھ تو میں کیسا قطامہ کو ٹھیک کرتی ہوں۔

جھنجھٹ: (سائڈ میں) چلو یہاں بھی میرے فریب کا سکہ چل گیا۔ کھوٹے کا دھڑکا نکل گیا۔اب اس تمام جمع خرچ کی واصل باقی حسینہ کے گھر میں وصول ہوگی۔

(دونوں کا جانا)

باب دوسرا ——— سین نواں

خواب گاہ

(چنگیز سو رہا ہے اور نوشابہ بہ ارادۂ قتل آتی ہے۔ چنگیز کا نیند میں بڑانا)

چنگیز: موت۔ بس موت...... رحم...... نہیں نہیں ...... ناصر او ناصر ...... تلوار...... قتل...... خون۔

نوشابہ: (داخل ہوتے ہوئے) اے ہمت سنبھال لے۔ اے ہوش دیکھ بھال لے...... نیند گہری نیند۔ کاش یہ نیند موت کی نیند ہوجاتی تو آج میں اپنے شوہر کی قاتل نہ کہلاتی ......ایک آخری بوسہ ...... نہیں۔ اے محبت کیا تو چاہتی ہے کہ انصاف اپنی تلوار توڑ کر پھینک دے...... نہیں۔ کبھی نہیں...... خون۔ خون۔ خون۔

(نوشابہ کا حملہ کرنا اور رستم کا آکر اس کا ہاتھ پکڑ لینا)

تو کون ہے؟

سلیم: ایک انسان۔

نوشابہ: اگر تو انسان ہے تو دیکھ یہ تیرا دشمن شیطان ہے۔ ہوشیار رہو۔ اب بڑھ کر اس ستم گر کا کام کر۔ دشمن خواب میں ہے اس کا قصہ تمام کر۔

رستم: یہ آپ کی زبان کیا کہتی ہے۔ اس سینے میں تو وہ دل ہے جہاں آپ کی محبت رہتی ہے۔

نوشابہ: نہیں۔ بے وفا مردوں کی محبت دل میں نہیں آنکھ میں ہوتی ہے۔

رستم: مگر قتل کا سبب؟ صرف بے وفائی یا کوئی اور برائی۔

نوشابہ: نہیں۔ دنیا کی بھلائی۔ اگر چہ دنیا والے میری قبر پر ٹھوکر ماریں گے۔ مگر میں ثابت کروں گی کہ جو عورتیں وفادار کہلاتی ہیں وہ اپنی اور اپنے پیارے کی جان لے کر دوسروں کی جان بچاتی ہیں۔

رستم: شاباش۔ اگر دنیا کی بھلائی پر اس بات کا مدار ہے تو اس خونیں کام کے لیے یہ نازک ہاتھ نہیں یہ پتھر کا ہاتھ درکار ہے۔ جائیے آپ اندر جائیے۔

نوشابہ: ؎

مگر یہ قول مرے دل نشین کیوں کر ہو
تمھاری بات کا مجھ کو یقین کیوں کر ہو

رستم: اے ملکہ ذی وقار۔ رستم جنگ کا اقرار۔

نوشابہ: کون رستم۔ ناصر کا سپہ سالار۔

رستم: جی وہی تابع دار۔

نوشابہ: بس بس مجھے اعتبار ہے۔ مجھے اعتبار ہے۔ ؎

پھرنے کے نہیں تم کبھی اقرار سے اپنے
لو جاتی ہوں غفلت نہ کرو کار سے اپنے

(نوشابہ کا جانا)

رستم: شیطانوں میں فرشتہ۔ کانٹوں میں گلاب۔ دنیا کی بھلائی کرنے کو خود پر الزام اٹھاتی ہے۔ دوسروں کے گھر کا چراغ روشن کرنے کو اپنا گھر جلاتی ہے۔ آہ۔ کیسی میٹھی نیند میں سوتا ہے۔ اے رب ذوالکرام۔ مظلوموں کو یہ مصیبت اور ظالموں کو یہ آرام۔

چنگیز: (نیند میں) شیطانو۔ پلیدو۔ مجھے جہنم میں نہ جھونکو۔

رستم: نہیں نہیں میں نے غلطی کی۔ جس کے دل میں پاپ کے سانپ ڈنک مارتے ہوں۔ ؎

اس کے لیے راحت بجز آلام نہیں ہے

دنیا ہو کہ دیں دونوں میں آرام نہیں ہے

اب اس کی زندگی میرے رحم پر منحصر ہے۔ ایک ہی ضرب میں کام تمام۔ مگر نہیں نہیں۔ اے جوش انتقام تھوڑا اور صبر۔

(چنگیز کے سینے پر گھٹنا رکھ کر اسے بیدار کرتا ہے)

اٹھ چنگیز۔ اٹھ۔

چنگیز: تو کون؟

رستم: چپ ۔ تیری موت کا سامان۔ اگر ذرا بھی غل کیا تو یاد رکھ کہ یہ بالشت بھر کی چھری سینے کے پار ہوجائے گی۔ تجھے ہمیشہ کے لیے خاموش بنا دے گی۔

چنگیز: پہرہ گیر!

رستم: چپ شریر۔ پہرہ گیر کے آنے سے پیشتر میرا ہاتھ چل جائے گا۔ سمجھ رکھ کہ تو خاک کا ڈھیر ہوجائے گا ایک پل میں ۔ یہ روح نجس تڑپتی ہوگی غار جہنم میں ۔

چنگیز: مگر اس گستاخی کا سبب۔ تو کون ہے بے ادب؟

رستم: او بدلگام۔ کیا نہیں سنا رستم جنگ کا نام۔

چنگیز: کون؟ رستم جنگ۔ آہ۔

رستم: ہیں۔ چنگیز تو کانپتا ہے۔ تو تو خدا کے خوف سے بھی نہیں کانپتا تھا۔ اب موت کے ڈر سے کیوں کانپتا ہے۔

چنگیز: کیا تو میری جان لے گا؟

رستم: کیا کہا؟

چنگیز: کیا تو میری جان لے گا؟

رستم: اگر یہ بات میرے دل میں آئی ہوتی تو تیری نیند حشر تک نہ کھلنے پائی ہوتی۔ ـ

وہ بزدلے ہیں جو سوتوں پہ وار کرتے ہیں
جو شیر ہیں وہ جگا کر شکار کرتے ہیں

(رستم کا خنجر پھینک دینا اور چنگیز کا اٹھ بیٹھنا)

چنگیز: حیرت! تعجب! رحم! دشمن پر رحم۔

رستم: تعجب اور حیرت کا کون سا مقام ہے۔رحم تو بہادروں کا ادنیٰ سا کام ہے۔ ؎

آن یہی، بان یہی، شان یہی ہے
دنیا میں جواں مردوں کی پہچان یہی ہے

چنگیز: ہیں۔ جب قتل کرنا نامنظور تھا۔ تو پھر یہاں آنا کیا ضرور تھا۔

رستم: میں تجھے چھری یا تلوار سے قتل کرنے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ تیرے حلق میں نصیحت کا زہر اتارنے آیا ہوں۔

چنگیز: مگر نصیحت سے ملک و دولت حصول ہو تو ایک بار نہیں بلکہ ہزار بار قبول ہو۔ ؎

ورنہ جب تک رہے انسانوں میں مکار رہے
اس کی عزت ہے جو اس دہر میں زردار رہے

رستم: او نادان۔ زردار تو وہی مقدور ہے جس کے دل سے حرص و لالچ کوسوں دور ہے ؎

دولت زیادہ خوبی و اعمال سے نہیں
دانائی عقل سے ہے سن و سال سے نہیں
زردار دل سے ہوتا ہے کچھ مال سے نہیں

چنگیز: خیر جب ؎

مانے ہی نہیں ہم تو منانے سے فائدہ
سیکھے ہی نہیں ہم تو سکھانے سے فائدہ

جان میری تم نے بخشی تو ذکر اس کا اب کرو
مانگو جو مانگنا ہے جو چاہو طلب کرو

رستم: ہاں مانگتا ہوں۔ اگر تو دے سکے تو دو چیزیں مانگتا ہوں۔

چنگیز: کیا؟

رستم: رحم اور انصاف۔ ظلم سے انحراف۔

چنگیز: ؎

ان پھولوں کی اس باغ میں بو باس نہیں ہے
ان دونوں میں کوئی بھی مرے پاس نہیں ہے

رستم: تو یہ دل نہیں ہے بلکہ ایک سوکھی ہوئی ڈالی ہے جو پھولنے پھلنے سے پہلے مرجھانے والی ہے۔ او اسیرِ حرص۔ دو دن جینا اور اس پر اتنا کینہ۔ مٹی اور پانی سے بنا ہوا دل اور آگ سے بڑھ کر قاتل۔

چنگیز: بس ہو چکا۔ ہو چکا ......

(نوشابہ کا آنا)

نوشابہ: کیا ہو چکا ۔ کیا قتل۔ خون۔

چنگیز: او مجنوں۔ کس کا خون؟

نوشابہ: ہیں۔ یہ ابھی تک زندہ ہے۔ آہ دغا دغا ۔ او لعین مار آستین تو نے مجھ سے دغا نہیں کی بلکہ اپنے دیسی بھائی اپنے شاہ ناصر سے دغا کی۔

چنگیز: ہیں۔ تو کیا تو نے ہی میرے قتل کے لیے اس کو یہاں بلایا۔

رستم: اب جاتی ہیں یا جت بڑھاتی ہیں۔

نوشابہ: تو کیا میں انکار کروں کہ یہ چھری میری دی ہوئی نہیں ہے؟

چنگیز: اف محبت میں آگ۔ پانی میں لاگ ؎

ایسی تو بدی راہ میں رہزن بھی نہ کرتا
اچھے سے برا نیک سے بدظن بھی نہ کرتا

ڈالی سے تمر موم سے آہن بھی نہ کرتا
وہ وار کیا تو نے جو دشمن بھی نہ کرتا

نوشابہ: بدسیر بدشگال۔ میرے وار کا تو اتنا خیال کیا مگر اپنے وار کا کچھ نہ خیال کیا۔ جس نے سینکڑوں کا گلا حلال لیا۔

چنگیز: آہ۔ اگر میں یہ جانتا کہ تو بے وفا چڑیا ہے تو اس پنجرے کو جو میری دل کی رگوں سے بنا ہوا تھا، توڑ دیتا۔ تجھ کو اور تیری محبت کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتا۔ ؎

رسم الفت کی زمانے سے مٹادی تو نے
دوستی کر کے ستم گار دغا دی تو نے
سر سے لے پیر تلک آگ لگادی تو نے

نوشابہ: میں نے تو صرف تیرے سر سے پاوں تک آگ لگائی ہے مگر تیرے ظلم سے وہ چنگاری نکل رہی ہے جس سے تمام دنیا جل رہی ہے۔ ؎

جانور بھی نہ یوں انساں کو ستاتے ہوں گے
شیر بھی اس طرح بھیڑوں کو نہ کھاتے ہوں گے
بے گناہوں کو وہ دنیا میں تو دیتا ہے سزا
جو جہنم میں گنہگار نہ پاتے ہوں گے

چنگیز: اچھا اگر تو بھی انھیں دشمنوں کی ساتھی ہے تو پھر تیری جان کیوں بچی جاتی ہے۔

رستم: خبردار۔ (نوشابہ سے) جایئے جایئے آپ گھر میں جایئے۔

نوشابہ: گھر میں نہیں اب قبر میں جانا ہے۔

چنگیز: ارے کوئی حاضر ہے۔ لے جاؤ۔ شیر خاں۔ شمشیر خاں۔ اس کے گوشت کو کاٹ کھاو۔ ہڈی چبا جاؤ۔ خون کو چاٹ لو۔ اب اگر تاخیر ہوگی تو سمجھ رکھنا کہ تمھاری زندگی بھی اخیر ہوگی۔

رستم: اف کیا حیوانی فرمان۔ کیسا وحشی انسان۔ معاف کر چنگیز معاف کر۔

چنگیز: ہرگز نہیں۔ اب اگر تاخیر ہوگی تو تمھاری زندگی بھی اخیر ہوگی۔

نوشابہ: ہو چکی۔ میرے دل کی آخری فریاد ہو چکی۔ دنیا کو آخری سلام۔ ناسمجھ

سردار آخری سلام اور تجھے بھی آخری سلام۔ او خدا کے سچے گناہ گار۔ ؎

نہ ملے گی مرض غم کی دوا میرے بعد
پائے گا میری محبت کا مزہ میرے بعد
یاد آئے گی تجھے میری وفا میرے بعد

چنگیز: وفا۔ او بے وفا۔ تو نے اس پاک ٹکڑے کو کھودیا جس کا نام محبت اور وفا تھا۔ اب تو صرف وہی نجس ٹکڑا باقی ہے جس کا نام دغا اور ناپاکی ہے۔ ؎

اب اماں تیرے لیے او ستم انگیز نہیں
گر ترا خون نہ پی لوں تو میں چنگیز نہیں

رستم: چنگیز۔ کیا انسانوں کے پینے کی چیز خون ہے۔ معاف کر چنگیز معاف کر۔

چنگیز: کبھی نہیں۔ رستم جنگ میں دنیا سے بگڑ سکتا ہوں۔ شیر سے لڑسکتا ہوں۔ مگر اپنے دل کے ساتھ نہیں جھگڑ سکتا۔ تو نے میری جان کا بچاؤ کیا ہے۔ دشمنی میں دوستی کا برتاو کیا ہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ ؎

رہیں گے ہم بہم اب استخوان و پوست کی صورت
ملیں گے باوفائی پر رہیں گے دوست کی صورت

رستم: پہلے تو نوشابہ پر رحم کر۔ نیکی کا دوست ہو۔ پھر میں بھی من جاوں گا۔ تیرا دوست بن جاوں گا۔

(رستم کا باہر کی طرف جانا)

چنگیز: ٹھہر رستم ٹھہر۔ میں تجھ سے بہادر کو بے ہتھیار دیکھنا نہیں چاہتا۔ لے اگرچہ یہ دشمن کی تلوار ہے۔ مگر ایک سچی محبت کی یادگار ہے۔ بہادری کا انعام کیا دینا چاہیے۔ وہ میں جانتا ہوں۔

رستم: دشمن کی بدسلوکی کیوں کر بھول جانا چاہیے وہ میں خوب سمجھتا ہوں۔

(شیر خاں کا اندر آنا)

شیر خاں: ؎

اے رستم زمانہ جہاں دار ذی حشم
دشمن کے رنگ ڈھنگ کو دیکھ آئے جاکے ہم
اک اور مژدہ آتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لائے
یعنی کہ ایک دشمن جانی ہیں ساتھ لائے

چنگیز: دشمن؟ حاضر کرو۔

(شیر خاں قمر کو لے کر آتا ہے)

رستم: کون قمر؟

چنگیز: کون ناصر کا جگر بند۔

قمر: کون چچا جان۔

چنگیز: پھینک دو۔ پھینک دو۔ اس شیطان کے بچے کو دریا میں پھینک دو۔

رستم: چنگیز۔ چنگیز۔ اگر تو مجھے ہمیشہ کے لیے دوست۔ نہیں نہیں۔ غلام بنانا چاہتا ہے تو خوف خدا کر۔ اس بے گناہ کو رہا کر۔

چنگیز: رہائی۔ رہائی اب اس کی اس آن ہوگی جب عدم میں اس کی جان ہوگی۔ لڑائی کے وقت اس کا سر نیزے پر چڑھا کر اس کی ماں کو دکھاؤں گا۔ اس کی رہائی کی مبارک باد دینے جاؤں گا۔

رستم: اف کیسی نامردی۔ کیسی بے دردی۔ دیکھ دیکھ جو رستم آج تک کسی کے سامنے نہ جھکا تھا وہ دکھ کے بوجھ سے آج تیرے قدموں پر گرتا ہے۔ رحم کر چنگیز رحم کر۔

چنگیز: ہرگز نہیں۔ لے جاو اسے لے جاؤ

رستم: چنگیز میں تجھ سے بھیک مانگتا ہوں بھیک۔

چنگیز: کیا؟

رستم: اس کی جان۔

چنگیز: بیہودہ ارمان۔

رستم: تو یہ تلوار تیری دی ہوئی نہیں ہے بلکہ خدا کی عین بخشش ہے۔ بد خصال لے اب سنبھال۔

(قمر کو لے کر لڑتے ہوئے فرار ہونا۔ پل کے پار ہوجانا۔ پل پر بجلی کا گرنا۔ پل کا ٹوٹ جانا۔ سپاہیوں کا اس طرف اور رستم کا اس طرف کھڑے نظر آنا)

ڈراپ سین

باب تیسرا ـــــــــ سین پہلا

محل

(سہیلیوں کا گانا)

من دھیر دھرو۔ موری سجنی۔ ہاں دھیر دھرو
دن رین چیت ہو بھجتی
ہاں رو کے پھٹتی چھتیاں
کیسی ہاے صورتیاں
تو ہے چین نہیں دن رین
ہاں دھیر دھرو......
تمھری زاری۔ موری پیاری
سن سن کے اٹھت ہے پیر۔ ہاں دھیر دھرو......
دکھ سگرے پیارے
توری نینوا کا لگادے تیر
من دھرو دھیر۔ موری سجنی......

پہلی سہیلی: بہنا بہنا شاہا آئے۔
دوسری سہیلی: کیا سچ؟
پہلی: تیرے سر کی قسم۔
دوسری: شکر ہے۔ لیکن ادھر آنے نہ دو ان کے قدم۔
پہلی: گل سے کیا ملنا برا ہے بلبلِ بے برگ کا۔
دوسری: یک بیک ملنے سے ڈر ہوتا ہے شادی مرگ کا۔

(ناصر کا آنا)

ناصر: کیا بہت ہی حال تباہ ہے؟

پہلی: بس اب تو خدا پر نگاہ ہے۔

ناصر: مگر اس جنون کی کوئی وجہ بھی پائی۔

پہلی: شہزادہ قمر اور آپ کی جدائی۔

ناصر: اف رے تقدیر کی برائی۔

مہ جبیں: چھوڑ دو۔ چھوڑ دو۔ میرے ناصر کو چھوڑ دو...... اسے نہ پکڑو۔ اس کے پیروں میں بیڑیاں نہ ڈالو۔ آہ قمر۔ قمر۔

ناصر: آہ۔ کیا جنون کا جوش ہے کہ عقل و ہوش فراموش ہے۔ سچ ہے ؎

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے جو دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

مہ جبیں: آہ پانی برسا۔ دل ترسا۔ ناصر آفتاب سے لڑتا ہے۔ چاند میرے قمر کو پکڑتا ہے۔ او ستارو۔ میرے لال کو نہ مارو۔ نہ مارو...... ہیں یہ کیا۔ آگ۔ آگ لگی آگ۔ بھاگ۔ بھاگ۔

سب: کہاں۔ کہاں؟

مہ جبیں: وہاں۔ وہاں۔

ناصر: ؎

دولت عیش نصیب دل مضطر میں نہیں
یہ رقم وہ ہے جو تقدیر کے دفتر میں نہیں
جو جو امید تھی اب یاس ہوئی جاتی ہے
مجھ سا ناکام بھی ڈھونڈھو تو جہاں بھر میں نہیں

(سب کا جانا)

مہ جبیں: (گاتا)

تمھیں کون ان ریت سکھائی
سُن ساجن موری سدھ بسرائی
اے آسمان ظالم۔ پتی بن ستی اتی درگتی
تن من تج کر۔ برہن۔ نس دن پل چھن گن گن
تڑپ تڑپ پتی کٹھن
اب ملت کہاں ہمرا سکھ درشن
تمھیں کون.........

جل اے نورانی مشعل جل۔ رات آگئی۔ تاریکی چھاگئی۔ حسرت و غم نے گھیرا ہے۔ قبر پر اندھیرا ہے۔ ؎

دل نے جلایا جسم کو تو جان کو جلا
گزری ہے آدھی رات تو ارمان کو جلا

ناصر: مہ جبیں۔ مہ جبیں۔

مہ جبیں: پناہ یارب العالمین۔ اے عالم ارواح کے پاک فرشتو۔ مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔

ناصر: مہ جبیں۔ مہ جبیں۔ تمھارے سامنے جو حاضر ہے وہ کوئی غیر نہیں بلکہ تمھارا شوہر ناصر ہے۔

مہ جبیں: تو ۔ تو ۔ نہیں نہیں۔ ناصر کو تو موت نے مٹایا۔ قبر نے دبایا۔ خاک نے دکھایا۔ تم اس کی روح ہو یا سایہ۔

(رستم کا آنا)

رستم: یہ کیا اندھیر ہے۔

ناصر: تقدیر کا پھیر ہے۔

قمر: میری امی جان۔

مہ جبیں: میرا قمر۔ میرا قمر۔ مگر تو کون؟ قمر یا اس کی روح؟ ہٹ جا۔ پلٹ جا۔
رحم...... رحم...... رحم۔

ناصر: ٹھہرو۔ آہ ٹھہرو۔

باب تیسرا ——— سین دوسرا

کامک

حسینہ کا گھر

حسینہ: جھنجھٹ۔ کیا سچ مچ نحوست دیوانی ہوگئی ہے ؟

جھنجھٹ: حضور دیوانی کیسی۔ آج کل تو بالکل شیطان کی نانی ہو رہی ہے۔

حسینہ: تو کیا وہ مجھ سے خواہ مخواہ لڑے گی؟

جھنجھٹ: جی ہاں۔ آپ ڈنڈا ضرور ہاتھ میں رکھیے گا ورنہ چوٹ کر بیٹھے گی۔

نحوست: (دستک) جھنجھٹ۔ او موے جھنجھٹ۔

جھنجھٹ: کون ہے؟

نحوست: نگوڑ مارے۔ دروازہ تو کھول۔

جھنجھٹ: مگر اپنا نام تو بول۔

نحوست: میں ہوں نحوست۔

جھنجھٹ: لیجیے بیگم۔ وہ سڑن آپہنچی۔ ذرا اندر جایئے۔ پہلے میں اس کا غصہ ٹھنڈا کرلوں پھر تشریف لایئے۔

(حسینہ کا اندر جانا اور نحوست کا آنا)

نحوست: کہاں گئی وہ دلالہ۔ شیطان کی خالہ۔ چڑیل کو اپنی ایڑی چوٹی پر واروں تو سہی جو مردار کو گن گن کر جوتیاں ماروں۔

جھنجھٹ: ہاں بیگم صاحبہ۔ چھوڑیے گا نہیں۔میں بلا لاتا ہوں۔ (حسینہ کو بلانا) دیکھا

بیگم کتنی لال پیلی بن کر آئی ہے۔

حسینہ: سچ تو ہے ہاتھ میں ایک لکڑی بھی لائی ہے۔

جھنجھٹ: تو کیا میں جھوٹ کہتا ہوں۔ کل ہی پاگل خانہ سے زنجیر تڑا کر ہے بھاگی۔ اب دیکھیے ساس بہو کی لاگا لاگی۔

حسینہ: بانو بندگی۔

نحوست: دیکھ دور سے بات کر۔ کیا دھوکا دے کے مجھے مارنا چاہتی ہے۔ جھنجھٹ تو تو سچ کہتا تھا۔

جھنجھٹ: تو کیا میں جھوٹ کہتا تھا۔

حسینہ: بانو آپ.........

نحوست: بس بس پاس نہ آنا۔ یہ جوتی دیکھی ہے کہ نہیں۔

حسینہ: (جھنجھٹ سے سرگوشی میں) واقعی یہ تو باکل پاگل ہے۔ حقیقت میں ۔ جھنجھٹ تو سچ کہتا تھا۔

جھنجھٹ: تو کیا میں جھوٹ کہتا تھا۔

حسینہ: بانو بات تو سنو۔ تم مجھ سے بھاگتی کیوں ہو۔

نحوست: چڑیل بھاگوں نہیں تو کیا پاس آ کے اپنی ہڈی کٹواؤں۔ مردار تو مرے تیرا مردہ سڑے۔

حسینہ: موئی کیسی سودائی ہے۔ ارے کیا تو میرے گھر چڑھ کے لڑنے آئی ہے۔

نحوست: نہیں تو کیا تو لڑے گی۔

حسینہ: اور نہیں تو کیا تو لڑے گی۔

نحوست: یہ جوتی دیکھی ہے۔

حسینہ: یہ لکڑی دیکھی ہے۔

جھنجھٹ: اب چخ چلی۔

(سب کا گانا)

چل چل دیوانی۔ تو تو ہو گئی دیوانی۔

(سلیم کا داخلہ)

سلیم: ہیں۔ ہیں۔ یہ کیا طوفان ہے۔

حسینہ: دیکھو دیکھو تمھاری ماں مجھ سے لڑتی ہے۔ مجھے مارے ڈالتی ہے۔ کہتی ہے کہ تونے میرے شوہر کو پھسلا لیا ہے۔ لبھا لیا ہے۔

سلیم: نہیں نہیں امی جان یہ بے قصور ہے ۔ سب کچھ انھیں کا فتور ہے۔وہ دیکھئے سامنے سے وہی آرہے ہیں۔ آیئے چھپ کے ان کا تماشہ دیکھیے۔

(سلیم اور نحوست کا چھپ جانا اور حماقت کا آنا)

حماقت: میں بھی کیا بدنصیب ہوں۔ جتنی قسمت کی برائی ہے وہ سب گویا میرے ہی حصے میں آئی ہے۔ خدا خدا کر کے اور سب بلاؤں سے گردن چھوٹی تو یہ نئی مصیبت سر پر ٹوٹی۔ وہ تو یہ کہیے کہ محلّہ کے مہتروں سے میری پرانی دوستی تھی۔ ورنہ یہ پوشاک بھی نہ ملتی۔

حسینہ: او ہو تم آگئے حسین زمانہ۔

حماقت: کیوں۔ اب تو آپ نے مجھے اپنا سچا عاشق جانا۔ صرف تمھارا حکم پایا کہ فورا بھنگی بن کر چلا آیا۔

حسینہ: اررر۔ بھنگی۔ تو کل خدانخواستہ فوج کی نوکری چھوٹ جائے گی تو صفائی کے داروغہ مقرر ہو جاؤگے۔

حماقت: پھر رفتہ رفتہ میونسپلٹی کے ممبر ہوجائیں گے اور کرسی پر بیٹھ کر حکم چلائیں گے ۔ کمشنر صاحب کی ہاں میں ہاں ملائیں گے۔ اپنے گھر کو بچائیں گے اور اپنے غریب دیسی بھائیوں کے گلے پر چھری چلائیں گے۔ جو دس کوڑی کی حیثیت نہ رکھے اس پر دس روپیہ ٹیکس لگائیں گے اور پھر حماقت بیگ کے عوض خاں بہادر مرزا حماقت بیگ کہلائیں گے ۔

(گانا)

صورت سیرت میں چندا۔ ہر فن میں کامل ہے بندہ
شکل مچھندر، عقل میں بندر، خاصے قلندر
بن کر ممبر، گھر گھر پھر کر ٹیکس لگائے گا بندہ
واہ واہ خوب نکالا یہ دھندا
تیرے بھلے میں، سب کے گلے میں، ٹیکس کا ڈالوں گا پھندا
صورت سیرت میں..........
ساروں میں، یاروں میں، بھنگی چماروں میں، دھوبی کہاروں میں پاؤں گا نام کرسی پہ بیٹھوں گا، یاروں میں اینٹھوں گا، دولت سمیٹوں گا میں صبح و شام خان بہادر بن کے زر لوں گا۔ اور گھر رشوت سے بھر لوں گا۔ چال چلوں گا تن کے۔
میری تیری جوڑی۔ ایک اندھا ایک کوڑھی۔ مطلب پائیں گے من کے۔
صورت سیرت میں..........

حسینہ: ار ر۔ یہ سامنے سے کوئی آتا ہے۔ اب تم جھاڑو دینا شروع کردو میری جان۔ میں جاتی ہوں۔

(حماقت کا جھاڑو دینا)

جھنجھٹ: کم بخت۔ نالائق۔ الو کا پٹھا۔ تمام گھر میں کوڑا پھیلا رکھا ہے۔ ابے اے گدھے یہاں کیا کرتا ہے۔

حماقت: باپ رے مار ڈالا۔

جھنجھٹ: کون؟ آپ ہیں جناب والا۔ میں تو سمجھا کہ گھر کا جھاڑو دینے والا۔ آپ نے یہ کیا سوانگ نکالا۔

حماقت: سوانگ کیا نکالا۔ محبت نے اس آفت میں ڈالا۔

جھنجھٹ: وہ دیکھیے حسینہ بیگم آتی ہیں۔
حماقت: کم بخت اسے بھی بغیر میرے چین نہیں پڑتا۔ کیوں کیسی کہی۔
جھنجھٹ: اچھا اب ذرا منھ کی گرد ورد صاف کرلو۔

(سلیم کا حسینہ کے بھیس میں آنا)

حماقت: یہ اتنی لمبی کیسے ہوگئی۔ شادی کی خوشی اس کی رگ رگ میں پہنچ گئی۔ جو یہ اتنی بڑھ گئی...... اجی اُدھر کہاں جاتی ہو اِدھر آؤ۔
سلیم: اوں اوں۔
حماقت: کیسی اوں اوں۔ ذرا منھ تو دکھلاؤ۔
سلیم: ہونہہ ہونہہ۔
حماقت: پھر ہونہہ ہونہہ ؎

خیال اور کچھ اے رشک حور ہوتا ہے
خطا معاف ہو مجھ سے قصور ہوتا ہے

(حماقت کا حسینہ کو پکڑ لینا)

سلیم: ؎ ارے رے چھوڑ بدن میرا چور ہوتا ہے
حماقت: ؎ بس اب تو رنج جدائی کا دور ہوتا ہے
کم بخت میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی...... تو کون ہے اری۔ منھ تو کھول ذری۔
سلیم: اجی یہ تو میں ہوں آپ کی سبز پری۔

(حماقت کا سلیم کو پہچان لینا)

حماقت: اجی واہ جناب واہ۔یہ آپ نے اپنے باپ کی طرح مجھے بھی بیوقوف بنایا۔

سلیم: معاف کیجیے گا۔ میں نے چاہا کہ کچھ آپ سے دل لگی کروں۔ اس لیے یہ چال نکالی۔ کچھ اور نہ خیال کیجیے گا جناب عالی۔

حماقت: اجی آپ بھی کس بات کو لیے مرتے ہیں۔ سسرال میں تو سب دولھا سے دل لگی کرتے ہیں...... مگر جناب علّتی صاحب۔

سلیم: جناب۔ علّتی نہیں۔ میرا نام عبدالطیف ہے۔

حماقت: خیر وہی سہی۔ ہاں وہ آپ کے بیوقوف باپ کا قصہ تو رہ گیا۔ باقی داستان تو کیجیے بیان۔

سلیم: بہت خوب۔ ہاں تو وہ خط تک بات ہوئی تھی نا۔

حماقت: ہاں ہاں۔ پھر پھر۔

سلیم: پھر تو وہ خط پانے کے بعد میری معشوقہ کے گھر جا پہنچے۔ جہاں تھوڑی دیر میں ہم بھی آپہنچے۔

حماقت: پھر بھی آپ کو اندھے نے نہ پہچانا۔

سلیم: بالکل نہیں۔

حماقت: توبہ توبہ۔ مگر جناب جب آپ اس احمق کے بچے کے سامنے گئے تھے تو لباس کیا پہنے تھے۔

سلیم: یہی جو اس وقت پہنے ہوں۔

حماقت: پھر بھی اس نے نہ پہچانا ۔ اچھا پھر۔

سلیم: پھر تو جناب مارے غصے کے مجھ سے رہا نہ گیا۔ اپنا چوغہ اس طور سے نکالا اور ایک نقلی داڑھی جو پہنے تھا وہ بھی اتار ڈالا ۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تو ......

(سلیم کا اپنے اصل روپ میں آجانا)

سب: سلیم تھا۔

حماقت: کون سلیم؟

سلیم: ابا جان تسلیم۔
حماقت: اور یہ کون؟ نحوست۔ ارے اس کو یہاں کس نے لا رکھا تھا۔ کم بختوں نے پہلے ہی سے میرا ڈبہ اڑانے کو بارود بچا رکھا تھا۔
جھنجھٹ: کیوں جناب اب کیسی کہی۔
حماقت: بالکل تھرڈ کلاس۔
نحوست: کم بخت اتنی بڑی داڑھی اور بھنگی کی پوشاک۔ (داڑھی پکڑنا)
حماقت: اری چھوڑ چھوڑ۔ داڑھی چھوڑ۔
نحوست: چپ بے شرم۔
حماقت: ارے واہ رے میری کڑک مرغی۔
نحوست: کم بخت اتنی ذلت پر بھی ہنستا ہے۔
حماقت: ارے بی بی ہنستے ہنستے ہی گھر بستے ہیں۔
سلیم: ابا جان۔ یہ سب کم بخت جھنجھٹ کی شیطانی ہے۔
حسینہ: اور اسی نے مجھے کہا کہ نحوست دیوانی ہے۔
نحوست: اور اسی نے مجھے کہا کہ حسینہ دیوانی ہے۔
جھنجھٹ: اجی تو اس میں کیا حیرانی ہے۔ یہ تو یاروں کی ادنیٰ سی کارستانی ہے۔
حماقت: ٹھہر۔ ٹھہر۔ ٹھہر۔ (مارنے کو دوڑتا ہے)
جھنجھٹ: بس جناب بس۔

(سب کا جانا)

باب تیسرا ——— سین تیسرا

میدان جنگ

چنگیز: ناکامی، بدنامی، ذلت، شکست، فاش شکست۔ سپاہی اور عورت سے بھی کمزور۔ کام کے چور۔ آہ ہا۔ کون رستم جنگ ۔ کیسا دلیر۔ کیسا شیر۔ کاش اس کی آدھی ہمت میرے سپاہیوں میں ہوتی۔ کون؟ میرے سپاہی۔

سپاہی: قہر الٰہی ۔ جہاں پناہ ۔ قہر الٰہی۔

چنگیز: قہر الٰہی۔ یہ میں کیا سنتا ہوں۔ میرے ہوش اڑے جاتے ہیں۔ میرے دماغ میں چکر آتے ہیں......

شمشیر خاں: بچانا سرکار۔

چنگیز: کون؟ میرا شکار، ناصر بدشعار...... او میری امیدوں کو خاک بنانے والے۔
اب بتا کون ہیں تیری جان بچانے والے ۔

ہوتا ہے خاتمہ ترے کبرو غرور کا

شمشیر خاں: سر لائیے میں کاٹ لوں اس بدشعور کا

(نوشابہ کا آنا)

چنگیز: کون خونخوار دیوی۔زندگی میں بلائے جان۔ مرنے کے بعد شیطان۔
ابھی تلک تجھے ظلم و ستم سے عار نہیں
پس فنا بھی تری روح کو قرار نہیں

نوشابہ: ۔
بنے گی جب تک نہ قبر تیری نہ ہوگی رنج و الم سے سیری
نکل کے بھٹکے گی روح میری ہمیشہ خالی مزار ہوگا

چنگیز: ؎

رکھتی ہے بعد مرگ جفاکار کا اثر
کیا خوفناک ہے تری گفتار کا اثر
گر واقعی ہے روح تو لیتا ہوں امتحاں
ہوگا نہ تیرے جسم پہ تلوار کا اثر

دوسرا سپاہی: لے لوں عوض میں اپنے برادر کے خون کا
چنگیز: رستم یہ تو نے کام کیا کیا جنون کا
رستم: ؎

حالش دگر نتیجۂ بدکام ہے یہی
دنیا میں اہلِ ظلم کا انجام ہے یہی

چنگیز: رستم میرا غصہ تجھ کو دوست سمجھ کر چھوڑتا ہے۔ اور تو مجھ پر یہ ستم توڑتا ہے ؎

لیتا ضرور اس کا عوض تیری جان سے
مجبور ہوں کہ دوست کہا ہے زبان سے

رستم: تیرے ستم نے مچایا اندھیرا ہے۔ جو تو جہاں کا ہے تو پہلے دشمن میرا ہے۔
چنگیز: ؎

چرکے دیتا ہے جگر میں نشترِ گفتار سے
یوں سمجھتا گر نہیں تو اب سمجھ تلوار سے

(چنگیز کا وار کرنا اور رستم کا اس کی کلائی پکڑ لینا)

رستم: کیوں۔ اب وہ تیرا غرور گیا۔ نشہ ظلم کا سرور کیا ہوگیا۔
ناصر: رحم پیارے رستم رحم۔
رستم: عالی جاہ۔ اگر اس کو بھی کسی پر رحم کرنا آتا تو مجھ کو بھی اس پر رحم آتا۔
چنگیز: سب سے بڑا رحم تو یہی ہے کہ جس طرح سے ہو میرا سینہ چاک کر ڈالو۔ ؎

میری ناکامی قسمت نہ کسی آن گئی
جان کس کام کی جب آن گئی شان گئی
نہ تو شیشہ ہی ملا اور نہ ساغر پایا
ساقیا لے تری محفل سے چلے بھر پایا

ناصر و نوشابہ: ہیں۔ کیا ہوا۔ خیر تو ہے۔

چنگیز: دیکھ لی دنیا بس اب ملک عدم کی سیر ہے۔

رستم: کیوں اب قتل کی دہشت طاری ہوئی۔ جو خودکشی کی تیاری ہوئی۔

چنگیز: اگر قتل سے ڈرتا تو خودکشی کر کے کیوں مرتا۔ ؎

سکے بیٹھے تھے مرے ہر شہر ہر انبوہ میں
زلزلہ تھا نام سے میرے زمین و کوہ میں
بھاگتے تھے مرد میداں ٹھوکریں کھاتے ہوے
سامنے آتے تھے میرے شیر تھراتے ہوے
خوبی قسمت سے سارا ولولہ جاتا رہا
ایسی ذلت دی کہ جینے کا مزہ جاتا رہا

ناصر: اگر پہلے سے یہ خیال ہوتا۔ تو کیوں ایسا حال ہوتا۔

چنگیز: عزیز ناصر۔ پچھلے گناہوں کی یادیں مرے دل میں چھریاں چبھوتی ہیں۔ آب ندامت میں ڈبو دیتی ہیں ؎

بروز حشر ہزاروں میں نہ شرمسار کرے
دعا کرو کہ خدا میرا بیڑا پار کرے

رستم: اب آپ بھی نوشابہ کی طرف سے دل صاف کریں۔ کیونکہ جب قمر کو میں آپ کی خواب گاہ سے لے کر فرار ہوا تو راہ میں ان سپاہیوں سے دوچار ہوا جو آپ کا حکم بجا لا رہے تھے اور اس بے گناہ کا خون بہا رہے تھے۔ تو میں نے سمجھانے کے طور پر کہا۔ جب وہ نہ مانے تو زبردستی لے کر فرار ہوگیا۔

چنگیز: پیاری نوشابہ میں خدا کے علاوہ تیرا بھی گنہگار ہوں۔ معافی کا

طلب گار ہوں۔

نوشابہ: اٹھو پیارے اٹھو۔ مجھے اس وقت دو خوشی حاصل ہوئی ہے۔ ایک تو آپ کا راہ نیک پر آنا۔ دوسرے بہن مہ جبیں کا حکیم صاحب کے علاج سے دوبارہ ہوش میں آنا۔

چنگیز: عزیز ناصر۔ میری خوشی ہے کہ ایک خوشی کا دربار مقرر ہو۔ جس میں میرے ہاتھ سے تاج تمھارے زیب سر ہو۔

باب تیسرا ـــــــ سین چوتھا

دربار

چنگیز: ؎

دنیا کی پاؤ سروری تاج و عدالت گستری
مل کر مبارک باد دیں جن و بشر حور و پری
دل شاد ہو، آباد ہو، دشمن سدا ناشاد ہو
تا حشر محو داد ہو، پاؤ جہاں کی سروری

سب: آمین۔ آمین۔ آمین۔

حماقت: حضور ایسی خوشی کا وقت آیا تو جھنجھٹ نے تو انعام پایا۔ مگر بندے کو کچھ نہ ملا۔ عقل دیتے وقت اللہ میاں بھول گئے اور انعام دیتے وقت آپ بھولے جاتے ہیں۔

چنگیز: مل جائے گا مرزا صاحب مل جائے گا۔

ڈراپ سین